



خلفائے راشدینؓ

شاہ مصباح الدین احمد ندوی



سِلْسِلَةُ دَارِ الْمُصَنِّفِينَ

خلفاء راشدین

اولاً خلافت راشدہ کے خصائص معقین پر ایک مقدمہ ہے، اور اُس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی رضیؓ کے سوانح حیات، اور ان کے سیاسی، اجتماعی، مذہبی، اخلاقی اور علمی کارناموں کی تفصیل اور ان کے ہر ممکن فتوحات کا ذکر ہے۔

انہی

حاجی معین الدین حسنا ندوی

سابق فریق دارین

مطبع معارف دارالمصنفین عظیم گڑھ

1344
1956

فہرست مضامین خلفائے راشدینؓ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۰	منکرین زکوٰۃ کی تنبیہ	۱۲	غزوہ بدر	۳-۱	دیباچہ
۳۱	جمع و ترتیب قرآن	۱۵	غزوہ احد	۱۰-۲	تمہید
"	ایک غلط فہمی کا ازالہ		غزوہ بنی مصطلق اور		حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
	آیات دسور عہد نبوت میں	۱۶	واقعہ انک	۱ - ۴۱	
۳۲	مرتب ہو چکے تھے،	۱۸	واقعہ حدیبیہ	۱	نام نسب خاندان
	حضرت ابو بکرؓ نے قرآن مجید کی تفسیر	۲۰	امارت برج	"	حضرت ابو بکرؓ کے والد
	اجزاء کو صرف ایک کتاب کی		آنحضرت صلعم کی وفات اور	۲	حضرت ابو بکرؓ کی والدہ
"	صورت میں جمع کر لیا		حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت	۳	قبل اسلام
۳۳	صحیفہ مدنی کتب خانہ کا رہا	۲۱ - ۲۷		۳	اسلام
	فتوحات	۲۳	سقیفہ بنی ساعدہ	۴	اشاعت اسلام
۳۸ - ۳۳		۲۵	حضرت علیؓ کی ہجرت	۵	مکہ کی زندگی
۳۶	مہم عراق		خلافت	۶	ہجرت حبشہ کا قطع درپہ
۳۷	حملہ رستم	۲۷ - ۳۳		۸	ہجرت مینا اور خدمت رسولؐ
۳۸	متفرق فتوحات	۲۷	اسامہ بن زیدؓ الیٰ ہم	۱۳	مواخات
	مرض الموت استخلاف حضرت	۲۸	درعیان نبوت کا قطع	"	اتیمیر مسجد
	عمرفاروقؓ	۳۰	مردین کی سرکوبی		غزوات
	۳۷ ، ۱۱			۲۰ - ۱۲	

کارنامہ ہائے زندگی	فضائل و مناقب	ذہبی زندگی
۴۱ - ۴۱	۴۱ - ۴۱	۴۱ - ۴۱
نظام خلافت	بارگاہ نبوت میں رسوخ	۴۱ - ۴۱
ملکی نظم و نسق	علم و فضل	۴۱ - ۴۱
حکام کی نگرانی	ذوق سخن	۴۱ - ۴۱
تعزیر و حدود	تقریر و خطابت	۴۱ - ۴۱
مالی انتظامات	نسب و انانی	۴۱ - ۴۱
فوجی نظام	تبصیر و رویاء	۴۱ - ۴۱
فوج کی خلافتی تربیت	علم تفسیر	۴۱ - ۴۱
سامان جنگ کی فراہمی	حدیث	۴۱ - ۴۱
فوجی چھانڈینوں کا معائنہ	امامت و اجتہاد	۴۱ - ۴۱
بدعات کا سد باب	اصول اجتہاد	۴۱ - ۴۱
خدمت حدیث	قیاسی مسائل سے فہم	۴۱ - ۴۱
محکمہ افتاء	ایک قیاسی مسئلہ	۴۱ - ۴۱
اشاعت اسلام	اخلاق و عادات	۴۱ - ۴۱
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے	۴۱ - ۴۱	۴۱ - ۴۱
ایمانی عہد	تقویٰ	۴۱ - ۴۱
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طبیعت	زہد	۴۱ - ۴۱
استغنیائین کا خیال	اتفاق فی سبیل اللہ	۴۱ - ۴۱
ذمی رعایا کے حقوق	خدمت گزاری و خلق	۴۱ - ۴۱
۴۱ - ۴۱	۴۱ - ۴۱	۴۱ - ۴۱
۴۱ - ۴۱	۴۱ - ۴۱	۴۱ - ۴۱

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۲ - ۱۳۱

نام و نسب اور خاندان ۴۲

اسلام حضرت عمرؓ

۴۲ - ۵۵

زمانہ اسلام ۴۹

ہجرت ۵۳

غزوات و دیگر حالات

۵۵ - ۶۱

خلافت اور فتوحات

۶۲ - ۷۱

المیونین حضرت عثمان غنیؓ والنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۳۲ -	۹۲	مستمرات	۶۲	فتوحات عراق
	۹۴	فوجی انتظامات	۶۷	دبہ کی فیصلہ کن جنگ
	۹۷	مذہبی خدمات	۷۰	ام لشکر کشی
نام، نسب، خاندان ۱۳۲ قبول اسلام ۱۳۳ شادی ۱۳۴ حبشہ کی ہجرت ۱۳۵ مدینہ کی طرف ہجرت ۱۳۶ بیرسہ کی خریداری "	۱۰۲	تفریق انتظامات	فتوحات شام ۷۱ - ۷۸	
	۱۰۳	عدل و انصاف	یہودیوں کا شام کی قسمت فیصلہ ۷۲ بیت المقدس ۷۴ بیت المقدس کا سفر ۷۵ غزوہ معکہ اور فتوحات " ۷۶ فتوحات مصر ۷۷ شہادت ۷۷ زواج و اولاد "	
غزوات اور دیگر حالات ۱۳۷ - ۱۴۳	علم و فضل ۱۰۴ - ۱۰۸ اخلاق و عادات ۱۰۹ - ۱۳۱		فاروقی کارنامے ۷۹ - ۱۰۴	
غزوہ بدر اور حضرت عقیقہ کی علالت ۱۳۷ غزوہ احد ۱۳۹ دیگر غزوات " ۱۴۰ سفارت کی خدمت ۱۴۰ غزوہ تبوک اور ہجیر ۱۴۱ جیش عسره ۱۴۱	۱۰۹	خوف خدا	فتوحات پرجا جالی نظر ۷۹	
	۱۱۱	حب رسول اور اتباع سنت	تخطا م خلافت ۸۰	
	۱۱۵	زہد و قناعت	احتساب ۸۵	
	۱۲۲	تواضع	کی نظم و نسق ۸۸	
	۱۲۳	تشدد و رحم	بیت المال ۹۰	
	۱۲۶	عفو	عمیرات ۹۱	
	"	رفاہ عام		
	۱۲۸	خدا کی راہ میں دینا		
	"	مسادات کا خیال		
خلافت اور فتوحات ۱۴۲ - ۱۵۲	۱۲۹	غیرت		
	۱۳۰	خانگی زندگی		

۱۹۸	امارت بحرہ	جان نثار دن کے مشورے	۱۴۶	فتح طرابلس
"	مذہبی خدمات	۱۸۳ اور اجازت طلبی	۱۴۷	فتح افریقہ
فضل و کمال		۱۸۵ شہادت کی تیاری	"	اسپین پر حملہ
۲۰۰ - ۲۰۶		" شہادت	"	عبداللہ بن ابی سح کو انعام
۲۰۰	نوشت و خواند	۱۸۷ حضرت عثمان کا ماتم	۱۴۸	فتح قبرس
"	کتابت وحی	عثمانی کارنامے		۱۴۹ والی بصرہ کی معزولی
۲۰۱	اسلوب تحریر	۱۸۹ - ۲۰۰		۱۵۰ فتح طبرستان
۲۰۲	تقریر	۱۸۹ فتوحات پر اجمالی نظر	۱۵۱	ایک عظیم الشان بحرِ جنگ
۲۰۲	قرآن پاک	۱۹۰ فتوحات کی دست	۱۵۲	متفرق فتوحات
۲۰۳	حدیث شریف	" نظام خلافت	انقلاب کی کوشش اور حضرت عثمان کی شہادت	
"	فقہ و اجتہاد	۱۹۱ عمال کی مجلس شوری	۱۵۲ - ۱۸۸	
۲۰۶	علم الفرائض	۱۹۲ صوبوں کی تقسیم	رفعِ فتنہ کی آخری کوشش	
اخلاق و عادات		" اختیارات کی تقسیم	۱۷۶	مفسدین کو فد کی رضا جوئی
۲۰۷ - ۲۱۳		۱۹۳ حکام کی نگرانی	۱۷۸	تحقیقاتی دعوہ
۲۰۷	خوبِ خدا	۱۹۴ ملکی نظم و نسق	"	انقلاب کی کوشش
۲۰۸	حبِ رسول	" بیت المال	۱۷۹	خلافت سے کنارہ کشی کا مطالعہ
"	رسول کا ادب	" تعمیرات	۱۸۰	محاصرہ
"	اتباعِ سنت	۱۹۵ بند مہزور	۱۸۱	باغیوں کو حضرت عثمانؓ
۲۰۹	حیار	" مسیحیوں کی تعمیر و توسیع	۱۸۲	
۲۱۰	زہد	۱۹۶ فوجی انتظامات	کی فہمائش	

۲۲۹	صلح حدیبیہ	۲۱۷	نام، نسب، خاندان	۷	تواضع
۲۳۰	فتح خیبر	۲۱۹	اسلام	۲۱۱	ایشان
۲۳۱	مرحب	۲۲۰	مکہ کی زندگی	اعزہ اور احباب کے ساتھ	
۲۳۲	مہم مکہ	۲۲۱	انتظام دعوت		
۲۳۳	ایک غلطی کی تلافی	۲۲۲	ہجرت	۲۱۲	حسن سلوک
۲۳۴	غزوہ حنین	فدیتہ جان نثاری کا		۲۱۳	صبر و تحمل
۲۳۵	اہلبیت کی حفاظت			۲۱۴	منہبی زندگی
۲۳۶	تبلیغ فرمان	۲۲۳	کارنامہ	ذاتی حالات ۲۱۶ - ۲۱۷	
۲۳۷	مہم یمن اور شاعت اسلام	۲۲۴	تعمیر مسجد		
۲۳۸	حجۃ الوداع میں شرکت	غزوات اور دیگر حالات ۲۲۲ - ۲۷۵		۲۱۸	مسکن
۲۳۹	صدۃ الجانکھ	۲۲۵	غزوہ بدر	۷	درائے حاش
۲۴۰	خلیفہ اول کی بیعت اور	۲۲۶	حضرت فاطمہؓ سے نکاح	۷	جاگیر
۲۴۱	توقف کی وجہ	۲۲۷	رضعتی	۲۱۵	زراعت
۲۴۲	بیعت خلافت	۷	جہیز	۷	غذا
۲۴۳	حضرت عائشہؓ کی قصاص	۷	دعوت ولیمہ	۷	صفائی
۲۴۴	پرآبادی	۲۲۸	غزوہ احد	۷	لباس
۲۴۵	سفر عراق	۲۲۹	بنو نضیر	۷	حلیہ
۲۴۶	حضرت امام حسنؓ کا سفر کوفہ	۷	غزوہ خندق	۲۱۶	ازدواج و اولاد
۲۴۷	جنگ جمل	۷	بنو قریظہ	امیر المومنین حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ	
۲۴۸	صلح کی دعوت	۲۲۹	بنو سعد کی سرکوبی		
				۲۱۷ - ۳۲۸	کرم اللہ وجہہ

۳۰۳	تقریر و خطابت	کارنامے	۲۵۲	معرکہ صفین
۳۰۶	شاعری	۲۸۶ - ۲۷۵	"	بانی کیلئے کشش
۳۰۷	علم نحو کی ایجاد	۲۷۵ خلافتِ تصوی پر ایک نظر	"	میدانِ جنگ میں مصالحت
اخلاق و عادات اور ذاتی حالات		۲۸۱	۲۵۳	کی آخری کوشش
		"	۲۵۳	آغازِ جنگ
۳۰۷ - ۳۲۸		۲۸۳	۲۶۰	خارجی فرقہ کی بنیاد
۳۰۸	امانت و دیانت	"	"	تکلیف کا نتیجہ
۳۰۸	زہد	۲۸۴	۲۶۳	خوارج کی سرکشی
۳۱۰	عبادات	"	۲۶۵	معرکہ نہروان
۳۱۲	اتفاق فی سبیل اللہ	۲۸۶	۲۶۷	مسیر کیلئے کشش
۳۱۳	شرم و حیا	فضل و کمال		بغادون کا ہتھیال
"	شجاعت			ایر معادیہ کا جارحانہ
۳۱۵	مخالفین کے ساتھ سلوک	۳۸۷ - ۳۷۷	"	طریقِ عمل
۳۱۶	اصابتِ رائے	۳۸۹	"	اکرامانِ وفارس کی بغاوتوں
۳۲۵	خانگی زندگی	۳۹۱	۲۷۱	کو فرو کرنا
۳۲۷	خدا و لباس	۳۹۳	۲۷۲	فتوحات
"	حلیہ	۳۹۶	"	حجاز و عرب کے قبضہ
"	ازدواج و اولاد	۳۰۱	"	کے لیے کشش
		۳۰۳		

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الصَّيَابُ

سیرۃ ابنی صلعم کے ساتھ ساتھ ارکانِ دارالمصنفین کو خیال آیا کہ صحابہ کرام جو اصل میں تعلیم محمدی کی علمی مثال اور پیغمبر اسلام کے فیض ترویج کے اصلی نمونہ تھے، ان کی سیرتیں بھی ترتیب دی جائیں تاکہ اسلام کی اصلی علمی زندگی مسلمانوں کے سامنے آجائے، چنانچہ ہمارے متعدد رفقاء نے اس مقدس کام کی شرکت کی اور مجھ کو ملکہ اس کو تکمیل اور انجام کو پہنچایا۔

صحابہ کی دو بڑی تقسیمیں ہیں: مہاجرین اور انصار، اسی اصول پر سیر الصحابہ کے دو حصے قرار دیے گئے۔ سیر المہاجرین اور سیر الانصار، دوسرا حصہ یعنی سیر الانصار دو جلدوں میں چھپ کر چند سال ہوئے کہ شائع ہو چکا، اسی کے ساتھ مہاجرہ اور انصاریہ دونوں قسم کی صحابیات کی ایک خاص جلد بھی شائع ہو چکی، صحابہ بخینیت صحابہ کچان کی مذہبی، اخلاقی، سیاسی، انتظامی زندگی کا مجموعہ اسوہ صحابہ کے نام سے دو جلدوں میں چھپ کر مقبول ہو چکا ہے، غرض اس وقت تک اس سلسلے کے حسب ذیل حصے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں:

۱۔ سیر الانصار، جلد اول، جس میں حروف تہجی کی ترتیب سے الف سے لیکر یس کے نام مشاہیر

انصار کے سوانح ہیں، اور شروع میں انصار کی قبل از اسلام زندگی کی تاریخ ہے،

۲۔ سیر الانصار، جلد دوم، حسین س سے ی تک تمام اکابر انصار کے احوال و سوانح ہیں،

۳۔ سیر الصحابیات، مہاجرہ اور انصاریہ ہر قسم کی صحابیہ عورتوں کے حالات،

۴۔ اسوہ صحابہ جلد اول، اس میں تمام صحابہ کے عقائد، عبادات، اور اخلاق و فضائل کی

عملی مثالیں جمع کی گئی ہیں

۵۔ اسوہ صحابہ جلد دوم، اس میں صحابہ کے علمی، تعلیمی، سیاسی اور انتظامی کارنامے جمع کیے گئے ہیں،

مہاجرین کے احوال و سوانح کی ترتیب و تالیف ہمارے فاضل رفیق حاجی معین الدین صاحب

بندوی نے اپنے ذمہ لی تھی، لیکن وہ ابھی نصف حصہ بھی ختم کرنے نہ پائے تھے کہ ان کا انتخاب کنعانہ زندہ العلماء

کی ترتیب فرست کیلئے عمل میں آیا، وہ ان سے تقدیران کو بیشا ملک سہاسی بنگال کے کتب خانہ میں کلکتہ کی

اور چند سال ہوئے کہ پبلک اورٹیل لائبریری پٹنہ میں لے آئی، اپنے عہدہ کے خدمات کی بجا آوری میں ان کا

انعام اس درجہ رہا، کہ سیر المہاجرین کے نامام مسودہ کی کاپی سے ان کو دست کش ہونا پڑا جس اتفاق کہ

اس خدمت کیلئے انھیں کے ایک ہنام مدرسہ بھائی کے نام قرعہ فال نکلا جو اس کام کو پوری ہستی

سے انجام دیر ہے ہیں

بیرلمہاجرین کے متعدد حصے ہو گئے جن میں یہ پہلا حصہ خلفائے راشدین کے نام سے آپ کے سامنے ہے، مہاجرین

بلکہ صحابہ میں ان چاروں بزرگوں کو جو اہمیت حاصل ہوئے انکی ایک مستقل تاریخ کی مقتضی تھی اسی نیاس میں کسی

اور مہاجر صحابی کا اضافہ نہیں کیا گیا، اور نہ ان کے لیے حروف تہجی کی ترتیب کی عایت کی، ان خلفائے اربعہ کے یہ

حالات اس طرح لکھے گئے ہیں کہ ان کے ذاتی احوال و سوانح اور اخلاق و فضائل کے ساتھ ان کے عہد کی سیاسی انتظامی تاریخ

بھی نظر کے سامنے آجائے اور اس بنا پر یہ خلفائے راشدین کے حالات کے ساتھ خلافت، اشد کے عہد کی پوری تاریخ بھی ہے،

مولف نے اسکی کوشش کی کہ جہاں تک ممکن ہو حالات احادیث کی کتابوں کے اخذ کیے جائیں جہاں

اسمین نامی ہوئی ہے وہاں تاریخ کی مستند کتابوں، اخبار الطوال، تاریخ طبری، ابن اثیر، ابن خلدون اور
تاریخ الخلفاء وغیرہ سے مدد لی ہے لیکن نسبتاً ایسے موقع کم آئے ہیں

افسوس ہے کہ دوران طباعت میں حضرت ابو بکرؓ کے حالات میں ۲۰ صفحہ، ۴۰ سے ۵۰ تک چھوٹ گئے تھے،
بعد میں ۱۲۰ کر کے ۱۴۰ تک بڑھائے گئے ہیں مضامین کی ترتیب میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ صرف ہندسوں کا
اضافہ ہے اس طرح یہ کتاب ۳۳۸ کے بجائے حقیقت ۴۷۸ صفحوں پر تمام ہوئی ہے

سید سلیمان ندوی

ناظم دارالمصنفین

۱۵ صفر ۱۳۶۶ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ الطَّاهِرِينَ خَلْفَانَا

اس سے پہلے کہ خلفائے راشدین کے حالات پڑھے جائیں ضرور یہ کہ خلافت راشدہ کا مفہوم و منشا سمجھ لیا جائے، خلافت کے لغوی معنی تاجنشی اور کسی کی جگہ پُر اس کے بعد بیٹھے کے ہیں یہ لفظ خود اپنے مفہوم و منشا کو ظاہر کر رہا ہے کہ وہ ایک اصل کا سایہ ایک آئینہ کا عکس اور ایک تحقیقی منصب کی قائم مقامی ہے اسی کو امام کے لفظ سے بھی کبھی تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ دونوں لفظ خلیفہ اور امام ایک ہی شخص کی دو مختلف حیثیتوں کو ظاہر کرتے ہیں اپنے پیشرو کے نائب اور قائم مقام ہونے کے لحاظ سے وہ خلیفہ اور اپنے زمانہ کے پیروں کے لحاظ سے وہ امام اور پیشوا ہے اس بنا پر حقیقت خلافت و امامت پیغمبر کی قائم مقامی اور اس کے بعد اس کی امت کی پیشوائی ہے صحیحین میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں انبیاء اور پیغمبر ساست کرتے تھے جب ایک پیغمبر مر جاتا تھا تو دوسرا پیغمبر پیدا ہوتا تھا لیکن پیغمبری اب ختم ہو گئی تم میں خلفاء ہوں گے

اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت پیغمبری کی نیابت اور قائم مقامی ہے اور نبوت کے بعد اسلام میں یہ سب سے بڑا درجہ اور مرتبہ ہے اور اسی لیے ان امور میں جن کی نسبت پیغمبر کی وحی اور فیصلہ موجود نہ ہو اس کا حکم اور فیصلہ بھی واجب الطاعت ہے آپ نے فرمایا کہ میرے بعد میرے ہدایت پائے ہوئے جانشینوں کی پیروی کرو اسی لیے ایک پیغمبر کے انتخاب کے لیے ظاہری حیثیت سے اسکی سیاسی و انتظامی استعداد و صلاحیت کو دیکھا جائے اس سے بہت زیادہ اس کے اندر پیغمبرانہ صحبت کی افزائش پائی اور اس کے روحانی و علمی و اخلاقی فضائل و منافب کی تلاش کرنی چاہیے

ان چار بزرگوں کا درجہ بدرجہ اس منصبِ عظیم کے لیے انتخاب اس نقطہ نظر کی تشریح توضیح ہے، اسلام میں خلافت کے فرائض اس قدر وسیع اور عالمگیر ہیں کہ تمام دینی و دنیوی مقاصد کی تکمیل اُس کے تحت میں آجاتی ہے، لیکن ان کی اجمالی تشریح صرف ایک فقرہ میں کی جاسکتی ہے یعنی پیغمبر کے کاموں کو قائم اور باقی اور ہر خارجی آمیزش سے پاک و صاف رکھنا، اور ان کو ترقی دینا، یہ فقرہ ایک لفظ میں بھی سما سکتا ہے یعنی اقامت میں، لیکن یہ لفظ خود اس قدر وسیع ہے کہ تمام دینی و دنیوی مقاصد کو شامل ہو جاتا ہے، اور اقامت ارکان اسلام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، امر بالمعروف نہی عن المنکر، جہاد، نصب قضاۃ، اقامت حدود اور وعظ و بند و تعلیم وغیرہ سب اس کے جزئیات میں داخل ہو جاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی انہیں مقاصد کی تکمیل میں صرف ہوئی، اور آپ کے بعد جو لوگ آپ کے خلیفہ و جانشین ہوئے انھوں نے بھی اپنی زندگی کو انہیں مقاصد کی تکمیل کیلئے وقف کیا، خلفائے بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اگرچہ ان مقاصد کی تکمیل کیلئے الگ الگ اشخاص مقرر تھے، مثلاً نماز کی امامت اور صدقات و زکوٰۃ کے وصول کرنے کا کام مخصوص اشخاص سے متعلق تھا، برائوں پر روک ٹوک کرنے کے لیے اور اشخاص معین تھے، مقدمات کے فیصلہ کا کام مخصوص اشخاص سے لیا جاتا تھا، قرآن و سنت کی تعلیم اور لوگ دیتے تھے، لیکن خلافت کی تعریف ان تمام مقاصد کو شامل ہے اس لیے ان اشخاص کیلئے متفرق طور پر جن اوصاف کی ضرورت ہے، خلیفہ کو ان سب کا جامع ہونا چاہیے، لیکن ان ظاہری اوصاف کے علاوہ روحانی فضائل کے لحاظ سے خلیفہ میں پیغمبر کی تعلیم و تاثیر کا فیضان پورے جوش کے ساتھ جاری رہتا ہے، پیغمبر جن لوگوں میں اس قسم کی روحانی استعداد دیکھتا ہے، اشارات و تلویحات کے ذریعہ سے انہیں کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کرتا ہے، زمانہ انقلاب اور حالات کے تغیر نے اسلام کے حقیقی نصب العین کو چالیس سال کے بعد بدل دیا اور ان لوگوں کے ہاتھوں میں منصب آیا جو اندرونی و باطنی و روحانی حیثیت سے اس منصب کے لائق نہ تھے، بلکہ ان کو صرف

ظاہری طور پر ثقہ، متدین پاکباز، پابند ارکان اسلام اور عالم بالکتاب و السنۃ دیکھ کر امام و خلیفہ تسلیم کر لیا، لیکن ایک پیغمبر کی نگاہ ان ظاہری صفات کے ساتھ مخصوص روحانی فضائل و کمالات پر بھی پڑتی ہے اور انہیں فضائل و کمالات کے لحاظ سے قرآن و حدیث میں ایسے مخصوص اشارات پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کا مکمل حقیقی مستحق صرف صحابہ کا گروہ تھا، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل دیکھے تو اُن میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو سب سے بہتر پایا، اس لیے اس کو جن لیا اور آپ کو پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا، پھر آپ کے دل کے بعد اپنے بندوں کے دل دیکھے تو آپ کے صحابہ کے دل کو سب سے بہتر پایا، اس لیے اُن کو آپ کا وزیر بنایا جو آپ کے دین کی حفاظت کیلئے جگہ کرتے ہیں!

لیکن یہ ظاہر ہے کہ صحابہ کا پورا گروہ خلیفہ نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے خود اس گروہ میں ایسے مخصوص قبوہ و اوصاف کا اضافہ کیا گیا، جس سے خلافت کا مضمون خدا و رسول کے مشارکے مطابق محدود ہو کر بالکل مکمل ہو جائے اور جن لوگوں میں یہ اوصاف موجود ہوں اُن کی نسبت یہ طینتان حاصل ہو سکتے کہ وہ خلافت کو صحیح اصول پر چلائیں گے، چنانچہ قرآن و حدیث کے اشارات و کمالات سے خلافت کے مضمون کی تکمیل کے لیے بنیادیں مخصوص اوصاف کی ضرورت ہے اور یہ ہیں:

(۱) کہ خلیفہ نماز، زکوٰۃ، حج و عمرہ اور دوسرے اہم غزوات مثلاً بدر، یتھم، یمین شامل اور سورہ نور کے اترنے کے وقت موجود رہا ہو، چنانچہ خداوند تعالیٰ مہاجرین و انصار کے متعلق فرماتا ہے:

اَللّٰهُ يَكْتُبُ لَكُمْ فِيْ الْاَوْصَالِ فَاَمَّا لَكُمْ فَاَصْلُوْهُ
وَلَوْ كُنْتُمْ اَوْصَالًا لَّكُنْتُمْ اَوْصَالًا
وَلَوْ كُنْتُمْ اَوْصَالًا لَّكُنْتُمْ اَوْصَالًا
وَلَوْ كُنْتُمْ اَوْصَالًا لَّكُنْتُمْ اَوْصَالًا

اور یہ تمام چیزیں مقاصد خلافت میں شامل ہیں

شرکاء صلح حدیبیہ کی نسبت ارشاد ہوتا ہے

محمّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ اَشْهَدُوْا عَلٰی النَّفٰرِ
محمد رسول اللہ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس گروہ کے ذریعہ سے اعلانِ کلمۃ اللہ ہوگا جو خلافت کا سب سے

بڑا مقصد ہے

جو لوگ سورہ نور کے اترنے کے وقت موجود تھے ان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان سے وعدہ ہے
اَنِّيْ تَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اَسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ
وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین کا خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان لوگوں کو
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِيْ
خلیفہ بنا چکا ہو جو ان سے پہلے تھے اور ان کے اس میں کو جو
اَرْتَضٰى لَهُمْ (نور ع)
ان کے لیے پسند کیا ہو مضبوط کر دینگا

اب اس آیت میں ”سکرم“ کے لفظ سے وہی جماعت مراد ہے جو اس موقع پر موجود تھی اور نہ
اگر عام مسلمان مراد ہوتے تو ایمان و عمل صالح کے کاغذ کے ساتھ یہ لفظ بیکار ہو جاتا، بہر حال اس آیت
سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مخصوص جماعت سے خدا نے خلافت کا وعدہ کیا ہے اور اس کے ذریعہ سے
دین کو استحکام حاصل ہوگا

شرکاء بدر و تبوک کے فضائل میں بھی اس قسم کے آیات و احادیث وارد ہیں جن سے ثابت
ہوتا ہے کہ خلافت کیلئے جن اوصاف کی ضرورت ہے وہ ان میں موجود تھے

(۲) وہ بشرِ باجنتہ ہو،

(۳) وہ اہل سنت کے طبقہ علیائے نبوی صدیقین، شہداء و صالحین اور محدثین میں شامل ہو، اور حجت

میں اس کا درجہ بلند ہو،

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اُس کے ساتھ ایسا ہو جیسا کہ ایک سختی خلافت کے ساتھ ہو سکتا ہے، مثلاً آپ نے اُس کے استحقاقِ خلافت کا ذکر کیا ہوا ایسے قرائن بیان فرمائے ہوں جن سے فقہاء صحابہ نے یہ سمجھا ہو کہ اگر آپ خلیفہ بنانے تو اسی شخص کو بناتے ہو کہ امِ نبوت سے تعلق رکھتے ہیں آپ نے اپنی زندگی میں اس سے لیے ہوں

(۵) خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدے کیے ہوں وہ اس کی ذات سے پورے ہوں

(۶) اس کا قول حجت ہو،

یہ اوصاف اگرچہ متفرق طور پر بہت سے صحابہ میں پائے جاتے تھے، لیکن ان کا مجموعہ صرف خلفائے اربعہ کی ذات تھی، چنانچہ ان اوصاف کو اگر یہ ترتیب پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں کوئی دُصفت ایسا نہیں ہے جو ان کی ذات میں موجود نہ ہو یہ لوگ مہاجرین و انصار میں سے تھے صلح حدیبیہ میں شریک تھے، بدرِ احد اور تبوک اور دوسرے اہم غزوات میں شریک تھے، اور سورہ نور کے اترنے کے وقت موجود تھے، بشرِ بائعہ تھے، اُمت کے طبقہ علیا سے تھے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم ایک پہاڑ پر تھے کہ ایک چٹان ہلنے لگی، آپ نے اس وقت فرمایا کہ ٹھہر تجھ پر صرف نبی یا صدیق یا شہید ہیں، ہر ایک خلیفہ کے متعلق الگ الگ بھی اس قسم کی حدیث وارد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام امت میں نہایت بلند درجہ رکھتے تھے، آپ نے حضرت ابو بکر کی نسبت فرمایا کہ تم پہلے شخص نہیں ہو جو میری امت میں سے جنت میں داخل ہوگا، تم حوض کوثر پر میرے رفیق ہو، اور غار میں میرے رفیق تھے حضرت عمر کی نسبت ارشاد ہوا کہ گذشتہ امتوں میں محدثین تھے، اگر میری امت میں کوئی محدث ہوگا تو وہ عمرؓ ہوں گے، بہت سی آیتیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق نازل ہوئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث سے
 مصداق تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا کہ جس سے فرشتے شہرتا تے ہیں کیا میں اُس سے
 نہ شہرتاؤں، ہر پیغمبر کے رفیق ہوتے ہیں اور جنت میں میرا رفیق عثمان ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت
 ارشاد ہوا کہ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میرے ساتھ تم کو وہی نسبت حاصل ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ
 تھی، کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اُس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور اُسکو اللہ اور
 اس کے رسول محبوب رکھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بزرگوں کے ایسے اوصاف بیان فرمائے
 ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہی خلافت کے حقیقی مستحق تھے، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ میری امت
 پر سب سے زیادہ رحمدل ابو بکرؓ خدا کے بارے میں سب سے زیادہ بولنے والے عمرؓ سب سے زیادہ حیا دار
 عثمانؓ اور سب سے بڑے قاضی علی بن ابی طالبؓ ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ اگر تم لوگ ابو بکرؓ
 کو امیر بناؤ گے تو اُن کو امین دنیا کا حقیر سمجھنے والا اور آخرت کا شائق پاؤ گے، اگر عمرؓ کو امیر بناؤ گے تو
 ان کو قوی امین پاؤ گے جو خدا کے بارے میں ملامت کا خوف نہ کریں گے، اور اگر علیؓ کو امیر بناؤ گے
 اور میرا خیال ہے کہ تم لوگ ایسا نہ کرو گے تو اُن کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ پاؤ گے، ان
 اوصاف کے ساتھ جو کام منصب نبوت سے تعلق رکھتے تھے آپ نے اپنی زندگی میں اُن سے وہ کام
 لیے ہیں مثلاً حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو متعدد مواقع پر اپنی جگہ امام بنایا ہے اور ان کو امیرِ مہاجر
 فرمایا ہے، مسلمانوں کے معاملے میں ہمیشہ شیخین سے مشورے کیے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بعض
 غزوات کا امیر بنایا ہے اور صدقاتِ مدینہ کا عامل مقرر فرمایا ہے، حضرت عثمانؓ سے صلح حدیبیہ کے
 زمانے میں سفیر کا کام لیا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مین کا قاضی مقرر کر کے بھیجا ہے،
 خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدے کیے تھے وہ ان کے زمانے میں پورے
 ہوئے، مثلاً اقامتِ صلوٰۃ، اتیانِ زکوٰۃ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اور تکین و تقویتِ دین سے وہ وعدے

پورے ہوئے جو آیہ ان مکناہم فی الارض الخ اور وعد اللہ الذین آمنوا منکم الخ میں کئے گئے تھے، اسلام کے مقابل میں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کے مغلوب ہو جانے سے لیظہر علی الدین کلمہ کی بشارت پوری ہوئی اور فتوحات کی کثرت نے آیہ مثلاًہم فی التوراة و مثلاًہم فی الانجیل الخ کی موعودہ خیر و برکت کو پورا کیا، آیہ من یرتد منکم من مدین کی جنگ کی طرف اشارہ ہے اور وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں ہوئی، اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَ میں قرآن مجید کے جمع و تدوین کی طرف اشارہ ہے اور یہ قدس کام حضرت ابو بکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی کوششوں سے انجام پایا، قتالِ خوارج کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ اگر میں ان کو پاتا تو عادی طرح قتل کر ڈالتا، اور ان کی جنگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں ہوئی،

اور دین میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح کے مطابق ان کا قول و فعل حجت تھا، چنانچہ اپنے فرمایا کہ تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کا اتباع فرض ہے، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میرے بعد کے لوگوں میں ابو بکر اور عمر کی تقلید کرو، غرض اس قسم کے بشارت فاضل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق خلافت کے حقیقی تخت اور اس کی تعریف کا صحیح مصداق صرف خلفائے اربعہ تھے اور ان کے کارنامے زندگی بھی جو اس کتاب میں مذکور ہیں اسکی تصدیق کریں گے،

حضرت ابوبکر صدیق رضی

خلیفہ اول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نام، نسب، خاندان | عبداللہ نام ابوبکر کنیت، صدیق اور عقیق لقب، والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ والدہ کا نام سلمیٰ اور ام الخیر کنیت والد کی طرف سے پورا سلسلہ نسب یہ ہے عبداللہ بن بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی التیمی اور والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے ام الخیر بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ، اس طرح حضرت ابوبکرؓ کا سلسلہ انصہب چھٹی پشت میں مرہ پر آنحضرت صلم سے مل جاتا ہے

حضرت ابوبکرؓ کے والد ابو قحافہ عثمان بن عامر شرفاء مکہ میں سے تھے اور نہایت معمر تھے ابتداً حبیباً کہ بوڑھوں کا ناعد ہے وہ اسلام کی تحریک کو بازیچہ اطفال سمجھتے تھے چنانچہ حضرت عبداللہؓ کا بیان ہے کہ جب آنحضرتؐ نے ہجرت فرمائی، ہر توین آپ کی تلاش میں حضرت ابوبکرؓ کے گھر آیا وہاں ابو قحافہ موجود تھے انھوں نے حضرت علیؓ کو اُس طرف سے گزرتے ہوئے دیکھ کر نہایت برہمی کے ساتھ کہا کہ ان بچوں نے ہمارے لڑکے کو بھی خراب کر دیا،

ابو قحافہ فتح مکہ تک نہایت استقلال کے ساتھ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے، فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ صلم مسجد میں تشریف فرما تھے وہ اپنے فرزند سید حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، آنحضرت صلم نے اُن کے ضعف پیری کو دیکھ کر فرمایا کہ انھیں کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا اُس کے بعد آپ نے نہایت

شفقت سے اُن کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور کلماتِ طیبات تلقین کر کے مشرف باسلام فرمایا،

حضرت ابو قحافہؓ نے بہت بڑی عمر پائی آنحضرت ﷺ کے بعد اپنے فرزند ارجمند حضرت ابوبکرؓ کے بعد بھی کچھ دنوں تک زندہ رہے آخر عمر میں نہایت ضعیف ہو گئے تھے، انکھوں کی بصارت باقی رہی ۱۳ھ میں انہوں نے اس کی عمر میں وفات پائی

حضرت ابوبکرؓ کی والدہ | حضرت ام الخیر سلمیٰ بنت صخر کو ابتدائی میں حلقہ بگوشانِ اسلام میں داخل

ہونے کا شرف حاصل ہوا، اُن سے پہلے صرف اُن تالیس اصحابِ سلمان ہوئے تھے، یہ قلیل

جماعت بالاعلان اپنے اسلام کا اظہار نہیں کر سکتی تھی، اور نہ مشرکین و کفار کو بیانِ گہلِ دین میں

کی دعوت دے سکتی تھی، لیکن حضرت ابوبکرؓ کا مذہبی جوش اس بے بسی پر نہایت مضطرب تھا،

آپ نے ایک روز نہایت اصرار کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے اجازت لیکر مجمعِ عام میں شریعتِ حق

کے فضائل و مبادیٰ پر تقریر کی اور کفار و مشرکین کو شرک و بت پرستی چھوڑ کر اسلام قبول کر لینے کی دعوت

دی، کفار و مشرکین جن کے کان کبھی ان الفاظ سے مانوس نہ تھے نہایت برہم ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ

صدیقؓ کو نہایت بے رحمی اور ناخدا ترسی کے ساتھ اس قدر مارا کہ بالآخر نبوتِ تم کو باوجود مشرک ہونے کے

اپنے قبیلہ کے ایک فرد کو اس حال میں دیکھ کر ترس اُگیا اور اُنھوں نے عام مشرکین کے بچہ بچہ ظلم سے

چھڑ کر ان کو مکان تک پہنچا دیا، شب کے وقت بھی حضرت ابوبکرؓ باوجود درد اور تکلیف کے اپنے

والد اور خاندانی اعزاء کو اسلام کی دعوت دیتے رہے صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کا پتہ دریافت کر کے اپنی

والدہ کے ساتھ ارقم بن ارقم کے مکان میں آئے، اور آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ میری والدہ حاضر

ہیں ان کو راہِ حق کی ہدایت کیجئے، آنحضرت ﷺ انھیں اسلام کی دعوت دی اور وہ مشرف باسلام ہو گئیں

حضرت ام الخیر نے بھی طویل عمر پائی، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت تک زندہ

رہیں لیکن اپنے شوہر سے پہلے وفات پائی،

قبل اسلام حضرت ابوبکر صدیقؓ اسلام سے پہلے ایک متول تاجر کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کی دیانت، رہتباری اور امانت کا خاص شہرہ تھا، اہل مکہ ان کو علم، تجربہ اور حسن خلق کے باعث نہایت معزز سمجھتے تھے، ایام جاہلیت میں خونہما کا مال آپ ہی کے بیان جمع ہوتا تھا، اگر کبھی کسی دوسرے شخص کے بیان جمع ہوتا تو قریش اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کو ایام جاہلیت میں بھی شراب سے دیسے ہی نفرت تھی جیسی زمانہ اسلام میں اس قسم کے ایک آل کے جواب میں فرمایا کہ شراب نوشی میں نقصان آبرو ہے،

آنحضرت صلیم کے ساتھ بچپن ہی سے ان کو خاص انس اور خلوص تھا، اور آپ کے مخصوص حلقہ احباب میں داخل تھے اکثر تجارت کے سفروں میں بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا تھا،

اسلام آنحضرت صلیم کو جب غلبت نبوت عطا ہوا اور آپ نے مخفی طور پر احبابِ مخلصین اور مخرمانہ راز کے سامنے اس حقیقت کو واضح فرمایا، تو جس ذکر میں سے حضرت ابوبکرؓ نے سب سے

پہلے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا، بعض ارباب سیر نے ان کے قبول اسلام کے متعلق بہت سے طول طویل تسنّے نقل کیے ہیں، لیکن یہ سب حقیقت سے دور ہیں اصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا انداز دل پہلے سے صاف تھا، فقط غور شدہ حقیقت کی عکس نگینی کی دیرپھی گزشتہ صحبتوں کے تجربے نبوت کے خلاف خیال کو اس طرح واضح کر دیا کہ معرفت حق کے لیے کوئی انتظار باقی نہ رہا، البتہ ان کے

ادل مسلمان ہونے میں بعض موزین اور اہل آثار نے کلام کیا ہے، بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا اسلام سب پر مقدم ہے بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو اہدیت کا فخر حاصل ہے، اور بعض کا خیال ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ بھی حضرت ابوبکرؓ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے، لیکن اُس کے مقابلہ میں ایسے اخبار و ہمار بھی کثرت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اہدیت کا طفرائے شرف امتیاز صرف اسی ذات گرامی کے لیے مخصوص ہے۔

معروف احادیث
جلد دوم صفحہ ۲۱۰

حسان بن ثابتؓ کہے ایک قصیدے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے،

اذا تذكرت شيوخا من اخي ثقة فاذا ذكر اخاك ابا بکر بما فعلا
جب تمہیں کسی سچے بھائی کا غم یاد آئے تو اپنے بھائی ابو بکر کو یاد کر دینے کا زمانہ بنی بنا پر

خير البرية اتقا لها واعدا لها بعد النبي وادفائها بما حملا
وہ نام مخلوق میں نہیں صلعم کے بعد تنہا اور عدل کے لحاظ سے سب سے بہتر تھے اور انھوں نے جو کچھ اٹھایا اس کو پورا کر کے چھوڑا

والثاني التالي المحمود شهيدا واول الناس منه مصدق الرسلا

دہائی اور پچیسے نبیوں میں جن کی شکلات میں موجودگی کی تعریف کی گئی ہے اور وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسولؐ کی تصدیق کی

محققین نے ان مختلف احادیث و آثار میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین حضرت

خدیجہ عورتوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بچوں میں حضرت زید بن حارثہ علاموں میں اور

حضرت ابو بکر صدیقؓ آؤ اور بالغ مردوں میں سب سے اول مومن ہیں۔

انشاء اسلام | حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسلمان ہونے کے ساتھ ہی دین صلیف کی نشر و عمت

کیلئے جد و جہد شریعہ کردی اور صرف آپ کی دعوت پر حضرت عثمان بن عفانؓ حضرت زبیر بن العوامؓ

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت طلحہ بن عبد اللہ جو معدن اسلام

کے سب سے تابان و درخشاں جواہر ہیں شرف باسلام ہوئے حضرت عثمان بن مظعونؓ حضرت

ابو عبیدہؓ حضرت ابوسلمہؓ اور حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ بھی آپ کی ہدایت سے دارہ اسلام

میں داخل ہوئے یہ وہ اکابر صحابہ ہیں جو آسمان اسلام کے اخترائے تابان ہیں لیکن ان ساروں کا

مرکز شخصی حضرت ابو بکر صدیقؓ ہی کی ذات تھی علانیہ دعوت کے علاوہ ان کا غفی روحانی اثر بھی سعید

روحوں کو اسلام کی طرف مائل کرتا تھا چنانچہ اپنے صحن خانہ میں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی تھی اور

اس میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت الہی میں مصروف رہتے تھے آپ نہایت

شرح ابوری
جلد ۶
صفحہ ۱۳۰

رفیق القلب تھے، قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے لوگ آپ کے گریہ و بکا کو دیکھ کر جمع ہو جاتے اور اس پر اثر منظر سے نہایت متاثر ہوتے^{۳۷}

مکہ کی زندگی | ام المومنین حضرت صلعم نے بعثت کے بعد کفار کی ایذا رسانی کے باوجود تیرہ برس تک مکہ میں تبلیغ و دعوت کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت ابوبکر صدیقؓ اس بے بسی کی زندگی میں جان نال رائے و شورہ غرض ہر حیثیت سے آپ کے دست مبارک و اور رنج و راحت میں شریک رہے، انحضرت صلعم روزانہ صبح و شام حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے جاتے اور دیر تک مجلس راز قائم رہتی^{۳۸} قبائل عرب اور عام مجوس میں تبلیغ و ہدایت کے لیے جاتے تو یہ بھی ہمراہ ہوتے اور اپنی نسب انی اور کثرت ملاقات کے باعث لوگوں سے آپ کا تعارف کراتے^{۳۹}

مکہ میں ابتداء میں لوگوں نے داعی توحید کو لبیک کہا ان میں کثیر تعداد غلاموں اور لونڈوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجہ ظلم و تم میں گرفتار ہونے کے باعث طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا تھے، حضرت ابوبکرؓ نے ان مظلوم بندگان توحید کو ان کے جفا کار مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیا، چنانچہ حضرت بلالؓ، عمار بن فیروزؓ، زبیرؓ، ہندہؓ، جاریہ بنی مول اور بنت ہندہ وغیرہ نے اسی صدیقی جو دو کرم کے ذریعہ سے نجات پائی،

کفار جب کہی ام المومنین حضرت صلعم پر دست تعدی دراز کرتے تو غیص جان نثار خطرہ میں پڑ کر خود سینہ سپر ہو جاتا، ایک دفعہ آپ خانہ کعبہ میں تقریر فرما رہے تھے مشرکین اس تقریر سے سخت برہم ہوئے اور اس قدر مارا کہ آپ بیہوش ہو گئے، حضرت ابوبکرؓ نے بڑھ کر کہا خدا تم سے سمجھے! کیا تم صرف اس لیے ان کو قتل کر دو گے کہ یہ ایک خدا کا نام لیتے ہیں؟^{۴۰} اس طرح ایک روز

۳۷ بخاری باب ہجرتہ ابنی المسلمین و اصحابہ الی المدینہ ۳۸ ایضاً ۳۹ کنز العمال جلد ۶ فضائل ابی بکر الصدیقؓ ۴۰

آنحضرت صلیم نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں عقبہ بن معیط نے اپنی چادر سے گلوے مبارک میں پھندا ڈال دیا، اسوقت آقا حضرت ابوبکرؓ پہنچ گئے اور اُس ناہنجار کی گردن بکڑ کر خیر الانام علیہ السلام سے علیحدہ کیا اور فرمایا "کیا تم اُسکو قتل کر دو گے جو تمھارے پاس خدا کی نشانیاں لایا ہے اور کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے"۔

آنحضرت صلیم اور حضرت ابوبکرؓ میں رشتہ مصاہرت کہہ ہی میں قائم ہو یعنی حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں، لیکن رخصتی ہجرت کے دو سال بعد ہوئی،

ہجرت حبشہ کا قصد اور وہی | ابتداً مشرکین قریش نے مسلمانوں کی قلیل جماعت کو چند انصافیت مذہبی لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ روز بروز ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور اسلام کا حلقہ بڑھتا وسیع ہوتا جاتا ہے تو نہایت سختی سے انھوں نے اس تحریک کا سدباب کرنا چاہا، ایذا اور تکلیف رسانی کی تمام ممکن صورتیں عمل میں لانے لگے، آنحضرت صلیم نے جب اپنے جان نثاروں کو ان مصائب میں مبتلا پایا تو سترزدوں کو حبش کی طرف ہجرت کی اجازت دی اور بہت سے سلمان حبش کی طرف روانہ ہو گئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی باوجود جاہلیتِ اُتٰی اور اعزازِ خاندانی کے اس دارِ گیر سے محفوظ نہ تھے، چنانچہ حضرت طلحہ بن عبد اللہؓ ان کی دعوت و تبلیغ سے حلقہ حبش اسلام ہوئے تو حضرت طلحہؓ کے چچا نوفل بن غیلہ نے ان دونوں کو ایک ساتھ باندھ کر مارا اور حضرت ابوبکرؓ کے خاندانِ نبوتؐ نے کچھ حمایت نہ کی، ان اذیتوں سے مجبور ہو کر آپؐ نے آنحضرت صلیم سے اجازت لی اور رخصت سفر باندھ کر عازم حبش ہوئے، جب آپؐ مقام برک انعمادین پہنچے تو ابنِ غنیمہؓ نے بخاری باب ما تلقی ابی مسلم و اصحابہ من المشرکین بکلمۃ اللہ ابی سلمہ عائشہؓ سے طبقات ابن سعدؒ قسم دل جز ثلث ص ۱۵۱، یہ واقعہ کی روایت ہے،

رئیس قارہ سے ملاقات ہوئی اُس نے پوچھا ابو بکر کمان کا قصد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قوم نے مجھے جلا وطن کر دیا ہے اب ارادہ ہے کہ کسی اور ملک کو جلا جاؤں اور آزادی سے خدا کی عبادت کروں ابن الدغنے نے کہا کہ تم سا آدمی جلا وطن نہیں کیا جاسکتا، تم غلے بے نوکی گہیری کرتے ہو، قرابت داروں کا خیال رکھتے ہو، ہمان نوازی کرتے ہو، مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو، میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے وطن ہی میں اپنے خدا کی عبادت کرو، چنانچہ آپ ابن الدغنے کے ساتھ پھر مکہ واپس آئے، ابن الدغنے نے قریش میں پھر پھر کر اعلان کر دیا کہ آج سے ابو بکر میرے امان میں ہیں، ایسے شخص کو جلا وطن نہ کرنا چاہیے جو محتاجوں کی خبر گیری کرتا ہے قرابت داروں کا خیال رکھتا ہے، ہمان نوازی کرتا ہے، اور مصائب میں لوگوں کے کام آتا ہے، قریش نے ابن الدغنے کے امان کو تسلیم کیا، لیکن فرمایش کی کلا بکر کو سمجھا دو کہ جب اور جس طرح جی چاہے اپنے گھر میں پڑھیں اور قرآن کی تلاوت کریں اپنے گھر سے باہر ناپڑھنے کی ان کو اجازت نہیں، لیکن جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عبادت الہی کے لیے اپنے صحن خانہ میں ایک مسجد بنائی تھی، کفار کو اسپر بھی اعتراض ہوا، اور انھوں نے ابن الدغنے کو خبر دی کہ ہم نے تمھاری ذمہ داری پر ابو بکر کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے مکان میں چھپ کر اپنے مذہبی فرائض ادا کریں، لیکن اب وہ صحن خانہ میں مسجد بنا کر اعلان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اس سے ہم کو خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے متاثر ہو کر اپنے آبائی مذہب سے برعقیدہ ہو جائیں، اس لیے تم انھیں مطلع کر دو کہ اس سے باز آئیں ورنہ تم کو ذمہ داری سے بری سمجھیں، ابن الدغنے نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا تم جانتے ہو کہ میں نے کس شرط پر تمھاری حفاظت کا ذمہ لیا ہے، ایسے یا تو تم اس پر قائم رہو یا مجھے ذمہ داری سے بری سمجھو، میں نہیں چاہتا کہ عرب میں مشہور ہو کہ میں نے کسی کے ساتھ بد عہدی کی، لیکن حضرت ابو بکر نے نہایت استغناء کے ساتھ جواب دیا کہ مجھے

مختاری پناہ کی حاجت نہیں میرے لیے خدا اور اس کے رسول کی پناہ کافی ہے۔
 ہجرت مینہ اور خدمت رسول اکفار و مشرکین کا دست ستم روز بروز زیادہ و زائد ہوتا گیا تو آپ نے پھر
 دوبارہ ہجرت کا قصد کیا، اس وقت تک مدینہ کی سرزمین نور اسلام سے منور ہو چکی تھی اور تیزوہ
 مسلمانوں کو نہایت خلوص و محبت کے ساتھ اپنے دامن میں پناہ دے رہی تھی اس لیے اس نفع
 آپ نے مدینہ کو اپنی منزل مقصود قرار دیا اور ہجرت کی تیاری شروع کر دی لیکن بارگاہ نبوت سے
 حکم ہوا کہ ابھی عجلت نہ کرو، امید ہے کہ خدا کے پاک کی طرف سے مجھے بھی ہجرت کا حکم ہوگا حضرت
 ابو بکر صدیقؓ نے نہایت تعجب سے پوچھا ”میرے مان باپ آپ پر خداوندان کیا آپ کو بھی ہجرت
 کا حکم ہوگا؟ ارشاد ہوا ”ہاں“ عرض کی ”یا رسول اللہ! مجھے ہر اسی کا شرف نصیب ہو، فرمایا ”ہاں،
 تم ساتھ چلو گے“ غرض اس بشارت کے بعد ارادہ ملتوی ہو گیا اور چار ماہ تک منتظر رہے،

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ عموماً صبح و شام حضرت ابو بکر صدیقؓ کے
 گھر تشریف لایا کرتے تھے، لیکن ایک روز منہ چھپائے ہوئے خلاف معمول نا وقت تشریف لائے
 اور فرمایا کہ کوئی ہو تو ہٹا دو میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی کہ گھر والوں کے
 سوا کوئی اور نہیں ہے، غرض اطمینان ہو گیا تو آنحضرت ﷺ اندر تشریف لائے، اور فرمایا کہ مجھے ہجرت
 کا حکم ہو گیا حضرت ابو بکرؓ نے پھر ہر ہی کی تمنا ظاہر کی ارشاد ہوا ”ہاں تیار ہو جاؤ وہ تو چار ماہ سے
 اسی انتظار میں تھے، فوراً تیار ہو گئے، ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے جلدی جلدی
 رخت سفردست کیا حضرت اسماءؓ کو جلدی میں توشہ دان باندھنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی،
 تو انھوں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر بازو اٹھا اور دربار نبوت سے ذات انطا قین کا خطاب پایا،
 حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پہلے ہی سے دو اونٹ تیار کر لیے تھے، ایک آنحضرت ﷺ کی خدمت میں

پیش کیا اور ایک پر خود سوار ہوئے اس طرح بنی و صدیق کا مختصر قافلہ ماہی مدینہ ہوا۔
 اس قافلہ کی پہلی منزل غارِ ثور تھی حضرت ابو بکرؓ نے غار میں پہلے داخل ہو کر اس کو سورت
 کیا جو سوراخ اور بھٹ نظر آئے اُن کو بند کیا، پھر آنحضرت صلیعہ سے اندر تشریف لانے کے لیے عرض
 کی آنحضرت صلیعہ اس غار میں داخل ہوئے اور اپنے رفیقِ مونس کے زانو پر سر مبارک رکھ کر مشغول
 استراحت ہوئے، اتفاقاً اسی حالت میں ایک سوراخ سے جو بند ہونے سے رہ گیا تھا ایک
 زہریلے سانپ نے سر نکالا لیکن اس خادمِ جان نثار نے اپنے آقا کی راحت میں خلل انداز نہ ہونا
 گوارا نہ کیا اور خود اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اُس پر پاؤں رکھ دیا، سانپ نے کاٹ لیا، زہر اُڑ
 کرنے لگا، درد و کرب کے باعث آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے لیکن اس وفا شعار رفیق نے
 اپنے جسم کو حرکت تک نہ دی کہ اس خوابِ راحت میں خلل اندازی ہوگی، ناگاہ آنسو کا ایک قطرہ
 ڈھلک کر آنحضرت صلیعہ کے چہرہ اُنور پر پڑا جس سے حضور بیدار ہو گئے اور اپنے غلصہ غمگسار کو بچین
 دیکھ کر فرمایا ابو بکر کیا ہے؟ عرض کی میرے مان باپ آپ پر فدا ہوں! سانپ نے کاٹ لیا،
 آنحضرت صلیعہ نے اُسی وقت اس مقام پر اپنا آبِ دہن لگایا زہر کا اثر دور ہو گیا،

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ کو ہدایت کر دی تھی کہ دن کو
 مکہ میں جو واقعات پیش آئیں تم رات کو ہمارے پاس آ کر اُن کی اطلاع کرتے رہنا اسی طرح اپنے
 غلامِ عامر بن نفیرہؓ کو حکم دیا تھا کہ دن کو مکہ کی چراگاہ میں بکریاں چرا لیں اور رات کے وقت غا
 کے پاس لے آئیں صبح کے وقت جب حضرت عبداللہؓ واپس آتے تو حضرت عامر بن نفیرہؓ
 اُن کے نشانِ قدم پر بکریاں لاتے تاکر نشان مٹ جائے اور کسی کو شبہ نہوارات کے وقت
 اُنہیں بکریوں کا تازہ دودھ غذا کے کام میں آتا غرض تین دن اور تین رات اسی حالت میں

بسر ہے اور یہ تمام کارروائیاں اس احتیاط سے عمل میں آئیں کہ قریش کو ذرا بھی شبہ نہ ہو
 اس عرصہ میں کفار مکہ بھی اپنی کوششوں سے غافل نہ تھے جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
 ہجرت فرمائی ہے اُس روز قریش کی مجلس نئی سے آپ کے قتل کا فتویٰ صادر ہو چکا تھا اور تمام
 ضروری تدبیریں عمل میں آچکی تھیں ابو جہل وغیرہ نے اُس روز رات بھر کا شانہ اقدس کا صحابہ
 رکھا، لیکن جب وقت معین پر خواب گاہ میں داخل ہوئے تو وہ گوہر مقصود سے خالی تھا، وہاں سے
 حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دولت کدہ پر گئے اور حضرت اسماءؓ سے اُن کے والد کو دریافت کیا
 انھوں نے لاعلمی ظاہر کی تو ابو جہل نے غضبناک ہو کر زور سے ایک طمانچہ مارا اور با سے یقین
 ہو گیا کہ یہ دونوں ایک ساتھ یہاں سے روانہ ہو گئے

قریش اپنی ناکامی پر سخت برہم ہوئے اسی وقت اعلان کیا گیا کہ جو شخص محمد کو گرفتار کر کے
 لائے گا اُس کو سوا نوٹ انعام میں دیے جائیں گے چنانچہ متعدد بہادر و ن نے مذہبی جوش
 اور انعام کی طمع میں آپ کی تلاش شروع کی، مکہ کے اطراف میں کوئی آبادی، ویرانہ، جنگل، پہاڑ،
 اور سنان میدان ایسا نہوگا جس کا جائزہ نہ لیا گیا ہو، یہاں تک کہ ایک جماعت غار کے پاس
 بھی پہنچی اُس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ کو نہایت اضطراب ہوا اور حزن و یاس کے عالم میں بولے
 ”اگر وہ ذرا بھی نیچے کی طرف نگاہ کریں گے تو ہم دیکھ لیے جائیں گے“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو
 تشفی دی اور فرمایا ”یوسفؑ غمزدہ نہ ہو، ہم صرف دو نہیں ہیں ایک تیسرا یعنی خدا، بھی ہمارے
 ساتھ ہے، اس تشفی آمیز فقرہ سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اطمینان ہو گیا اور اُن کا مضطرب دل
 امداد غیبی کے یقین پر لازوال جرات و استقلال سے ملبو ہو گیا، خدا کی قدرت کہ کفار جو تلاش

سہ بخاری ج ۲ باب بنیان الکعبہ باب ہجرۃ النبی و صحابہ الی المدینہ سہ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۹ سہ سلم ہا

فضائل ابی بکر صدیقؓ

کرتے ہوئے اس غار تک پہنچے۔ ان کو دیکھ کر اس نے ہرگز نہ سمجھا کہ یہ کون سی کائنات
 پہنچا ہے اور نہ کام واپس چلے گئے،

غرض چوتھے روز یہ کاروان پھسے آگے روانہ ہوا، اب اسمین بجائے دو کے چار آدمی
 تھے، حضرت ابو بکرؓ نے اپنے غلام عامر بن نفیرہ کو راستہ کی خدمات کے لیے اپنے پیچھے بٹھالیا ہے
 عبد بن رقیط آگے آگے راستہ بتاتا جاتا، حضرت ابو بکرؓ مہبط وحی والہام کی حفاظت کے لیے
 کبھی آگے بڑھ جاتے ہیں اور کبھی پیچھے ہو جاتے ہیں، اسی اشارہ میں سراقہ بن جشم قریش کا ہرکار
 گھوڑا اٹھاتا ہوا قریب پہنچ گیا، حضرت ابو بکرؓ نے خوت زدہ ہو کر کہا ”یا رسول اللہ! یہ سوار قریب
 پہنچ گیا“ ارشاد ہوا ”غلین نہ خدا ہمارے ساتھ ہے بارگاہ رب العالمین میں دعا کی، اس کا اثر
 یہ ہوا کہ سراقہ کے گھوڑوں کے پاؤں زمین میں دبسن گئے، اتر کر اپنے پھینک کر فال نکالی جواب
 آیا کہ اس تعاقب سے دست بردار ہو جاؤ، نہ مانا، پھر آگے بڑھا، پھر وہی واقعہ پیش آیا، مجبور ہو کر
 امان طلب کی اور واپس گیا،

حضرت ابو بکر صدیقؓ نہایت کثیر الاحباب تھے، راہ میں بہت سے شناسائے جو حضرتؓ
 کو پہچانتے نہ تھے وہ پوچھتے تھے کہ ابو بکرؓ یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ تو آپؓ گول مول جواب دیتے
 کہ یہ ہمارے رہنما ہیں، غرض اس طرح پہلی منزل ختم ہوئی، حضرت ابو بکرؓ نے ایک سایہ دار چٹان
 کے نیچے فرش درست کر کے اپنے محبوب آقا کے لیے استراحت کا سامان ہم پہنچایا اور خود کھانے
 کی شے میں نکلے، اتفاق سے ایک گڈریا اسی چٹان کی طرف آ رہا تھا، اس سے پوچھا کہ یہ کمران
 کس کی ہیں؟ اس نے ایک شخص کا نام لیا، پھر دریافت فرمایا کہ اسمین کوئی دودھ دہا رہی کبری بھی ہے؟
 اس نے کہا ہاں! آپؓ نے فرمایا کہ ہمیں دودھ دو گے، اس نے رضامندی ظاہر کی تو آپؓ نے

ہدایت کی کہ پہلے تمہن کو اور ہاتھ کو گردوغبار سے اچھی طرح صاف کرو، اُس نے حسب ہدایت وہ دودھ دودھ کر پیش کیا آپ نے ٹھنڈا کرنے کے لیے اُس میں تھوڑا سا پانی ملایا اور کپڑے سے چھپا کر خدمتِ بابرکت میں لائے آپ نے نوش فرمایا اور دوسری منزل کے لیے چل کھڑے ہوئے۔ اسی طرح یہ مختصر قافلہ دشمنوں کی گھائیٹوں سے بچتا ہوا بارہویں رجب الاول سنہ نبوت کے چودھویں سال مدینہ کے قریب پہونچا، انصار کو انحضرت صلیعہ کی روانگی کا حال معلوم ہو چکا تھا، وہ نہایت بھینبی سے آپ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، آپ شہر کے قریب پہونچے تو انصار استقبال کے لیے نکلتے اور ہادی برحق کو حلقہ میں لیکر شہر قبا کی طرف بڑھے، انحضرت صلیعہ نے اہل حلس کو دہنی طرف مڑنے کا حکم دیا اور بنی عمرو بن عوف میں قیام پذیر ہوئے، یہاں انصار جو جوق زیارت کے لیے آنے لگے، انحضرت صلیعہ خاموشی کے ساتھ تشریف فرما تھے اور حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہو کر لوگوں کا استقبال کر رہے تھے، بہت سے انصار جو پہلے انحضرت صلیعہ کی زیارت سے مشرف نہن ہوئے تھے وہ غلطی سے حضرت ابو بکرؓ کے گرد جمع ہونے لگے یہاں تک کہ جب آفتاب سامنے آگیا اور جان نثار خادم نے بڑھ کر اپنی چادر سے آفاقے نامار پر سایہ کیا تو اُس وقت غلام و خدم میں امتیاز ہو گیا اور لوگوں نے رساتاب صلیعہ کو پہچانا،

حضرت سرور کائنات صلیعہ قبا میں چند روز مقیم رہ کر مدینہ تشریف لائے اور حضرت ابو ابوب انصاریؓ کے ہاں ہمان ہوئے، حضرت ابو بکرؓ بھی ساتھ آئے اور حضرت خادج بن یسینؓ بی نہیجہ مکان میں فروکش ہوئے کچھ عرصہ کے بعد آپ کے اہل و عیال بھی حضرت طلحہ کے ساتھ مدینہ پہونچ گئے، لیکن مدینہ کی آب و ہوا مہاجرین کے لیے عموماً نہایت ناموافق ثابت ہوئی، خصوصاً حضرت ابو بکرؓ شہید بخاریں مبتلا ہوئے کہ زندگی سے یاس ہو گئے، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے حال پوچھا تو

اس وقت یہ ضرور زبان تھا،

کل امرع مصلح فی اہلہ والہوت اذنی من شراک نعلہ

ہر آدمی اس حالت کے ساتھ اپنے اہل و عیال میں مبتلا کرتا ہے کہ موت جوئے کے نمرے سے بھی قریب تر جوتی ہے
حضرت عائشہؓ یہ حال دیکھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کیفیت عرض کی، رسول اللہؐ
نے اسی وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا اور فرمایا،

اللھم حبیب الینا المدینۃ کجدا مکہ اے خدا تو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ مدینہ کی محبت ہے
اور اس شد و صححہا و بارک لنا فی صاعہا دون میں پیدا کر اسکو میاریوں سے پاک فرما اسکے صانع
و مدہا و انقل حماکھا فاجعلہا بابا لحفۃ مدینہ برکت کا در اسکے (دبائی) بخار کو جعفر میں منتقل کر دے،
دعا مقبول ہوئی، حضرت ابو بکرؓ بستر مرض سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کی ہوا مہاجرین کے
لیے مکہ سے بھی زیادہ خوش آئند ہو گئی،

موافات | مدینہ پہنچنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے مہاجرین و انصار کی باہمی اخلاص و یگانگی دور کرنے
کے لیے ایک دوسرے سے بھائی چارہ کرادیا اس موافات میں طرفین کے اعزاز و مرتبہ کا خاص
طور پر لیا فکا گیا، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کی برادری حضرت خارجہ بن زہیرؓ سے قائم کی گئی جو مدینہ میں
ایک معزز شخصیت کے آدمی تھے،

تیسرے | مدینہ اسلام کے لیے آزادی کی سر زمین تھی فرزندِ نذرانِ توحید جو کفار کے خوف سے ادھر ادھر
منتشر ہو گئے تھے، آہستہ آہستہ اس مرکز پر جمع ہونے لگے اور اب آزادی و اجتماع کے ساتھ جوقی
کی پرستش کا موقع حاصل ہوا، اس بنا پر رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلے تعمیر مسجد کا خیال پیدا
ہوا اسکے لیے جو زمین منتخب ہوئی وہ دیویمہ بنوں کی ملکیت تھی گو ان کے ادلیا و اقربا بلا قیمت

سے بخاری باب مقدم الی مدینہ سے اسد الخابہ تذکرہ خارجہ بن زہیر

پیش کرنے پر مصر تھے تاہم حجۃ للعالمین نے یتیموں کا مال لینا پسند نہ کیا اور حضرت ابو بکرؓ سے اس کی قیمت دلوادی اس طرح مدینہ پہنچنے کے بعد بھی سب سے پہلے صدیق اکبرؓ ہی کے ابوبکرؓ نے اسلام کے لیے جو دشمنی کی بارش کی، قیمت ادا کرنے کے علاوہ یہ پیر مرد اس کی تعمیر میں بھی نہ جانوں کے دوش بدوش سرگرم کار رہا،

غزوات

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی بے بسی اور مظلومیت کا دور ختم ہو چکا تھا اور آزادی کے ساتھ دین مبین کی نشر و اشاعت کا وقت آگیا تھا لیکن عرب کی جنگجو قوم مذہب کی حقانیت اور صدا کو بھی تیر و تفنگ اور نوک و سنان سے وابستہ سمجھتی تھی اس لیے اس نے ہمیشہ علمبردار اسلام کو اپنی سار زطابی سے مہر و عطا و ہدایت کو چھوڑ کر میدانِ رزم میں آنے کے لیے مجبور کیا، چنانچہ آنحضرت صلعمؐ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سے فتح مکہ تک خون ریز جنگوں کا سلسلہ جاری رہا، اور ان سب لڑائیوں میں صدیق اکبرؓ ایک میسر و وزیر باتدبیر کی طرح ہمیشہ شرف ہر کارنی سے شرف رہے،

غزوہ بدر [غزوہ بدر حق و باطل کا اول اور فیصلہ کن معرکہ تھا خدا کا برگزیدہ پیغمبر ایک سالہ دارِ جگہ کے بیٹے اپنی محدود جماعت کے ساتھ حق و صداقت کی حمایت میں سرگرم کارزار تھا اور وہی پیر مرد جس نے اپنے وعظ و پند سے عثمان بن عفانؓ، عبیدہ بن ابی جراحؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ جیسے اہل لغرم و اکابر صحابہ کو حلقہٴ گوشِ اسلام بنالیا تھا نہایت جان بازی کے ساتھ تیغ بکف اپنے ہادی کی حقانیت میں مصروف تھا، کفار و مشرکین ہر طرف سے زغہ کر کے آتے اور یہ ہر ایک کو اپنی خدا و دشمنی سے

بھگا دیتا تھا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی کثرت دیکھ کر محزون ہوتے اور سرسجدہ ہو کر خدا سے دعا فرماتے
 ”اے خدا مجھ کو بے یار و مددگار نہ چھوڑا اور اپنا عبد پورا کر، اے خدا! کیا تو چاہتا ہے کہ آج سے تیری
 پرستش نہ ہو؟“ اس عالم حزن و یاس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدیم منس با وفا اور ہمہ نیم نگا اثر شیریں ہر پہ
 آپ کی حفاظت میں مصروف ہوتا اور تسلی و دلہی کے کلمات اس کی زبان پر جاری ہوتے،
 اس خوفناک جنگ میں بھی حضرت ابو بکر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری سے غافل نہ ہوئے
 ایک دفعہ روئے مبارک شانہ اقدس سے گر گئی فوراً تڑپ کر آئے اور اٹھا کر شانہ پر رکھ دی پھر چڑھ
 پڑھتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے، درحقیقت یہی وہ تاریکی جو جس اور جب رسول کا جذبہ
 تھا، جس نے قلت کو کثرت کے مقابلہ میں سر بلند کیا،

اس جنگ میں مالی غنیمت کے علاوہ تقریباً ستر قیدی ہاتھ آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
 لوگوں کے متعلق کبار صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ سب قتل کر دیے جائیں
 لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کی کہ یہ سب اپنے ہی بھائی بند ہیں اس لیے ان کے
 ساتھ رحم و مہلت کا برتاؤ کرنا چاہیے اور فدیہ لیکر ان کو آزاد کرنا چاہیے، رحمۃ اللعالمین کو حضرت
 ابو بکر صدیقؓ کی رائے پسند آئی،

غزوہ احد بدر کی شکست قریش مکہ کے دامن شجاعت پر ایک نہایت بدنام دہہ تھا، انھوں نے
 جو شہنشاہی مقام میں نہایت عظیم الشان تیاریاں کیں، چنانچہ معرکہ احد اسی جوش کا نتیجہ تھا اس جنگ میں
 جاہلین اسلام باوجود قلت تعداد پہلے غالب آئے لیکن اتفاقی طور پر پانسہ بٹ گیا بہت سے
 ۱۔ زرقانی جلد ۱ غزوہ بدر ۲۔ زرقانی جلد ۲ ص ۲۸۴ سے فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ سے سلم باب

مسلمانوں کے پاسے نبات متزلزل ہو گئے، لیکن حضرت ابو بکرؓ آخر وقت تک ثابت قدم رہے، آنحضرت صلیم سحت مجروح ہوئے اور لوگ آپ کو پہاڑ پر لائے تو حضرت ابو بکرؓ بھی ساتھ تھے، ابو سفیانؓ نے پہاڑ کے قریب آکر پکارا، کیا قوم میں محمد ہیں؟ کوئی جواب نہ ملا تو اُس نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا نام لیا، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار بھی آنحضرت کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ ہی کو رئیس امت سمجھتے تھے،

اختتام جنگ کے بعد کفار مکہ واپس ہوئے تو ایک جماعت اُن کے تعاقب میں مدینہ کی گئی، حضرت ابو بکرؓ بھی اس میں شامل تھے، غزوہ احد کے بعد بنو نضیر کی جلا وطنی، غزوہ خندق اور دوسرے چھوٹے چھوٹے غزوات پیش آئے، حضرت ابو بکرؓ ان تمام جنگوں میں برابر کے شریک تھے،

غزوہ بنی مصطلق
دو دنوں تک

ستہ مہینہ غزوہ بنی مصطلق پیش آیا، حضرت ابو بکرؓ اس معرکہ میں بھی آنحضرت صلیم کے ہمراہ تھے، یہ محم کا سیانی کے ساتھ واپس آئی اور شب کے وقت مدینہ کے قریب

تمام لشکر نے پراؤ ڈالا، صبح کے وقت ام المومنین حضرت عائشہؓ جو اس سفر میں آنحضرت صلیم کے ساتھ تھیں، رفع حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئیں، واپس آئیں تو دیکھا کہ گلے کا ہار کینا گر گیا، تلاش کرتے ہوئے پھر اُسی طرف چلین لیکن جب دھونڈھ کر پڑا پڑھو پھین تو لوگ رونا نہ ہو گئے، تھے اسی حکم انگلیں، لول بیٹھ گئیں، اتفاقاً حضرت صفوان بن امیہؓ جو نہایت ضعیف اور بوڑھے تھے اور عموماً کوچ کے بعد قیام گاہ کا جائزہ لیکر شب سے پیچھے رونا نہ ہوتے تھے، حضرت عائشہؓ کو دیکھ لیا اور اونٹ پر بٹھا کر مدینہ لائے،

منافقین کی جماعت نے جو عموماً اپنی سفید پردازی و فتنہ انگیزی سے اسلام میں

تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتی رہتی تھی اس واقعہ کو نہایت کمزور صورت میں شہر کیا دوسری طرف حضرت ابو بکر صدیقؓ اور خود حضرت عائشہؓ کو بارگاہِ نبوت میں جو غیر معمولی رسوخ، تقرب اور عزاز حاصل تھا اُس نے بعض مسلمانوں کو بھی آمادہ رشک کر دیا تھا، چنانچہ انھوں نے بھی اس افترا میں منافقین کی تائید کی سب سے زیادہ ہنسناک امر یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کا ایک بڑا بڑا عزیز بن اثاثہ جسکے وہ اب تک مکمل تھے اس سازش میں افترا پردازوں کا ہم آہنگ تھا،

عزت و آبرو انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے، اسی بنا پر حضرت ابو بکرؓ کے لیے یہ نہایت روح فرسا آزمائش تھی لیکن خدائے پاک نے بہت جلد اس سے نجات دیدی اور وحی الہی نے اس شرمناک بہتان کی اس طرح قلعی کھولی،

اِنَّ الَّذِیْنَ جَاؤْا بِالْاِفْکِ عُصْبَةٌ مِّنْکُمْ ۚ
 لَّا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّکُمۡ بَلۡ هُوَ خَبْرٌ لَّکُمۡ لَیۡلٍ اَعْرَجَ
 مِنْہُمْ مَا اَکْثَبَ مِنَ الْاَشْیِءِ ۚ الَّذِیۡ تَوَلَّی
 کِبْرًا مِنْہُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ
 (سودہ نور رک ۲۶)

جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ پر ہمت لگائی وہ تمہاری
 ہی جماعت سے ہیں اسکو تم اپنے لیے خیر نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے
 لیے خیر ہے ان میں ہر شرمناک گناہ کو بقدر شرکت سزا
 ملے گی اور ان میں سے جس نے بہت زیادتی کی جو اُس پر
 سخت عذاب ہوگا،

حضرت ابو بکرؓ اس بلا سے بعد سطح بن اثاثہ کی کفالت سے دست بردار ہو گئے اور فرمایا
 ”ہذا کی قسم اس فتنہ پرداز کی بعد اُس کی کفالت نہیں کر سکتا“ لیکن جب یہ تین نازل ہوئیں
 وَکَا یَاۤءِلُ اُولُوۡ الْاُخْطٰی مِنْکُمْ وَاسْعٰتِہٖ اِنْ یُّوَلَّوْا
 اُولٰٓئِکَ الْقَوٰی وَالتَّکْلِیۡنَ وَانۡہَا جَرِیۡنٌ فِیۡ سَبِیْلِ اللّٰہِ
 وَلَیَعْقِبُوۡا لَیۡصَحُّوۡا اِلَّا تَجِبُوۡنَ اَنْ تَغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمُ
 ”وہاں سے لوگوں اور صاحبِ قدرت لوگ رشتہ دار ہیں لیکن
 اور ہمارے جہاں میں نبیل اللہ کو مدد نہ دینے کی قسم نہ کھائیں
 اور چاہئے کہ وہ ان کے قصور معاف کریں ورنہ ان کے گنہگار بنیں
 کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو بخشے اور اللہ بخشنے والا اور رحیم
 واللہ غفور ورحیم (نور رک ۳۶)

تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا ”خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے بخندے“ اور قسم کھائی کہ کتاب ہمیشہ اس کا فیصلہ رہوں گا۔

دائمہ حدیثہ | اسی سال یعنی ستہ بینِ آنحضرتؐ صلعم نے چودھو صحابہؓ کے ساتھ زیارتِ کعبہ کا عزم فرمایا اور جب مکہ کے قریب پہنچے تو خبر ملی کہ قریش مزاحم ہوں گے، آنحضرتؐ صلعم نے یہ سنکر صحابہ سے مشورہ طلب کیا، حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ قتل و غزیرزی نہیں بلکہ زیارتِ کعبہ کے قصد سے روانہ ہوئے ہیں، اس لیے تشریف لے چلے جو کوئی اس میں سد راہ ہو گا ہم اس سے لڑیں گے، آنحضرتؐ صلعم نے فرمایا بسم اللہ چلو، غرض آگے بڑھ کر مقامِ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالا گیا اور طرفین سے مصحت کی سلسلہ جنبا بنی شروع ہوئی، اسی اثنا میں مشورہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ جو سفیر ہو کر گئے تھے شہید ہو گئے، یہ سنکر آنحضرتؐ صلعم نے تمام جان خادوں سے جہاد پر بیعت کی اور یہی وہ بیعت ہے جو تاریخِ اسلام میں بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور ہے،

قریش مکہ ان تیاریوں سے خوفزدہ ہو کر کچھ نرم پڑ گئے اور مصاحت کے خیال سے عروہ بن سعود کو سفیر بنا کر بھیجا، اُس نے آنحضرتؐ صلعم سے گفتگو کرتے ہوئے کہا ”محمد! خدا کی قسم میں تمھارے ساتھ ایسے چہرے اور ایسے مخلوط آدمی دیکھتا ہوں کہ وقت پڑے گا تو وہ تمکو چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے“ اس جملہ نے جانِ نثار ان رسولؐ کے دلون پر نشتر کا کام کیا، حضرت ابو بکرؓ جیسے علمِ اطیع شخص نے برہم ہو کر کہا ”کیا ہم رسول اللہؐ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے“ عروہ نے انجان بنکر پوچھا یہ کون ہیں لوگوں نے کہا ”ابو بکر! اُس نے مخاطب ہو کر کہا ”قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں تمھارا زیر بار احسان نہوتا تو تمھیں نہایت سخت جواب دیتا۔“

سہ یہ تمام تفصیل بخاری باب حدیث الافک سے اخذ ہے ۱۲ سہ بخاری باب غزوہ حدیبیہ ۳۵ بخاری کتاب الشریط

باب الشریط فی الجہاد و اصلاحت اہل الحرب

حدیبیہ میں جو معاہدہ طے پایا وہ بظاہر کفار کے حق میں زیادہ مفید تھا، اس بنا پر حضرت صلعمؐ کو نہایت اضطراب ہوا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ کفار سے اس قدر دیکر کیوں صلح کی جاتی ہے؟ حضرت ابو بکرؓ حرم اسرار نبوتؐ مجھے فرمایا: ”حضرت صلعمؐ خدا کے رسول ہیں اس لیے آپ اس کی نافرمانی نہیں کر سکتے، اور وہ ہر وقت آپ کا معین و ناصر ہے۔“

اس معاہدہ کے باعث قریش مکہ سے گو نہ اطمینان ہوا تو مکہ میں خبر پر فوج کشی ہوئی، پہلے حضرت ابو بکرؓ یہ سالانہ صلح لیکن و حقیقت یہ کارنامہ حضرت عؓ کے لیے مقدر ہو چکا تھا، اخیر حضرت عؓ کے ہاتھ مفتوح ہوا اور حضرت ابو بکرؓ اسی سال ماہ شعبان میں بنی کلاب کی سرکوبی کیلئے مامور ہوئے، وہاں سے کامیابی کے ساتھ واپس آئے تو پھر نو فرارہ کی تنبیہ کے لیے ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیے گئے، اور بہت سے قیدی اور مال غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔

قریش مکہ کی عہد شکنی کے باعث مکہ میں رسول اللہ صلعمؐ نے دس ہزار کی جماعت سے مکہ کا قصد فرمایا اور فاتحانہ جاہ و جلال سے داخل ہوئے، حضرت ابو بکرؓ بھی ہمراہ تھے اور مکہ میں پہنچ کر اپنے والد ابو قحافہ عثمان بن عامر کو دربار نبوتؐ میں پیش کیا، حضرت صلعمؐ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کے سینہ پر ہاتھ پھیر کر نورایمان سے مشرف فرمایا،

مکہ سے واپسی کے وقت بنو ہوازن سے جنگ ہوئی جو عموماً غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے، حضرت ابو بکرؓ اس میں بھی ثابت قدم اصحاب کی صف میں شامل تھے، یہاں سے بڑھ کر طائف کا محاصرہ ہوا، حضرت ابو بکرؓ کے فرزند حضرت عبداللہؓ اسی محاصرہ میں عبداللہ بن مجن ثقفی کے ترسے زخمی ہوئے اور آخر کار یہی زخم حضرت ابو بکرؓ کے اوائل خلافت میں ان کی شہادت کا باعث ہوا،

۱۔ بخاری کتاب المغزوہ: ۱۰۷، باب المغزوہ فی الجہاد و الصالحین اہل الحرب ۲۔ بخاری باب مناقب علی بن ابی طالب ۳۔ زرقانی جلد ۲ صفحہ ۳۸۰ ۴۔ سلم باب التخیل و قد ارسلین ابی اساری ۵۔ اصحابہ تذکرہ ابو قحافہ عثمان بن عامر ۶۔ سلاطین ۷۔ تذکرہ عبد بن ابی بکر الصدیقؓ

سہ میں افواہ پھیلی کہ قیصرِ روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے چونکہ مسلسل جنگوں کے باعث یہ نہایت عسرت و تنگ حالی کا زمانہ تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی تیاریوں کے لیے صحابہ کرام کو اتفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی چنانچہ تمام صحابہ نے حسبِ حیثیت اس میں شرکت کی حضرت عثمانؓ نے بہت کچھ دیا، لیکن اس موقع پر بھی حضرت ابو بکرؓ نے پیشقدمی کی اور جو کچھ تھا سب لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیا، آپ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا ہے عرض کی اُن کے لیے امدادِ رأس کا رسول ہے، غرض انھیں سراپوں سے ایک عظیم الشان فوج تیار ہو گئی اور حدودِ شام کی طرف بڑھی لیکن تب تک پہنچ کر خبر غلط نکلی اور سب لوگ واپس آ گئے۔

۱۱ مارچ | اسی سال یعنی سہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو امارتِ حج کے منصب پر مامور فرمایا اور ہدایت کی کہ منیٰ کے عظیم الشان اجتماع میں اعلانِ کر دین کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ شخص خانہ کعبہ کا طواف کرے چونکہ سورہ بارات اسی زمانہ میں نازل ہوئی تھی اور حضرت علیؓ حج کے موقع پر اس کو سننے کے لیے بھیجے گئے تھے اس لیے بعضوں کو یہ شک پیدا ہو گیا ہے کہ امارتِ حج کی خدمت بھی حضرت ابو بکرؓ سے لیکر حضرت علیؓ ہی کو تفویض کی گئی تھی لیکن یہ شدید غلطی ہے کیونکہ یہ دو مختلف خدائیں تھیں چنانچہ خود حضرت علیؓ کی ایک روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اس شرف کے تینا مالک تھے۔

(۷۹۷)

سہ ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ ۱۲۹ مطبوعہ مصر، سہ طبقات ابن سعد حصہ مغازی، سہ بخاری باب حج ابی بکر

بالناس فی سند تسع ۱۲ سہ فتح الباری ج ۸ صفحہ ۲۴۰،

آنحضرت صلعم کی وفات اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت

ساتھ میں رسول اللہ صلعم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے، حضرت ابو بکرؓ کا ساتھ تھا، اس سفر سے واپس آنے کے بعد آپ نے ایک مفصل خطبہ دیا اور فرمایا: ”خدا نے ایک کو دنیا اور عقیقتی کے درمیان اختیار دیا تھا لیکن اُس نے عقبیٰ کو دنیا پر ترجیح دی“ حضرت ابو بکرؓ یہ شکر کرنے لگے تو گوں کو سخت تعجب ہوا کہ یہ رونے کا کون سا موقع تھا، لیکن حقیقت انکی فراست اس کنایہ کی تہ تک پہنچ گئی تھی اور وہ سمجھ گئے تھے کہ بندہ سے مراد خود ذاتِ افکار صلعم ہے، چنانچہ اس تقریر کے بعد ہی آنحضرت صلعم بیمار ہوئے، مرض روز بروز بڑھتا گیا یہاں تک کہ مجیدین تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے اور حکم ہوا کہ ابو بکرؓ امست کی خدمت انجام دیں حضرت عائشہؓ کو خیال ہوا کہ اگر امست کا شرف حضرت ابو بکرؓ کو عطا کیا گیا تو وہ محمودِ خلائق ہو جائیں گے بسے انھوں نے خود اور ان کی تحریک سے حضرت عصفیہؓ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کی کہ ابو بکرؓ نہایت رقیب القلب ہیں اس لیے یہ منصب حلیلِ عمر کو عطا کیا جائے، لیکن آنحضرت صلعم نے ابو بکرؓ کی امست کے لیے اصرار کے ساتھ حکم دیا اور برہم ہو کر فرمایا ”تم وہی ہو جنھوں نے یوسفؑ کو دھوکا دینا چاہا تھا“

حضرت ابو بکرؓ کو جب اس حکم نبوی کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم پڑھاؤ انھوں نے کہا آپ مجھ سے زیادہ مستحق ہیں غرض اس روز حضرت ابو بکرؓ ہی نماز

پڑھاتے رہے، ایک روز وہ حسب معمول نماز پڑھا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپ نے اشارہ سے منع فرمایا، اور خود ان کے دہنے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا کی،

۱۲ ربیع الاول دو شنبہ کے روز جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی حضرت ابو بکرؓ حسب معمول نماز پڑھا رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ کا پردہ اٹھا کر دیکھا اور خوش ہو کر سرکے تو حضرت ابو بکرؓ نے اس خیال سے کہ شاید آپ نماز کے لیے تشریف لائیں گے پیچھے ہٹنا چاہا، لیکن اشارہ سے حکم ہوا کہ نماز پوری کرو اور پھر پردہ گرادیا، چونکہ اس روز بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں افادہ معلوم ہوتا تھا اس لیے حضرت ابو بکرؓ نماز کے بعد اجازت لیکر مقامِ سخ کو گئے جہاں ان کی زوجہ محترمہ حضرت خاتجہ بنت ابی بکرؓ زہیر رتھی یقین تشریف لے گئے

حضرت ابو بکر صدیقؓ سخی سے واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا اور سجد کے دروازہ پر ایک ہنگامہ برپا تھا لیکن وہ کسی سے کچھ نہ بولے اور سیدھے حضرت عائشہؓ کے مکان میں داخل ہو کر اپنے محبوب آقا کے نورانی چہرہ کو بے نقاب کیا، پیشانی پر بوسہ دیا اور رو کر کہا،

بائی انت داحی واللہ کلجمع اللہ علیک میرے مان باپ آپ پر خدا ہوں خدا کی قسم آپ پر دو مومن مومتین اما الموتۃ انتی کتبت علیک فقد جمع منون گی، وہ موت جو آپ کے لیے مقدر تھی اس کا ذوق تھا تم لن تصیبک بعدۃ موتۃ ابد مزہ چکھ چکے اب اس کے بعد کچھ بھی کوئی موت نہ آئے گی،

پھر چادر ڈال کر باہر تشریف لائے، بیان حضرت عمرؓ تقریر کر رہے تھے اور کم کھا کھا کر رسول اللہ کے انتقال سے انکار کر رہے تھے، حضرت ابو بکرؓ نے یہ حال دیکھا تو فرمایا: عمر! تم بیٹھا جاؤ، لیکن

سے بخاری باب من قام الی جنب الامام علیہ السلام بخاری باب اہل العلم والفضل احق بالاماتۃ ۱۲ سے بحث ری

باب الدخول علی الیت بعد الموت علیہ السلام

انہوں نے دار فنی میں کچھ خیال نہ کیا تو الگ کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی جتنا پختہ تمام مباحث نہیں
کی طرف تھجک پڑا، اور حضرت عمرؓ تنہا رہ گئے، آپ نے فرمایا،

اما بعد فمن كان يعبد محمد افان محمد قد مات

ومن كان يعبد الله فان الله حي لا يموت

خدا ہے برتر فرما رہا ہے

قال الله تعالى

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ

”محمد صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے

رسول گذر چکے ہیں“

الرُّسُلُ الْأَوَّلِينَ

یہ تقریر ایسی دلنشین تھی کہ ہر ایک کا دل مطمئن ہو گیا، خصوصاً جو آیت آپ نے تلاوت

فرمائی وہ ایسی با موقع تھی کہ اُسی وقت زبانِ زودِ خاص و عام ہو گئی، حضرت عبداللہؓ فرماتے

ہیں کہ خدا کی قسم ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے نازل ہی نہیں ہوئی تھی،

سقیفہ بنی ساعدہ | رسول اللہؐ کے انتقال کی خبر مشہور ہوتے ہی منافقین کی سازش سے مدینہ میں

خلافت کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا، اور انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں مجتمع ہو کر خلافت کی بحث بھیڑ دی،

مہاجرین کو خبر ہوئی تو وہ بھی مجتمع ہوئے، معاملہ اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ اگر حضرت ابو بکر صدیقؓ

اور حضرت عمر فاروقؓ کو وقت پر اطلاع نہ ہو جاتی تو مہاجرین و انصار جو رسول اللہؐ کی زندگی میں

بھائی بھائی کی طرح رہتے تھے باہم درست و گریبان ہو جاتے اور اس طرح اسلام کا چراغ ہمیشہ کیلئے

گل ہو جاتا لیکن خدا کو تو عید کی روشنی سے تمام عالم کو منور کرنا تھا اس لیے اُس نے آسمانِ اسلام

پر ابو بکر و عمر جیسے مردِ راہ پیدا کر دیے تھے جنہوں نے اپنی عقل و سیاست کی روشنی سے افقِ

اسلام کی ظلمت اور تاریکیوں کو کا فور کر دیا،

سے بخاری باب الدخول علی الیبت بعد الموت سے بخاری باب مض النبی صلعم و وفاته،

حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کو ساتھ لے ہوئے سیفہ بنی ساعدہ بن پہونچے انصار نے دعویٰ کیا کہ ایک امیر ہمارا ہوا اور ایک تمہارا تھا ہر ہے کہ اس دو عملی کا نتیجہ کیا ہوتا؟ ممکن تھا کہ سب خلافت مستقل طور پر صرف انصار ہی کے سپرد کر دی جاتی، لیکن وقت یہ تھی کہ قبائل عرب خصوصاً قریش اُن کے سامنے گردن اطاعت خم نہیں کر سکتے تھے، پھر انصار میں بھی دو گروہ تھے اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا غرض ان وقتوں کو پیش نظر رکھ کر حضرت ابو بکرؓ نے کہا ”اُمرا ہماری جماعت سے ہوں اور وزرا تمہاری جماعت سے“ اس پر حضرت حباب بن المنذر انصاریؓ بول اُٹھے ”نہیں! خدا کی قسم نہیں! ایک امیر ہمارا ہوا اور ایک تمہارا“ حضرت ابو بکرؓ نے یہ جوش و خروش دیکھا تو نرمی و آشتی کے ساتھ انصار کے فضائل و محاسن کا اعتراف کر کے فرمایا ”صاحبو! مجھے آپ کے محادثے انکار نہیں! لیکن حقیقت تمام عرب قریش کے سوا کسی کی حکومت تسلیم ہی نہیں کر سکتا، پھر ماجرین اپنے تقدیم اسلام اور رسول اللہ صلیم سے خاندانی تعلقات کے باعث نسبتاً آپ سے زیادہ استحقاق رکھتے ہیں یہ دیکھو عبیدہ بن الجراح اور عمر بن الخطابؓ موجود ہیں ان میں سے جسکے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو، لیکن حضرت عمرؓ نے پیشدستی کر کے خود حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا اور کہا ”نہیں! بلکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، کیونکہ آپ ہمارے سردار اور ہم لوگوں میں سب سے بہترین اور رسول اللہ صلیم آپ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے“ چونکہ اس مجمع میں حضرت ابو بکرؓ سے زیادہ کوئی بااثر بزرگ اور معمر نہ تھا اس لیے اس انتخاب کو سب نے استعجاب کی نگاہ سے دیکھا اور تمام خلعت بیعت کیسے بیٹے ٹوٹ پڑی اس طرح یہ اُٹھتا ہوا طوفان دھتے رنگ گیا اور لوگ رسول اللہ صلیم کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے،

اس فرمن سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے روز مسجد میں بیعت عامہ ہوئی اور حضرت

ابوبکر صدیقؓ نے منبر پر بیٹھ کر ان الفاظ میں اپنے آئندہ طرزِ عمل کی توضیح فرمائی:

ایھا الناس فانی قد وُلت علیکم ولست
بجبر کفر فان احسنت فاعینونی وان اسأت
فقومونی الصدق امانة والکذب خیانة

اور اگر بُرائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے

والضعیف فیکم قوی عندی حتی انزعیم
علیہ حقہ ان شاء اللہ والقوی فیکم

ضعیف عندی حتی آخذ الحق منه ان شاء اللہ
اور ان شاء اللہ تمھارا قوی فرد بھی میرے نزدیک ضعیف ہے

لا یدع قوم الجہاد فی سبیل اللہ الا ضجیر اللہ
یہاں تک کہ میں اس دوسرے کا حق دلا دوں جو قومِ جہاد فی سبیل اللہ

بالذل ولا تشیع الفاحشة فی قوم قط الا احکم
چھوڑ دیتی ہے اسکو خدا ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں

بالسبلا عظیمونی ما اطعت اللہ ورسولہ
برکاری عام ہو جاتی ہو خدا اسکی مصیبت کو عظیم کر دیتا ہے اور میں

فاذا عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعة لی
اور اسکے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کر دلیکن جب خدا

لی علیکم قوموا لی صلاتکم میرا حکم اللہ
اور اسکے رسول کی فرائض کروں تو تم پر اطاعت نہیں مانا کے لیے

حضرت علیؓ کی بیعت | گو تمام مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ باقاعدہ سند خط

پر ممکن ہو گئے تاہم حضرت علیؓ اور ان کے ساتھ بعض دوسرے صحابہؓ نے کچھ دنوں تک بیعت میں

تاخیر کی اس توقع نے تاریخ اسلام میں عجیب و غریب مباحث پیدا کر دیے ہیں جن کی تفصیل

کے لیے اس اجمال کی گنجائش نہیں ممکن ہے کہ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مخصوص تعلقات

کی بنا پر خلافت کے آزد مند ہوں اور اس انتخاب کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہوں تاہم ان کا حق پرست

دلِ نفاست سے پاک تھا اُس یے یہ کسی طرح قیاس میں نہیں آتا، کہ محض اسی اُزور نے اُن کو چھوہا تاکہ
 جمہورِ مسلمانوں سے انحراف پرمائل رکھا ہو، اس بنا پر دیکھنا چاہیے کہ خود حضرت علیؑ نے اس
 توقع کی کیا وجہ بیان کی ہے ابن سعد کی روایت ہے،

عنی محمد بن سیرین قال لما بويع ابو بكر
 محمد بن سیرین کی روایت ہے کہ جب ابو بکر کی بیعت کی گئی
 ابطأ علی فی بیعتہ وجلس فی بیئۃ قتال
 تو علیؑ نے بیعت میں دیر کی اور خانہ نشین رہے ابو بکرؓ
 فبعث الیہ ابو بکر ما ابطأ بک عنی
 کہلا بھیجا کہ کس چیز نے آپ کو میری بیعت سے باز رکھا
 اکبرھت اما دقۃ قال علی ما کرھت
 کیا آپ میری امارت کو ناپسند کرتے ہیں؟ علیؑ نے کہا
 اما رتک ولكن اکیلت ان کلا دتدی
 میں آپ کی امارت کو ناپسند نہیں کرتا لیکن میں نے تم کھائی ہو کر
 ددا فی کلا الی صلوۃ حتی جمع القرائۃ
 قرآن جمع نہ کر لوں نماز کے سوا اپنی چادر نہیں اوڑھو سکا

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بیعت میں دیر ہو جانے کی حقیقی وجہ کیا تھی؟
 ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ باغِ فدک اور سُلَہ وراثت کے جھگڑوں نے جس کا تذکرہ آئندہ آئیگا
 خلیفہ اول کی طرف سے حضرت فاطمہؑ کے دل میں کسی قدر ملام پیدا کر دیا تھا اُس لیے ممکن ہے
 کہ حضرت علیؑ نے محض اُن کے پاس خاطر سے بیعت میں دیر کی ہو چنا پچھ جب ان کا اشتغال ہو گیا تو
 حضرت علیؑ نے حضرت ابو بکرؓ کو تنہا بلا کر اُن کے فضل و شرف کا اعتراف فرمایا اور کہا کہ خدا نے
 آپ کو جو درجہ عطا کیا ہے ہم اس پر حمد نہیں کرتے لیکن خلافت کے معاملہ میں ہماری حق تلفی ہوئی
 کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت یا رشتہ داری کی بنا پر ہم اس میں یقیناً اپنا حصہ سمجھتے تھے، حضرت علیؑ
 نے اس کو کچھ اس انداز سے کہا کہ خلیفہ اول کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے اور جواب دیا تم ہم
 اس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں اپنے رشتہ داروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

رشتہ داروں کو زیادہ عزیز رکھتا ہوں، رہا آنحضرتؐ کی ستر و کہ جائداد کا جھگڑا تو اس میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل سے سرمو اخراج نہیں کیا، غرض اس طرح دوستانہ شکوہ سنجی سے دونوں کو آئینہ دل صاف ہو گیا اور بعد نمازِ ظہر حضرت ابو بکرؓ نے مجمعِ عام میں حضرت علیؓ کی طرف سے عذرخواہی کی اور حضرت علیؓ نے شاندار الفاظ میں اُن کے فضل و شرف کا اعتراف کیا،

خلافت

حضرت ابو بکر صدیقؓ کو سند آرائے خلافت ہوتے ہی اپنے سامنے صعوبات و مشکلات اور خطرات کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا، ایک طرف کذاب مدعیانِ نبوت اُٹھ کھڑے ہوئے تھے، دوسری طرف مرتدینِ اسلام کی ایک جماعت علمِ بغاوت بلند کیے ہوئے تھے، منکرینِ زکوٰۃ نے علیحدہ شورش برپا کر رکھی تھی، ان دشواریوں کے ساتھ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی مہم بھی درپیش تھی جنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات ہی میں شام پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا، اسی مہم کے متعلق صحابہ کرامؓ نے رائے دی کہ اُسکو ملتوی کر کے پہلے مرتدین و کذاب مدعیانِ نبوت کا قلع قمع کیا جائے لیکن خلیفہٗ اولؓ کی عبورِ طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ ارادہٗ نبوی اور حکمِ رسالتِ صلی اللہ علیہ وسلم معرضِ التوا میں پڑ جائے اور جو علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایما سے روم کے مقابلہ کے لیے بلند کیا گیا تھا اُس کو کسی دوسری جانب حرکت دی جائے چنانچہ آپؐ نے برہم ہو کر فرمایا: ”ہذا کی قسم اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہو جائے کہ درندے آکر میری ٹانگ کھینچنے لگیں جب بھی میں اس مہم کو روک نہیں سکتا۔“

اسامہ بن زیدؓ والی مہم | غرض خلیفہٗ اولؓ نے خطرات و مشکلات کے باوجود حضرت اسامہؓ کو

روانگی کا حکم دیدیا اور خود دوترک پیادہ پاشائیت کر کے اُن کو نہایت درین ہمتیں فرمائیں چونکہ اُس اُسنہ گھوڑے پر سوار تھے اور جانشین رسول پیادہ پا گھوڑے کے ساتھ دوڑ رہا تھا، اس لیے اُنھوں نے قہراً عرض کی تے جانشین رسول! خدا کی قسم آپ گھوڑے پر سوار ہو لیں ورنہ میں بھی اترتا ہوں تو بولے ”اسمین کیا مضائقہ ہے اگر میں تھوڑی دیر تک راہ خدا میں اپنا پانوں غبار آلود کروں؟ حالانکہ غازی کے ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں“

حضرت اسماعیلیؑ ہم رخصت ہو کر حد و دِشام میں پہنچی اور اپنا مقصد پورا کر کے معنی حضرت زینؑ کا انتقام لے کر نہایت کامیابی کے ساتھ چالیس دن میں واپس آئی، حضرت ابو بکرؓ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل کر نہایت جوش شریعت سے اُنکا استقبال فرمایا،

مدعیان نبوت کا قلع قمع سرور کائنات صلیم ہی کی زندگی میں بعض مدعیان نبوت پیدا ہو چکے تھے، چنانچہ سلسلہ کذاب نے سلسلہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آنحضرت صلیم کو لکھا تھا کہ میں آپ کے ساتھ نبوت میں شریک ہوں نصف دنیا آپ کی ہے اور نصف میری سرور کائنات نے اس کا جواب دیا تھا،

من محمد رسول الله الى مسيئمة الكذاب محمد رسول الله کی طرف سے سلسلہ کذاب کو ”ابعد دنیا خدا کی اما بعد فان الارض لله يورثها من يشاء ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہیگا اس کا وارث من عباده والعامة للمتقين بنائے گا اور انجام پر ہیزگاروں کے لیے ہے،

لیکن آنحضرت صلیم کے بعد اور بھی بہت سے مدعیان نبوت پیدا ہو گئے تھے اور روبرو

ان کی قوت بڑھتی جاتی تھی، چنانچہ طلحہ بن خویلد نے اپنے اطراف میں علم نبوت بلند کیا تھا بنو غطفان اس کی مدد پر تھے اور عیینہ بن حصن فزازی اُن کا سردار تھا، اُسی طرح اسود غنسی نے بین اور سلیم بن حبیب نے یامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، مرد تو مرد یہ ایسا مرض عام ہو گیا تھا کہ عورتوں کے سر میں بھی نبوت کا سودا سا گیا تھا، چنانچہ سجاح بنت حارث قیس نے نہایت شور و غور کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اشعث بن قیس اس کا داعی خاص تھا، سجاح نے آخر میں اپنی قوت مضبوط کرنے کے لیے سلیم سے شادی کر لی تھی، خلاصہ یہ کہ یہ مرض باکس طرح تمام عرب میں پھیل گیا تھا، اور اس کے انسداد کی نہایت سخت ضرورت تھی اس بنا پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خاص طور پر اسی کی طرف توجہ کی اور صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ اس مہم کے لیے کون شخص زیادہ موزون ہوگا، حضرت علیؓ کا نام لیا گیا لیکن وہ اس وقت تک تمام تعلقات دنیاوی سے کنارہ کش تھے، اس لیے قرعہ انتخاب حضرت خالد بن ولیدؓ کے نام نکلا، چنانچہ وہ سلمہ میں حضرت ثابت بن قیس انصاریؓ کے ساتھ ہاجرین انصار کی ایک جمعیت لیکر مدینہ نبوت کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے سب سے پہلے طلحہ کی جماعت پر حملہ کر کے اُسکے متبعین کو قتل کیا اور عیینہ بن حصن کو گرفتار کر کے دوسرے میں قیدیوں کے ساتھ مدینہ روانہ کیا اور عیینہ بن حصن نے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا لیکن طلحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے عذر خواہی کے طور پر دو شعر لکھ بھیجے اور تجدید اسلام کر کے حلقہ مومنین میں داخل ہو گیا، سلمہ کذاب کی بیخ کنی کے لیے حضرت شہبیل بن حسنہؓ روانہ کیے گئے لیکن قبل اس کے کہ وہ حملہ کی ابتدا کریں حضرت خالد بن ولیدؓ کو اُن کی اعانت کے لیے روانہ کیا

گیا، چنانچہ انھوں نے مجاہد کو شکست دی اُسکے بعد خود سیلہ سے مقابلہ ہوا، سیلہ نے اپنے
 متبعین کو ساتھ لیکر نہایت شدید جنگ کی اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس میں
 شہید ہوئی، حسین بہت سے حفاظِ قرآن بھی تھے، لیکن آخر میں فتح مسلمانوں کے ہاتھ ہی
 اور سیلہ کذاب حضرت وحشیؑ کے ہاتھ سے مارا گیا، سیلہ کی بیوی سجاح جو خود مدعی نبوت تھی،
 بھاگ کر بصرہ پہنچی اور کچھ دنوں کے بعد مر گئی۔

اسود عتسی نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا لیکن
 حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں اس کی قوت زیادہ بڑھ گئی تھی، اسکو قیس بن کثوح اور
 فیروز دیلمی نے نقشہ کی حالت میں دھل جہنم کیا،

مرتبین کی سرکوبی | حضرت سرور کائناتؐ کے بعد بہت سے سردارانِ عرب مرتد ہو گئے اور
 ہر ایک اپنے علاقہ کا بادشاہ مطلق بن بٹھا، چنانچہ نعمان بن منذر نے بحرین میں سر اٹھایا، یقطن بن مالک
 نے عمان میں علم بغاوت بلند کیا، اسطرح کندہ کے علاقہ میں بہت سے بادشاہ پیدا ہو گئے، ایسے
 حضرت ابوبکرؓ نے مدعیانِ نبوت سے فارغ ہونے کے بعد اسی طوائفِ الملوکی کی طرف توجہ
 کی چنانچہ علاء بن حضرمی کو بحرین بھیجا، نعمان بن منذر کا قلعہ قمع کر آیا، اسطرح حذیفہ بن محسن کی
 تلوار سے یقطن بن مالک کو قتل کر کے سرزمینِ عمان کو پاک کیا، اور زیاد بن لبید کے ذریعہ
 ملکِ کندہ کی سرکوبی گئی۔

ملکِ یمن زکوٰۃ کی تنبیہ | مدعیانِ نبوت اور مرتبین کے علاوہ ایک تیسرا گروہ منکرہ بن زکوٰۃ کا تھا، چونکہ
 یہ گروہ اپنے کو مسلمان کہتا تھا اور صرف زکوٰۃ ادا کرنے سے منکر تھا، اُس لیے اُس کے خلاف
 تلوار اٹھانے کے متعلق خود صحابہ میں اختلاف رہا، چنانچہ حضرت عمرؓ جیسے متشدد صحابہ

بزرگ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ آپ ایک ایسی جماعت کے خلاف کس طرح جنگ کر سکتے ہیں جو توحید و رسالت کا اقرار کرتی ہے اور صرف زکوٰۃ کی منکر ہے، لیکن خلیفہ اول کا غیر متزلزل ارادہ و استقلال اختلافِ آراء سے مطلق متاثر نہ ہوا، اور صاف کہہ دیا "خدا کی قسم اگر ایک بکری کا بچہ بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جاتا تھا کوئی دینے سے انکار کرے گا، تو میں اُسکے خلاف جہاد کروں گا" اس تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ حقوڑی سی تنبیہ کے بعد تمام منکرین خود زکوٰۃ لے کر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور پھر حضرت عمرؓ کو بھی حضرت صدیقؓ کی اصابتِ رائے کا اعتراف کرنا پڑا،

جمع و ترتیبِ قرآن | مدعیانِ نبوت و مرتدینِ اسلام کے مقابلہ میں بہت سے حفاظِ قرآن غمیدہ ہوئے، خصوصاً یہاں کہ کی خوزیرِ جنگ میں اس قدر ضحایہ کرام کام آئے کہ حضرت عمرؓ کو اندیشہ ہو گیا کہ اگر صحابہ کی شہادت کا یہی سلسلہ قائم رہا تو قرآن شریف کا بہت حصہ ضائع ہو جائیگا، اس بنا پر اُنھوں نے خلیفہٴ اول سے قرآن شریف کے جمع و ترتیب کی تحریک کی حضرت ابو بکر صدیقؓ کو پہلے عذر دیا، کہ جس کام کو رسول اللہؐ نے نہیں کیا ہے اُسکو میں کس طرح کروں، حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ کام اچھا ہے، اور اُن کے بار بار کے اصرار سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ذہن میں بھی یہ بات آگئی، چنانچہ اُنھوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو جو عہدِ نبوت میں کاتبِ وحی تھے قرآن شریف کے جمع کرنے کا حکم دیا، پہلے اُن کو بھی اس کام میں عذر ہوا لیکن پھر اسکی صلیت سمجھ میں آگئی اور نہایت کوشش و احتیاط کے ساتھ تمام متفرق اجزاء کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کیا،

ایک غلط فہمی کا ازالہ | قرآن شریف کی جمع و ترتیب کے متعلق ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ عہدِ نبوت

میں کلام جمید کی آیتوں اور سورتوں میں باہم کوئی ترتیب نہ تھی اور نہ سورتوں کے نام وضع ہوئے تھے، اس لیے عہدِ صدیقِ ثین جو کام انجام پایا وہ انہیں آیات و سورتوں کو باہم مقرب کرنا تھا، لیکن یہ ایک افسوسناک غلطی ہے، درحقیقت جس طرح قرآن کی ہر ایک آیت الہامی ہے اس طرح آیات و سورتوں کی باہمی ترتیب اور سورتوں کے نام بھی الہامی ہیں اور خود مہبطِ وحی و الہام کی زندگی میں یہ تمام کام انجام پا چکے تھے، چنانچہ ہم اس بحث کو کسی تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں:

آیات و سورتوں میں ہر باب ہو چکے تھے | قرآن شریف کی آیتیں عموماً کسی خاص واقعہ اور فرصت کے پیش آجانے پر نازل ہوتی تھیں اور صحابہؓ ان کو کچھ رکی شاخ، ہڈی چمپے اور پتھر کی تختی یا کٹھنیاں قسم کے کاغذ پر لکھ لیتے تھے، اور آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق خاص طور پر ترتیب دیتے جاتے تھے، جب ایک سورہ ختم ہو جاتی تو علیحدہ نام سے موسوم ہو جاتی تھی، اور پھر دوسری شروع ہو جاتی تھی، کہیں ایک ساتھ دو سورتیں نازل ہوتیں اور آنحضرت ﷺ دونوں کو الگ الگ لکھواتے جاتے، غرض اس طرح آپ کے زمانہ ہی میں سورتیں مدون و مرتب ہو چکی تھیں اور ان کے نام بھی قرار پا چکے تھے، حدیثوں میں ذکر آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز میں فلان فلان سورتیں پڑھیں یا فلان سورۃ سے فلان سورۃ تک تلاوت فرمائی، صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مغرب میں سورۃ اعراف پڑھی، اس طرح اور حدیثوں میں تصریح آیا ہے کہ آپ نے نماز میں بقرہ، آل عمران اور نساء پڑھی، سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کے ذکر سے تو شاید حدیث کی کوئی کتاب خالی نہوگی، اس لیے اب دیکھنا چاہیے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں کیا خدمت انجام پائی،

حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کے متفرق اجزاء کو صرف ایک کتاب کی صورت میں جمع کرایا | علامہ حافظ ابن حجر بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں:

قد علم اللہ تعالیٰ فی القرآن بانہ مجموع فی صحیفۃ قولہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اپنے قول

متلو صحفاً مطهرة، الآیہ

متلو صحفاً مطهرة میں بیان فرمادیا کہ قرآن معینوں میں جمع کر

وكان القرآن مكتوباً في الصحف لكن كانت

قرآن شریف معینوں میں لکھا ہوا ضرورت تھا لیکن متفرق

متفرقة مجعلاً ابوبکر فی مکان واحد ثم

تھا حضرت ابوبکرؓ نے ایک جگہ جمع کر دیا پھر ان کے بعد

كانت بعدة محفوظة الى ان اهل عثمان

محفوظ رہا یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے متعدد نسخے

بالنسخة منها عدة مصاحف وادخل بها الى الامصار

نقل کرا کے دوسرے شہروں میں روانہ کر دیا،

اس تشریح سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے حضرت زیدؓ نے صرف

قرآن شریف کے متفرق اجزا کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کر دیا تھا،

صحیفہ صدیقی کب تک محفوظ رہا | حضرت زید بن ثابتؓ کا مدون کیا ہوا نسخہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے

خزانہ میں محفوظ رہا، اس کے بعد حضرت عمرؓ کے قبضہ میں آیا، حضرت عمرؓ نے ام المومنین حضرت

حفصہؓ کے حوالہ فرمادیا اور وصیت کر دی کہ کسی شخص کو ندین البیتہ جسکو نقل کرنا یا اپنا نسخہ صحیح

کرنا ہو وہ اُس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں حضرت

حفصہؓ سے عاریتہ لیکر چند نسخے نقل کرائے اور دوسرے مقامات میں روانہ کر دیے، لیکن اصل

نسخہ بدستور حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ رہا، جب مروان مدینہ کا حاکم ہو کر آیا تو اس نے اس نسخہ

کو حضرت حفصہؓ سے لینا چاہا لیکن اُنھوں نے دینے سے انکار کر دیا اور تاحیات اپنے پاس

محفوظ رکھا، اُن کے انتقال کے بعد مروان نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے لیکر اسکو ضائع کر دیا

فتوحات

جزیرہ نمائے عرب کی سرحد دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتوں سے ملکر اتنی بھلی ایکٹن

لے فتح الباری جلد ۱۰ ص ۱۱۰ سے ایضاً ص ۱۱۷

شام پر رومی پھر اہل ہاربا تھا دوسری طرف عراق پر کیانی خاندان کا تسلط تھا، ان دونوں
 ہمسایہ سلطنتوں نے ہمیشہ کوشش کی کہ عرب کے آزاد و جنگجو باشندوں پر اپنی حکمرانی کا سکہ
 جمالین خصوصاً ایرانی سلطنت نے اس مقصد کے لیے بارہا عظیم الشان قربانیان برداشت
 کیں بڑی بڑی فوجیں اس مہم کے سر کرنے کے لیے بھیجیں اور بعض اوقات اُس نے عرب کے
 ایک وسیع خطہ پر تسلط بھی قائم کر لیا، چنانچہ شاپور بن اردشیر جو سلطنت ساسانیہ کا دوسرا
 فرمان روا تھا، اُس کے عہد میں حجاز و یمن دونوں باجگزار ہو گئے تھے، اسی طرح سابوزی الاکتاف
 یمن و حجاز کو فتح کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا تھا، یہ عربوں کا حد درجہ دشمن تھا، چنانچہ
 جو ردِ سائے عرب گرفتار ہو کر جاتے تھے وہ اُن کے شانے اکل کر ڈاڈالتا تھا، اسی سے عرب
 یمن و الاکتاف کے لقب سے مشہور ہوا، تاہم عرب کی فطرت دب کر رہنا نہ جانتی تھی اس لیے
 جب کبھی موقع ملا بغاوت برپا ہو گئی یہاں تک کہ چند بار خود عربوں نے عراق پر قابض ہو کر
 اپنی ریاستیں قائم کیں، چنانچہ فرمان روا یان یمن کے علاوہ قبیلہ سعد بن عدنان نے عراق
 یمن آباد ہو کر ایک مستقل حکومت قائم کر لی اور اس کے ایک فرمان روا عمر بن عدی نے
 حیرہ کو دار السلطنت قرار دیا،

گوشا ہانِ عجم حیرہ کی عربی سلطنت کو زیادہ دنوں تک آزاد نہیں رہنے دیا اور
 بالآخر اپنی سلطنت کا ایک جزو بنالیا تاہم عمر بن عدی کا خاندان مدون ایک باجگزار
 رئیس کی حیثیت سے عراق پر حکمران رہا، اور اس تقریب سے بہت سے عربی قبائل وقتاً
 فوقتاً اسی سر زمین میں آباد ہوتے رہے غرض عربِ ایران کے تعلقات نہایت قدیم تھے
 اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک باہم جھڑپیں چلی جاتی تھیں چنانچہ جنگ ذی قار میں جو ایرانیوں

اور عربوں کی ایک عظیم الشان قومی جنگ تھی جب ایرانیوں نے شکست کھائی تو اپنے فرمایا،

هَذَا اَوَّلُ يَوْمٍ اَنْتَصَفَتِ الْعَرَبُ مِنَ الْعَجَمِ یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدل لیا،

اسی طرح ۶ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ یون کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے

تو پریز شہنشاہ ایران نے اسی قدیم قومی عناد کی بنا پر نامہ مبارک کو بھاڑ کر پھینک دیا اور

برہم ہو کر کہا میرا غلام ہو کر مجھے یون لکھتا ہے

رومی سلطنت سے بھی عربوں کا نہایت دیرینہ تعلق تھا، عرب کے بہت سے قبائل

مثلاً مسلح، غسان و جذام وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے تھے اور رفتہ

رفتہ عیسائی مذہب قبول کر کے مکہ شام میں بڑی بڑی ریاستیں قائم کر لی تھیں اور اسی مذہبی تعلق

کے باعث ان کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یکسانیت ہو گئی تھی، اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین

عرب کی طرح حدود شام کے عرب عیسائیوں نے بھی مخالفت ظاہر کی، اور ۶ھ میں حضرت

وحیدہ کلثمی قیصرِ روم کو دعوت اسلام کا پیغام دے کر واپس آ رہے تھے تو انھیں شامی عربوں نے

ان کا مال و اسباب لوٹ لیا، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حارث بن عمر کو بصری کے

حاکم عمر بن شمر جیل میں قتل کر دیا، ۸ھ میں غزوہ موتہ اسی قتل و غارتگری کا انتقام تھا جس میں

بڑے بڑے صحابہ کام آئے

۹ھ میں رومیوں نے خاص مدینہ پر فوج کشی کی تیاریاں کی تھیں لیکن جب

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش قدمی کر کے مقامِ تبوک تک پہنچ گئے تو ان کا حوصلہ بہت ہو گیا اور عارضی

طور پر لڑائی رک گئی، تاہم مسلمانوں کو ہمیشہ شامی عربوں اور رومیوں کا خطرہ دیکھ کر چاہنا چاہیے

۱۔ حمت الغریہ جلد ۳ صفحہ ۱۱۷ طبری صفحہ ۱۵۷۲ سے اسد الغابہ تذکرہ وحیدہ بن خلیفہ کلثمی،

۲۔ طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۱۹۲

”ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خطا مقدم کے خیال سے حضرت اسامہ بن زید کو شام کی ہم پر فوج دیا تھا۔
 عندئذ ان تمام واقعات سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ عرب ہمیشہ سے
 اپنی دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف رہا تھا خصوصاً اسلام کی روز افزون ترقی نے انھیں اور
 بھی شکوک کر دیا تھا جو اس عربی فوج کے لیے حد درجہ خطرناک تھا، حنیفہ اول نے
 انھیں اسباب کی بنا پر اندرونی جھگڑوں سے فراغت پاتے ہی بیرونی دشمنوں سے مقابلہ
 کی تیاریاں شروع کر دیں“

ہم عراق | اس زمانہ میں ایرانی سلطنت انقلاب حکومت و طوائف الملوک کے باعث اپنی پہلی
 عظمت و شان کو کھو چکی تھی، یزدگرد شہنشاہ ایران نابالغ تھا اور ایک عورت پوران دخت
 اس کی طرف سے تخت کیانی پر متمکن تھی، عراق کے عربی قبائل جو ہمیشہ ایسے موقعوں سے
 فائدہ اٹھانے کے عادی تھے نہایت زور شور کے ساتھ اٹھے، اور قبیلہ دامل کے دوسرا دار
 مثنیٰ شیبانی و سوبیدعلی نے تھوڑی تھوڑی سی جمیعت ہم پہنچا کر حرہ وابلہ کے فواح میں
 غارتگری شروع کر دی“

مثنیٰ اسلام لا چکے تھے، انھوں نے دیکھا کہ وہ تنہا اس عظیم الشان حکومت کا مقابلہ
 نہیں کر سکتے، اس لیے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ فوج کشی کی اجازت حاصل کی
 اور اپنے تمام قبیلہ کو لیکر ایرانی سرحد میں گھس گئے، اس وقت تک حضرت خالد بن ولیدؓ
 بنو تدمر میں کی بجائے کنی سے فارغ ہو چکے تھے، اس لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انکو ایک
 جمیعت کے ساتھ مثنیٰ کی کمک پر روانہ فرمایا،

حضرت خالد بن ولیدؓ نے پہونچنے کے ساتھ ہی جنگ کی صورت بدل دی اور باقیات
 کسکرو وغیرہ فتح کرتے ہوئے شاہانِ عجم کے حدود میں داخل ہو گئے، یہاں شاہ جاپان سے

مقابلہ کیا اور اسکو شکست دی پھر حیرہ کے بادشاہ نمنان سے جنگ آزما ہوئے نمنان ہزیمت اٹھا کر دامن بھاگ گیا، یہاں سے خورنق پہنچے لیکن اہل خورنق نے مصلحت اندیشی کو راہ دے کر ستر ہزار یا ایک لاکھ درہم خراج پر مصالحت کر لی، غرض اسطرح حیرہ کا پورا علاقہ زیر نگین ہو گیا۔

بعد شام | مہم عراق کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ دوسری طرف سرحد شام پر جنگ چھڑ گئی، حضرت ابو بکرؓ نے ۳۱ھ میں صحابہ کرام کے مشورہ لینے کے بعد شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا انتظام کیا، اور ہر ایک علاقہ کے لیے علیحدہ علیحدہ فوج مقرر کر دی، چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ حصہ پڑیزید بن ابی سفیانؓ دمشق پر، شرجیل بن حسنہؓ اردن پر اور عمرو بن العاصؓ فلسطین پر مامور ہوئے، مجاہدین کی مجموعی تعداد ۲۷۰۰۰ ہزار تھی ان سرداروں کو سرحد سے نکلنے کے بعد قدم قدم پر رومی جتنے ملے جنگو قیصر نے پہلے ہی سے الگ الگ ہر ایک سردار کے مقابلہ میں متعین کر دیا تھا، یہ دیکھ کر افسران اسلام نے اپنی کل فوجوں کو یک جا جمع کر لیا اور بارگاہ خلافت کو غنیم کی غیر معمولی کثرت کی اطلاع دے کر مزید ملک کے لیے لکھا، چونکہ اس وقت دار الخلافہ میں کوئی فوج موجود نہ تھی اس لیے حضرت ابو بکرؓ کو نہایت انتشار ہوا، اور اس وقت حضرت خالد بن ولیدؓ کو لکھا کہ مہم عراق کی باگ مٹنی کے ہاتھ میں دیکر شام کی طرف روانہ ہو جائیں، چنانچہ وہ فرمان پہنچتے ہی ایک جمعیت کے ساتھ شامی رزمگاہ کی طرف روانہ ہو گئے، حضرت خالد بن ولیدؓ کو راہ میں بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنی پڑیں چنانچہ جب حیرہ کے علاقہ سے روانہ ہو کر عین التمر پہنچے تو وہاں خود کسریٰ کی ایک فوج سردار ہوئی،

۱۔ تاریخ یعقوبی ۲۷۷، ۲۷۸

۲۔ تاریخ طبری و فتوح الشام بلاذری صفحہ ۱۱۶

عقبہ بن ابی ہلال التمری اس فوج کا سپہ سالار تھا، حضرت خالد بن ولیدؓ نے عقبہ کو قتل کر کے اُس کی فوج کو ہزیمت دی، وہاں سے آگے بڑھے تو ہذیل بن عمران کی زیر سیادت بنی تغلب کی ایک جماعت نے مبارز ظلمی کی ہذیل مارا گیا، اور اس کی جماعت کے بہت سے لوگ قید کر کے مدینہ روانہ کئے گئے، پھر یہاں سے انبار پہنچے اور انبار سے صحرا طے کر کے تدمر میں خیمہ زن ہوئے، اہل تدمر نے بھی پہلے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا پھر مجبور ہو کر مصاحبت کر لی، تدمر سے گذر کر حوڈان آئے، تو یہاں بھی سخت جنگ پیش آئی، غرض اسکو فتح کر کے شام کی اسلامی مہم سے مل گئے، اور متحدہ قوت سے بصری، نخل، اور اجنادین کو سخر کر لیا، اجنادین کی جنگ نہایت شدید تھی اور اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے، تاہم میدان انھیں کے ہاتھ رہا اور جلدی الاد ۱۳ھ سے اجنادین ہمیشہ کے لیے اسلام کا زیر نگین ہو گیا،

اجنادین سے بڑھ کر اسلامی فوجوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا لیکن اُسکے مفتوح ہونے سے پہلے ہی خلیفہ اول نے داعی اہل کولبیک کہا، اُس لیے اُس کی تفصیل فتوحات فاروقی کے سلسلہ میں آئے گی،

مشرق فتوحات عراق اور شام کی لشکر کشی کے علاوہ حضرت عثمان بن ابی العاص کو توجہ روانہ کیا گیا، انھوں نے توجہ، کمران اور اُس کے متصلہ علاقوں کو اسلامی حدود میں جسل کر دیا، اسی طرح حضرت علاء بن حضرمی زارہ پر مامور ہوئے، انھوں نے زارہ اور اُس کے اطراف کو زیر نگین کر کے اسقدر مال غنیمت مدینہ روانہ کیا کہ خلیفہ اول نے اس میں سے مدینہ منورہ کے ہر خاص و عام، مرد، عورت اور شریف و غلام کو ایک ایک دینار تقسیم فرمایا،

مرض الموت - استخلاف حضرت عمرؓ بفاروقؓ

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کو ابھی صرف سوا دو برس ہوئے تھے اور اس قلیل عرصہ میں مدعیان نبوت مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی کے بعد فتوحات کی ابتدا ہی ہوئی تھی کہ پیغام اجل پہنچ گیا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن جبکہ موسم نہایت سرد و خشک تھا آپؐ نے غسل فرمایا، غسل کے بعد بخارا گیا اور مسلسل پندرہ دن تک شدت کے ساتھ قائم رہا، اس اثنا میں مسجد تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے چنانچہ آپؐ کے حکم سے حضرت عمرؓ امامت کی خدمت انجام دیتے تھے،

مرض جب روز بروز بڑھتا گیا اور افاقہ سے باہمی ہو گئی تو صحابہ کرام کو بلا کر جانشینی کے متعلق مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا "عمرؓ کے اہل ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے لیکن وہ کسی قدر متشدد ہیں" حضرت عثمانؓ نے کہا "میرے خیال میں عمرؓ کا باطن ظاہر سے اچھا ہے" لیکن بعض صحابہ کو حضرت عمرؓ کے تشدد کے باعث پس و پیش تھا، چنانچہ حضرت طلحہؓ عیادت کے لیے آئے تو شکایت کی کہ آپؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں حالانکہ جب آپؓ کے سامنے وہ اس قدر تشدد تھے خدا جانے آئندہ کیا کریں گے" حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ جب ان پر خلافت کا بار پڑیگا تو ان کو خود نرم ہونا پڑیگا، اسی طرح ایک دوسرے صحابی نے کہا "آپ عمرؓ کے تشدد سے واقف ہونے کے باوجود ان کو جانشین کرتے ہیں، ذرا سوچنا چاہیے آپ خدا کے یہاں جارہے ہیں وہاں کیا جواب دیجیگا" فرمایا "میں عرض کروں گا خدا یا! میں نے تیرے بندوں میں سے اُس کو منتخب کیا ہے جو

ان میں سب سے اچھا ہے" غرض سب کی تشفی کر دی اور حضرت عثمانؓ کو بلا کر عہد نامہ خلافت لکھوانا شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھے جا چکے تھے کہ غش آگیا، حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کا نام اپنی طرف سے بڑھا دیا، تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا کہ بڑھ کر سناؤ، انھوں نے پڑھا تو میا ختمہ اللہ اکبر بکا رُٹھے اور کہا تمہیں خدا جزائے خیر دے تھے میرے دل کی بات لکھ دی غرض عہد نامہ مرتب ہو چکا تو اپنے غلام کو دیا کہ مجمع عام میں سناؤ اور خود بالا خانہ پر تشریف لجا کر تمام حاضرین سے فرمایا کہ میں نے اپنے کسی عزیز یا بھائی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے بلکہ اُس کو منتخب کیا ہے جو تم لوگوں میں سب سے بہتر ہے، تمام حاضرین نے اس حسن انتخاب پر سمعنا و اطعنا کہا، اُس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر نہایت مفید نصیحتیں کیں جو ان کی کامیاب خلافت کے لیے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں۔

اس فرمن سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ذاتی اور خانگی امور کی طرف توجہ کی، حضرت عائشہؓ کو انھوں نے مدینہ یا بحرین کے نواح میں اپنی ایک جاگیر دیدی تھی، لیکن خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوگی، اس لیے فرمایا: جان پر بلا فلاں و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے زیادہ محبوب ہی ہو لیکن جو جاگیر میں نے تمہیں دی ہے کیا تم اس میں اپنے دوسرے بھائی بہنوں کو شریک کر لو گی؟ حضرت عائشہؓ نے ہامی بھری تو اپنے بیت المال کے قرض کی ادائیگی کے متعلق وصیت فرمائی اور کہا کہ ہمارے پاس مسلمانوں کے مال میں سے ایک لونڈی اور دو اونٹنیوں کے سوا کچھ نہیں، عائشہؓ میرے مرتے ہی یہ عمرؓ کے پاس بھیج دی جائیں، چنانچہ یہ تمام چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی گئیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر دیکھنا کوئی اور چیز تو نہیں رہ گئی ہو،

اگر ہو تو اس کو بھی عمرتے پاس بھیج دینا، گھر کا جائزہ لیا گیا تو بیت المال کی کوئی اور چیز کا شانہ صدیقی سے برا نہیں ہوئی،

تجیز و تکفین کے متعلق فرمایا کہ اس وقت جو کپڑا بدن پر ہو اسی کو دھو کر دوسرے دو کپڑوں کے ساتھ کفن دینا، حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ یہ تو پرانا ہے، کفن کے لیے نیا ہونا چاہیے فرمایا زندہ مردوں کی نسبت سنے کپڑوں کے زیادہ مقدار میں میسے لیے یہی پھٹا پرانا بس ہو، اسکے بعد پوچھا آج دن کو ہے لوگوں نے جواب دیا کہ دو شنبہ پھر پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دصال کس روز ہوا تھا؟ کہا گیا کہ دو شنبہ کے روز، فرمایا تو پھر میری آرزو ہے کہ آج ہی رات تک اس عالم فانی سے رحلت کر جاؤں چنانچہ یہ آخری آرزو بھی پوری ہوئی، یعنی دو شنبہ کا دن ختم کر کے سنگل کی رات کو ترسٹھ برس کی عمر میں اور آخر جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو رہ گزین عالم جاودان ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون

وصیت کے مطابق رات ہی کے وقت تجیز و تکفین کا سامان کیا گیا، آپ کی زوجہ محترمہ حضرت اسمائت عیسیٰؓ نے غسل دیا حضرت عمر فاروقؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے قبر میں اتارا اور اس طرح سرور کائناتؐ کا رفیق زندگی آپ کے پہلو میں مدفون ہو کر دائمی رفاقت کیلئے جنت میں پہنچ گیا،

کارنامائے زندگی

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے بھرپور ہے، خصوصاً انھوں نے سوا دو برس کی قلیل مدت خلافت میں اپنے مساعی جمیلہ کے جولا زوال نقش و نگار چھوڑے وہ قیامت تک مومنین ہو سکتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سرزمین عرب ایک دفعہ بھڑکالت و

مگر ہی کا گوارہ بن گئی تھی، مورخ طبری کا بیان ہے کہ قریش و قیس کے سوا تمام عرب اسلام کی حکومت سے باغی تھا، عیان بنوت کی جاعتین علیحدہ ملک میں شورش برپا کر رہی تھیں اور منکر بن زکوة خود مدینہ منورہ کو لوٹنے کی دھمکی دے رہے تھے، غرض خورشید عالم غرب ہوتے ہی شیخ اسلام بھی چراغ سحری ہو رہی تھی، لیکن جانشین رسول صلعم نے اپنی شغف مندی سیاست اور غیر معمولی استقلال کے باعث نہ صرف اس کو گل ہونے سے محفوظ رکھا بلکہ پھر اسی شعل ہدایت سے تمام عرب کو منور کر دیا، اس لیے حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد اسلام کو جس نے دوبارہ زندہ کیا، اور دنیا نے اسلام پر سب سے زیادہ جس کا احسان ہو وہی ذات گرامی ہے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ خلیفہ دوم کے عہد میں بڑے بڑے کام انجام پائے، حمات امور کا فیصلہ ہوا، یہاں تک کہ روم و ایران کے دفاتر الٹ دیے گئے، تاہم اس کی داغ بیل کس نے ڈالی؟ ملک میں یہ اولوالعزم نہ روح کب پیدا ہوئی؟ خلافت الہیہ کی ترتیب تنظیم کا سنگ بنیاد کس نے رکھا؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ خود اسلام کو گرداب فنا سے کس نے بچایا؟ یقیناً ان تمام سوالوں کے جواب میں صرف صدیق اکبرؐ ہی کا نام نامی لیا جاسکتا ہے، اور دراصل وہی اسکے مستحق ہیں، اس لیے اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ عہد صدیقی کی وہ کونسی داغ بیل تھی جس پر عہد فاروقی میں اسلام کی رفیع الشان عمارت تعمیر کی گئی؟

نظام خلافت | اسلام میں خلافت یا جمہوری حکومت کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ نے ڈالی، چنانچہ خود ان کا انتخاب بھی جمہور کے اتفاق سے ہوا تھا، اور عملاً جتھہ بڑے بڑے کام انجام پائے، سب میں کبار صحابہ راسے دشواری کی حیثیت سے شریک تھے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے صاحبِ اے و تجربہ کا مصحابہ کو کبھی دار الخلافہ سے جدا ہونے دیا، حضرت اسامہؓ

کی ہم میں حضرت عمرؓ کو خود رسول اللہؐ نے نامزد کیا تھا لیکن انھوں نے حضرت اسامہؓ کو راضی کیا کہ حضرت عمرؓ کو رائے و مشورہ میں مدد دینے کے لیے چھوڑ جائیں،

خاتم پر لشکر کشی کا خیال آیا تو پہلے اس کو صحابہ کی ایک جماعت میں مشورہ کیلئے پیش کیا، ان لوگوں کو ایسے اہم اور خطرناک کام کو چھپنے میں پس دیش تھا، لیکن حضرت علیؓ نے موافق رائے دی اور پھر اسی پر اتفاق ہوا، اس طرح منکرینِ زکوٰۃ کے مقابلہ میں جہاد، حضرت عمرؓ کے اختلاف اور تمام دوسرے اہم معاملات میں اہل الرائے صحابہ کی رائے دریافت کر لی گئی تھی، البتہ عہد فاروقی کی طرح اس وقت تک جلس شوریٰ کا باقاعدہ نظام نہ تھا، تاہم جب کوئی امر اہم پیش آ جاتا تھا تو چند ممتاز مہاجرین و انصار جمع کیے جاتے تھے اور ان سے رائے لی جاتی تھی، چنانچہ ابن سعد کی روایت ہے،

ان ابا بکر الصديق كان اذا نزل به
امر يريد فيه مشاورة اهل الرائے اهل الفقه
ودعا رجلا من المهاجرين والانصار دعاهم
عثمان وعلياً وعبد الرحمن بن عوف ومعاذ
بن جبل والى بن كعب وزيد بن ثابت
كولائے تھے، یہ سب حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں
وكل هو لاع يفتى في خلافة ابى بكرؓ
فوتے بھی دیتے تھے،

مکی نظم و نسق | نوعیت حکومت کے بعد سب سے ضروری چیز ملک کے نظم و نسق کو بہترین اصول پر قائم کرنا، عہد و ن کی تقسیم اور عہدہ داروں کا صحیح انتخاب ہے، حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں

سے طبقات ابن سعد، حصہ مخازی ۳ صفحہ ۱۴۹، طبقات ابن سعد، قسم ثانی جز ۲

بیرونی فتوحات کی ابھی ابتدا ہوئی تھی، اس لیے اُن کے دائرہ حکومت کو صرف عرب پر محدود سمجھنا چاہیے، انھوں نے عرب کو متعدد صوبوں اور ضلعوں پر تقسیم کر دیا تھا، چنانچہ مدینہ، مکہ، طائف، صنعاء، یمن، حضرموت، بحرین اور دوسرے اچھل چلے گئے صوبے تھے ہر صوبہ میں ایک عامل ہوتا تھا جو ہر قسم کے فرائض انجام دیتا تھا، البتہ خاص اور اختلافات میں تقریباً اکثر صیغوں کے الگ الگ عہدہ دار مقرر کیے گئے تھے، مثلاً حضرت ابو عبیدہؓ شام کی سپہ سالاری سے پہلے انسرہال تھے، حضرت عمرؓ قاضی تھے اور حضرت عثمانؓ حضرت ید بن دربار خلافت کے کاتب تھے،

عالموں اور عہدہ داروں کے انتخاب میں حضرت ابو بکرؓ نے ہمیشہ ان لوگوں کو ترجیح دی جو عہد نبوت میں عامل یا عہدہ دار رہ چکے تھے، اور اُن سے انھیں مقامات میں کام لیا جہاں وہ پہلے کام کر چکے تھے، مثلاً عہد نبوت میں مکہ پر عتاب بن اسیدؓ، طائف پر عثمان بن ابی العاصؓ، صنعاء پر مہاجر بن امیہؓ، حضرموت پر زیاد بن لیثؓ اور بحرین پر علاء بن الحضرمیؓ مامور تھے، اس لیے خلیفہ اولؓ نے بھی ان مقامات پر انھیں لوگوں کو برقرار رکھا،

حضرت ابو بکرؓ جب کسی کو کسی ذمہ داری کے عہدہ پر مامور فرماتے تو عموماً بلا کر اس کے فرائض کی تشریح کر دیتے اور نہایت مؤثر الفاظ میں سلاست روی و تقویٰ کی نصیحت فرماتے، چنانچہ عمرو بن العاصؓ اور ولید بن عقبہؓ کو قبیلہ قضاعہ پر محصل صدقہ بنا کر بھیجا تو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی،

اتق الله في السر والعلانية خلوت جوت بين خدا کا خوف رکھو جو خدا سے دور نہ ہو
فان الله يحبل له محرجاً اس کے لیے ایک ایسی سبیل اور اس کے رزق کا ایک ایسا ذریعہ

ویرزفته من حیث لا یحسب
ومن یتق الله یکفر عنه سیئاته
ويعظم له اجر ان تقوی الله
خیر ما قاصی به عباد الله انک فی
سبیل الله لا یسک فیہ الا ذعان والتغلیظ
والغفله عما فیہ قوام دینکم وعصمة
اھم کرم فلاح ولا تھتر الخ
پہ اگر دپتا ہے، جو کسی کے گمان میں بھی نہیں آسکتا
جو خدا سے ڈھتا ہو، وہ اس کے گناہات کو دیتا ہو اور اس کا
ہر دو بارہ کر دیتا ہو، بیشک بندگانِ خدا کی خیر خواہی
بہترین تقویٰ ہے، تم خدا کی ایک ایسی راہ میں جو حسین
افراط، تغریظ، اور ایسی چیزوں سے غفلت کی بجائش
نہیں حسین مذہب کا استحکام اور خلافت کی حفاظت
(مضمون ہے اس لیے سستی و تغافل کو راہ نہ دینا،

اسی طرح یزید بن سہیان کو ہم شام کی امارت سپرد کی تو فرمایا،

ما یزید ان لا قرابة عسیت
ان تو شرهم ما لا ماردن ذالک
اکبر ما اخاف علیک فان رسول الله
صلی الله علیہ وسلم قال من ولی
من ام المسلمین شیئا فامر علیہم لحدائبا
فعلیہ لعنة الله لا یقبل الله منه صرفا
ولا عدلا حتی یدخلہ جہنم
اے یزید! اتھاری قرابت داریاں ہیں شام تم ان کو
اپنی امارت سے فائدہ پہنچاؤ، درحقیقت یہی سب سے
بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں، رسول اللہ صلی
نے فرمایا ہے کہ جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہو اور ان پر
کسی کو بلا استحقاق محض رعایت کے طوع پر افسر بنادیا ہو
تو اس پر خدا کی لعنت ہو خدا اس کا کوئی عذر اور فدیہ
قبول نہ فرمائے گا یہاں تک کہ اس کو جہنم میں داخل کر دیا جائے

حکام کی گزائی کسی حکومت کا قانون دین گویا ہی مرتب و منتظم ہونا ہم اگر ذمہ دار حکام کی گزائی
اور ان پر نکتہ چینی کا اہتمام نہ تو یقیناً تمام درجہ بہ درجہ جو جائیگاہی وجہ ہے کہ خلیفہ اول کو نبی
ظہری نرم دلی، تساہل اور حشیم پوشی کے باوجود اکثر موقعوں پر تشدد، احتساب اور نکتہ چینی سے کام

بينا پڑا ذاتی مسالمت میں رفت و ملاطفت اُن کا خاص شیوہ تھا لیکن حکومت و مذہب میں اس قسم کی مداخلت کو کبھی رد نہ رکھتے تھے چنانچہ حکام سے جب کبھی کوئی نازیبا امر نہ ہو جاتا تو نہایت سختی کے ساتھ چشم نمائی فرماتے، یا مہ کی جنگ میں مجاھدین نے جو سیکہ لڈا بکا یہ سالار تھا حضرت خالد بن ولیدؓ کو دھوکا دیکر سیکہ کی تمام قوم کو مسلمانوں کے بیخود اقتدار سے بچالیا حضرت خالدؓ نے اس غداری پر اُس کو سزا دینے کے بجائے اس کی لڑکی سے شادی کر لی، چونکہ اس جنگ میں بہت سے صحابہ شہید ہوئے تھے، اس لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ کی اس سماعت پر سخت ناراضگی ظاہر کر کے لکھا،

تتق شب علی النساء وعند اطناب یعنی تمہارے خیمہ کی طناب کے پاس مسلمانوں کا خون بہ رہا ہے

حیثک ذمماء لمسلمین، اور تم عورتوں کے ساتھ عیش و عشرت میں مصروف ہو،

مالک بن نویرہ منکر زکوٰۃ تھا، حضرت خالد بن ولیدؓ اس کی تنبیہ پر مامور ہوئے، لیکن انھوں نے زبانی ہدایت سے پہلے ہی اس کو قتل کر ڈالا، مالک کا بھائی شاعر تھا اس نے اس کا نہایت بُر و درمیشہ لکھا اور ظاہر کیا کہ وہ تائب ہونے کے لیے تیار تھا مگر خالدؓ نے محض ذاتی عداوت سے قتل کر دیا، دربار خلافت تک اس کی اطلاع پہنچی اور اس غلطی پر حضرت خالدؓ سخت موردِ عتاب ہوئے تاہم وہ جو کام کر رہے تھے اس کے لیے کوئی دوسرا موزون نہ تھا اس لیے اپنے عہدہ پر برقرار رہے،

تغزیر و حدود حضرت ابو بکر صدیقؓ ذاتی طور پر مجرموں کے ساتھ نہایت ہمدردانہ برتاؤ کرتے تھے، چنانچہ عہد نبوت میں قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے اُن کے سامنے بدکاری کا اعتراف کیا تو بولے ”تم نے میرے سوا اور کسی سے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے؟“ اس نے کہا ”نہیں“ فرمایا ”خدا سے

توبہ کرادراس راند کو پوشیدہ رکھا خدا بھی اس کو چھپایا کیونکہ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اگر اس نے اُن کے شور پر عمل کیا ہوتا تو رجم سے بچ جاتا، لیکن خود دربار رسالت میں حاضر ہو کر سوا تر چار دفعہ قرارِ جرم کیا اور بخشی سنگسار ہوا،

زمانہ خلافت میں بھی ان کی یہ طبعی ہمدردی قائم رہی چنانچہ اشعث بن قیس جو مدعی نبوت تھا جب گرفتار ہو کر آیا اور توبہ کر کے جان بخشی کی درخواست کی تو انھوں نے نہ صرف اسکو رہ کر دیا بلکہ اپنی ہمیشہ حضرت ام فروہؓ سے اس کا نکاح بھی کر دیا، لیکن سیاسی حیثیت سے خلیفہ وقت کا سب سے بڑا فرض قوم کی اخلاقی نگرانی اور رعایا کے جان و مال کی حفاظت ہے اور اس حیثیت سے اگرچہ انھوں نے پولیس و اعتبار کا کوئی مستقل محکمہ قائم نہیں کیا بلکہ رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک میں ان کی جو حالت تھی وہ قائم رہی تاہم انھوں نے اس پر اس قدر اضافہ کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو پہرہ داری کی خدمت پر مامور فرما دیا، اور بعض جرائم کی سزائیں متعین کر دیں مثلاً حدِ زمر کی نسبت رسول اللہ صلعم کا طرزِ عمل مختلف تھا، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں شرابی کے لیے چالیس دسے کی سزا لازمی کر دی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بعض جدید جرائم بھی پیدا ہوئے مثلاً حضرت خالد بن ولیدؓ نے اُن کو لکھا کہ حوالی مدینہ میں ایک شخص علت اُبنہ میں مبتلا ہے چونکہ اہل عرب ایک جدید جرم تھا اور حدیث و قرآن میں اسکی کوئی سزا مقرر نہ تھی اس لیے حضرت ابو بکرؓ نے تمام صحابہ کرام سے شورہ کیا، حضرت علیؓ نے جلانے کی راس دی اور تمام صحابہ نے اس پر اتفاق کر لیا ان کو ملک میں امن و امان اور شاہراہوں کو محفوظ بنانے کا حذر چرخیال رہتا تھا اور جو کوئی اس میں رخنہ انداز ہوتا تھا اس کو نہایت عبرت انگیز سزائیں دیتے تھے چنانچہ اس زمانہ میں عبداللہ بن ایاس سلمیٰ مشہور رہزن تھا جس نے تمام ملک میں ایک غدا

۱۔ سند ابن عباس
۲۔ عبد اول
۳۔ عتہ بن عبد اللہ
صفحہ ۱۲۹
۴۔ ابو داؤد
۵۔ کتاب الحدود
۶۔ عتہ بن العقیب
۷۔ الترمذی جلد ۲
صفحہ ۱۷۱
۸۔ ابن الدینار

مالی انتظامات احمید نبوت مین صیغہ مال کا کوئی باقاعدہ نمونہ نہ تھا بلکہ مختلف ذرائع سے جو رقم آتی تھی اسی وقت تقسیم کر دی جاتی تھی حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بھی یہی انتظام قائم رہا، چنانچہ انھوں نے پہلے سال ہر ایک آزاد، غلام، مرد، عورت اور ادنیٰ و اعلیٰ کو بلا تفریق دس دین درہم عطا کیے، دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو میں میں درہم مرحمت فرمایا ایک شخص نے

شیخ اسد اللہ صاحبہ ذکرہ رحمۃ اللہ علیہ تاریخ الخلفاء صفحہ ۶۹

اس سادات پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ فضل و ثقیب اور شے ہر اس کو رزق کی کمی بیشی سے کیا تعلق ہے؟ البتہ اس پر اسقدر اضافہ کیا کہ اپنے اخیر عہد حکومت میں ایک بیت المال تعمیر کرایا لیکن اس میں کبھی کسی بڑی رقم کے جمع ہونے کا موقع نہ آیا، یہی وجہ ہے کہ بیت المال کی حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا ایک دفعہ کسی نے کہا کہ یا خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بیت المال کی حفاظت کے لیے کوئی محافظ کیوں نہیں مقرر فرماتے؟ فرمایا اس کی حفاظت کے لیے ایک قفل کافی ہے۔

خلیفہ اول کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابہ کو ساتھ لیکر تمام صحابہ بیت المال کا جائزہ لیا تو صرف ایک درہم بڑھ ہوا، لوگوں نے کہا ”خدا ابوبکر پر رحم کرے“ اور بیت المال کے خزانچی کو بلا کر پوچھا کہ شرمندہ اس وقت تک خزانہ میں کس قدر مال آیا ہوگا؟ اس نے کہا دو لاکھ دینار۔

فوجی نظام | عہد نبوت میں کوئی باضابطہ فوجی نظام نہ تھا بلکہ جب ضرورت پیش آتی تو صحابہ کرام خود ہی شوق سے علم جہاد کے پختہ جمع ہو جاتے تھے، حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی یہی صورت حال باقی رہی، لیکن انھوں نے اس پر اسقدر اضافہ کر دیا کہ جب کوئی فوج کسی ہم پر روانہ ہوتی تو اسکو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے الگ الگ افسر مقرر فرماتے، چنانچہ شام کی طرف جو فوج روانہ ہوئی، اس میں اسی طریقہ پر عمل کیا گیا تھا، یعنی قومی حیثیت سے تمام قبائل کے افسر اور ان کے جھنڈے الگ الگ تھے، امیر الامراء یعنی کمانڈر انچیف کا نیا عہدہ بھی خلیفہ اول کی ایجاد ہے اور سب سے پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ اس عہدہ پر مامور ہوئے تھے۔

دستہ بندی کا صریح قاعدہ یہ ہوا کہ مجاہدین اسلام کو رمیون کی باقاعدہ فوج کے

مقابلہ میں اس سے بڑی مدد ملی، یعنی حضرت خالد بن ولیدؓ نے تعبہ کا طریقہ ایجاد کر کے میدان جنگ میں ہر دستہ کی جگہ اور اس کا کام متعین کر دیا، اس طرح حالت جنگ میں کسی ترتیب و نظام کے ہونے سے فوج میں جو اجری پھیل جاتی تھی اس کا سد باب ہو گیا،

فوج کی اخلاقی تربیت | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین کے عہد میں جو قدر لڑائیوں میں آئین وہ سب للیت اور اخلاقی کلمہ اللہ پر مبنی تھیں اس لیے ہمیشہ کوشش کی گئی کہ اس مقصد عظیم کے لیے جو فوج تیار ہو وہ اخلاقی رفعت میں تمام دنیا سے ممتاز ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے بھی فوجی ترتیب میں اس نکتہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور جب کبھی کوئی فوج کسی مہم پر روانہ ہوتی تو خود دور تک پیادہ پاسا ساتھ لگے اور امیر عسکر کو زرین نصائح کے بعد نصرت فرمایا، چنانچہ ملک شام پر فوج کشی ہوئی تو پہ سالار سے فرمایا،

انک نجد قوما ذہموا انفسہم
حبسوا انفسہم للہ فذہموا فی موصیک
بعشر لا تقتلوا امرأۃ ولا صبیا
ولا کبیرا ہرما ولا تقطعن شجر اثمرا
ولا تحرقن عامرا ولا تعقرن شاة
ولا یغیرا الا لاکلہ ولا تحرقن غنلا ولا
ولا تغفلن ولا تجبنن
تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لیے وقف کر لیا ہے ان کو چھوڑ دینا میں میں تم کو دس مہینے کرنا ہوں کسی عورت بچے اور بچہ کو قتل نہ کرنا، پھل دار درخت کو نہ کاٹنا کسی آباؤ جگہ کو ویران نہ کرنا، بکری اور اونٹ کھانے کے سوا ایک بار نہ بچ کرنا، نخلستان نہ جلانا، مالِ غنیمت میں غبن نہ کرنا اور بزدل نہ ہونا،

سامان جنگ کی فراہمی | حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سامان جنگ کی فراہمی کا یہ انتظام فرمایا تھا کہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کا ایک معقول حصہ سامانِ بار برداری

اور سلمہ کی خریداری پر صرف فرماتے تھے اس کے علاوہ قرآن پاک نے مالِ غنیمت میں خدا رسول اور ذوی القربی کے جو حصے قرار دیے تھے ان کو فوجی مصارف کے لیے مخصوص کر دیا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ضروری مصارف کے بعد اسکو اسی کام میں لگاتے تھے،

اونٹ اور گھوڑوں کی پرورش کے لیے مقامِ بقیع میں ایک مخصوص چراگاہ تیار کرانی احسن ہزار ہا جانور پرورش پاتے تھے، مقامِ ربذہ میں بھی ایک چراگاہ تھی جہیں صدقہ اور زکوٰۃ کے جانور چرتے تھے،

فوجی چھاؤنیوں کا سائنہ | حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صنعت پیری و ہجوم افکار کے باوجود

خود ہی چھاؤنیوں کا سائنہ فرماتے تھے اور سپاہیوں میں نادہی یا روحانی حیثیت سے جو خرابی نظر آتی تھی ان کی اصلاح فرماتے تھے، ایک دفعہ کسی مہم کے لیے مقامِ جرت میں فصیح مجتمع ہوئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے تشریف لے گئے جب بنی فزارہ کے پڑاؤ میں پہنچے تو سب نے کھڑے ہو کر تعظیم کی انھوں نے ہر ایک کو مہربان کیا، ان لوگوں نے عرض کی "یا خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگ گھوڑوں پر خوب چڑھتے ہیں اس لیے گھوڑے بھی ساتھ لائے ہیں آپ بڑا مجنڈا ہمارے ساتھ کر دیجئے، فرمایا "خدا تمھاری ہمت و ارادہ میں برکت دے، لیکن بڑا مجنڈا تمھیں نہیں مل سکتا، کیونکہ وہ بنو عصب کے حصہ میں آچکا ہے" اسپر ایک فزاری نے کھڑے ہو کر کہا "ہم لوگ بنو عصب سے اچھے ہیں" حضرت ابوبکر نے ڈانٹ کر کہا "چپ احمق تجھ سے ہر عصبی اچھا ہے" بنو عصب بھی کچھ بولنا چاہتے تھے مگر انھیں بھی ڈانٹ کے خاموش کر دیا، غرض اس طرح چھاؤنیوں میں جا کر قبائل کے باہمی جوش و رقابت کو دبا کر اسلامی رواداری کا سبق دیتے تھے،

بدعات کا سد باب | تمام مذاہب کے مسخ ہو جانے کی اصلی وجہ وہ بدعات ہیں جو رفتہ رفتہ جزو مذہب ہو کر اس کی اصلی صورت اس طرح بدل دیتے ہیں کہ بانیان مذہب کی صحیح تعلیم اور متبعین کی جدت طرائیوں میں امتیاز و تفریق بھی دشوار ہو جاتی ہے، حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں اگرچہ بدعات بہت کم پیدا ہوئیں تاہم جب کبھی کسی بد عہدی کا ظہور ہوا تو انھوں نے اسکو مٹا دیا، ایک دفعہ حج کے موقع پر قبیلہ اُحس کی ایک عورت کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ کسی سے گفتگو نہیں کرتی، انھوں نے اس کی وجہ پوچھی تو گوئیں کہ اس نے خاموشی جی کا ارادہ کیا ہے، یہ سن کر اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا ”یہ جاہلیت کا طریقہ ہے، اسلام میں جائز نہیں“ تم اس سے باز و ادبات چیت کرو، اس نے کہا آپ کون ہیں؟ بولے ”ابو بکرؓ“

خدمتِ حدیث | حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں قرآن شریف کی تدوین و ترتیب کا جو کام انجام پایا اس کی تفصیل گزر چکی ہے، ایک روایت کے مطابق انھوں نے تقریباً پانچ سو حدیثیں بھی جمع فرمائی تھیں لیکن وفات کے کچھ دنوں پہلے اس خیال سے ان کو ضائع کر دیا کہ شاید اس میں کوئی روایت خلافتِ ائمہ ہو تو یہ باریمرے سر رہ جائیگا، لیکن علامہ ذہبی نے اس خیال کی تغلیط کی ہے، بالاسنہ انھوں نے احادیث کے متعلق نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا، صحابہ کرام کو جمع کر کے خاص طور سے فرمایا،

انکم متحدون عن رسول اللہ ﷺ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو جن میں خود تم ہی باہم اختلاف رکھتے ہو، تمہارے بعد بعد کہم استدل اختلافنا جو لوگ آئیں گے تو ان میں اور بھی بحث اختلاف واقع

فلا تخذوا عن رسول الله صلعم ہوگا اس لیے رسول اللہ صلعم سے کوئی روایت نہ کر دو،
 شیئاً من سألکم فقولوا بیننا اور جو کوئی تم سے سوال کرے تو کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے
 و بینکم کتاب اللہ فاستحلوا حلالاً درمیان خدا کی کتاب ہے اس کے حلال کو حلال سمجھو
 و حرماً احرامہ، اور اسکے حرام کو حرام قرار دو،

لیکن اس سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیے کہ انھوں نے مطلقاً روایت کا سد باب کر دیا بلکہ
 ان کی غرض صرف یہ تھی کہ جب تک کسی حدیث کی صحت پر کامل یقین نہ ہو روایت نہ کرنا
 چاہیے، چنانچہ وہ خود بھی اسی پر عمل پیرا تھے اور جب کسی روایت کی اچھی طرح تصدیق ہو جاتی
 تو بغیر پس و پیش اس کو قبول فرما لیتے تھے، ایک دفعہ دادی کی وراثت کا جھگڑا پیش ہوا چونکہ
 قرآن مجید اس کے متعلق بالکل خاموش ہے اس لیے آنحضرت صلعم کا طرز عمل دریافت کرنا
 پڑا، حضرت مغیرہ بن شعبہ موجود تھے انھوں نے کہا ”میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلعم دادی کو
 چھٹا حصہ دیتے تھے“ احتیاطاً پوچھا ”کوئی گواہ پیش کر سکتے ہو؟“ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کھڑے
 ہو کر اس کی تصدیق کی تو اسی وقت حکم نافذ کر دیا، بعد کو حضرت عمرؓ نے اس اصول سے
 زیادہ کام لیا،

حکمہ افتا حضرت ابو بکرؓ نے مسائل فقہیہ کی تحقیق و تنقید اور عوام کی سہولت کے خیال سے
 افتاد کا ایک خاص محکمہ قائم کر دیا تھا، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہؓ
 بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ جو اپنے علم و جہاد
 کے لحاظ سے تمام صحابہ میں منتخب تھے، اس خدمت پر مامور تھے، اور ان کے سوا اور کسی کو فتویٰ
 دینے کی اجازت نہ تھی، حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہد خلافت میں اسی پابندی کے

ساتھ اسکو قائل رکھا،

اشاعت اسلام | نائب رسول کا سب سے اہم فرض دین میں کی تبلیغ و اشاعت ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس کا بخیرین شروع سے جو غیر معمولی انہماک تھا اس کا ایک اجمالی تذکرہ گذر چکا ہے اس سے تم کو معلوم ہوا ہو گا کہ آسمان اسلام کے اخترائے تابان اسی خورشیدِ صداقت کے پرتو ضیاء سے منور ہوئے ہیں خلافت کا بار سر پر آیا تو ایک فرض کی حیثیت سے قدرۃً یہ انہماک زیادہ ترقی کر گیا، تمام عرب میں پھرنے سے اسلام کا غلغلہ بلند کیا اور رومیوں اور ایرانیوں کے مقابلہ میں جو فوجیں روانہ فرمائیں انھیں ہدایت کر دی کہ سب سے پہلے عظیم کو اسلام کی دعوت دین نیز قبائل عرب جو ان اطراف میں آباد ہیں ان میں اس تحریک کو پھیلا دیں کیونکہ وہ قومی یکجہتی کے باعث زیادہ آسانی کے ساتھ اس طرف مائل ہو سکتے ہیں چنانچہ عثمانی بن حارثہ کے سامعی جمیلہ سے بنی داہل کے تمام بت پرست و عیسائی مسلمان ہو گئے، اسی طرح حضرت خالد بن ولیدؓ کی دعوت پر عراق عرب اور حدودِ شام کے اکثر عربی قبائل نے لبیک کہا، حیرہ کے ایک عیسائی راہب نے خود بخود اسلام قبول کیا، یمن میں اشعث اور اس کے رضائے پسر محمد بن اسلام کی اسی طرح طلحہ جو مدعی نبوت تھا، حضرت خالد بن ولیدؓ کے مقابلہ سے بھاگ کر جب شام پہنچا تو اس نے بطور اعتذار حسب ذیل اشعار لکھ بھیجے اور اسلام کا اقرار کیا،

نہ بنی بنی
جلد ۲ صفحہ
۱۱۴۵

فعل یقبل الصدیق ائی مراجع	ومعط بما احداثت من حدث بدی
کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ اسکو قبول فرمایئے کہ میں آپؐ کی	اور مرے ہاتھوں نے جو کچھ کہے ہیں ان کی تلافی کر دین
وانی من بعد الضلالة شاہد	شہادۃ حق است فیہا ملحد
اور میں گمراہی کے بعد گواہی دیتا ہوں	ایک ایسی جگہ گواہی کہ میں اس سے ہٹنے والا نہیں ہوں

اس اعتدار و قرار ایمان سے حضرت صدیق کا آئینہ اول نیچہ کی طرف سے بالکل صاف ہو گیا اور اس کو مدینہ آنے کی اجازت دیدی لیکن وہ اس وقت پہنچا جبکہ آفتاب صداقت دنیا سے ہمیشہ کے لیے غروب ہو چکا تھا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرضوں کا چکانا اور وعدوں کا پورا کرنا بھی فرائض خلافت میں داخل تھا، حضرت ابو بکرؓ نے اولین فرصت میں اس فرض سے سبکدوشی حاصل کی اور جیسے ہی بحریں فتح ہو کر کثیر مال غنیمت مدینہ پہنچا، انھوں نے اعلان عام کر دیا کہ رسالتِ نبوت کے ذمہ کسی کا کچھ نکلتا ہو یا آپ نے کسی سے کوئی وعدہ فرمایا ہو تو وہ میرے پاس آئے اس اعلان پر حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر دینے کا وعدہ فرمایا تھا، حضرت ابو بکرؓ نے ان کو اسی طرح تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے عطا فرمایا، نیز حضرت ابو بکرؓ نے ان کے بیان پر ان کو چودہ سو درہم مرحمت فرمائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت | بارغِ فدک اور مسئلہ خمس کے منازعات نے گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین کا خیال

رشتہ داروں میں کسی قدر غلط فہمی پھیلا دی تھی خصوصاً حضرت فاطمہؓ کو نہایت رنج تھا، تاہم خلیفہ اول نے ہمیشہ ان کے ساتھ لطف و محبت کا سلوک قائم رکھا اور وفات کے وقت سیدہ جنت سے عفو خواہ ہو کر ان کا آئینہ دل صاف کر دیا،

امامت المؤمنین کی راحت و آسائش اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حفظ ناموس کا خاص خیال تھا عکرمہ بن جہل نے حضرات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک منکوحہ حرم قتیلہ بنت قیس سے نکاح کر لیا تو انھوں نے چاہا کہ دونوں کو آگ میں جلادین لیکن حضرت عمرؓ نے باز رکھا اور کہا کہ قتیلہ سے صرف نکاح ہوا تھا وہ حرم میں داخل نہیں ہوتی، یقین اس لیے امامت المؤمنین

ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کے لیے کوئی وصیت فرمائی تھی یا جن کے حال پر آپ نے خاص طور سے لطف و کرم مبذول رکھا تھا، حضرت ابو بکرؓ نے ہمیشہ ان کی تعظیم و توقیر اور سزا کی وصیت کا خیال رکھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر حضرت ام ایمنؓ کی ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے تھے، حضرت ابو بکرؓ نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا، اس طرح سندر نام ایک غلام کو آپ نے آزاد کر کے فرمایا تھا کہ میرے حق میں ہر مسلمان کو وصیت کرتا ہوں، حضرت ابو بکرؓ سندھین غلام ہوئے تو ان کے لیے وظیفہ مقرر فرمایا اور تاحیات اسکو جاری رکھا۔

ذی رعایا کے حقوق | عہد نبوت میں جن غیر مذاہب کے پیروؤں کو اسلامی ممالک محروسہ میں پناہ دی گئی تھی اور عہد ناموں کے ذریعہ سے ان کے حقوق متعین کر دیے گئے تھے، حضرت ابو بکرؓ نے نہ صرف ان حقوق کو قائم رکھا بلکہ اپنے مسودہ دستخط سے پھر اس کی توثیق فرمائی، اس طرح خود ان کے عہد میں جو ممالک فتح ہوئے وہ ان کی ذمی رعایا کو تقریباً وہی حقوق دیے جو مسلمانوں کو حاصل تھے، چنانچہ اہل حیرہ سے جو معاہدہ ہوا اس کے الفاظ یہ تھے،

لا یجحدن لهم مبیعة ولا ینسبوا قسراً من	ان کی خائفان اور گریہ مند نہ کیے جائیں گے
قصورهم التي كانوا یجصنھا اذا نزل	اور نہ کوئی ایسا تصریہ کیا جائیگا جس میں وہ ضرورت کے وقت
بهم عدوان لھم ولا ینعون	دشمنوں کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں، نا تو سداور
من ضرب النواقیس ولا من اخرج	گھسنے بجائے، کی ممانعت نہوگی، اور نہ تو ان کے موقعوں
الفصل بان فی عید ہتم	پر صلیب لگائے سے روکے جائیں گے،

یہ معاہدہ نہایت طویل ہے یہاں صرف وہی محل نقل کئے گئے ہیں جن سے مسلمانوں کی

سے اسد العابدہ تذکرہ قتیلہ بنت قیس سے اسباب تذکرہ ام ایمن سے اسباب تذکرہ سدرہ کے کتاب الخراج،

غیر معمولی مذہبی رواداری کا ثبوت ملتا ہے،

خلیفہ اول کے عہد میں جزیرہ بائیس کی شرح نہایت آسان تھی اور ان ہی لوگوں پر مقرر کرنے کا حکم تھا جو اس کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتے ہوں چنانچہ حجرہ کے سات ہزار باشندوں میں سے ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے اور باقی پر صرف دس دس درہم سالانہ مقرر کئے گئے تھے، معاہدہ دن میں یہ شرط بھی تھی کہ کوئی ذمی بوڑھا، اپاہج اور مفلس ہو جائے گا تو وہ جزیرہ سے بری کر دیا جائیگا، نیز قیمت المال اس کا قلیل ہوگا، کیا دنیا کی تاریخ ایسی بے قصبی و رعایا پروری کی نظیر پیش کر سکتی ہے؟

فضائل و مناقب

بارگاہِ نبوت میں رسولِ حضرت ابو بکر صدیقؓ محبوب بارگاہِ دہمجرم اسرارِ نبوت تھے، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح و شام اُن کے گھر تشریف لے جاتے تھے، مدینہ منورہ میں بھی اکثر مقامات پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شرکت سے طے پاتے تھے اور اس کی وجہ سے اُن کو اکثر رات کے وقت دیر تک کا شائد اقدس پر حاضر رہنا پڑتا تھا، چنانچہ ایک دفعہ اُنھوں نے تین صاحبِ صفہ کو کھانے پر مدعو کیا لیکن وہ خود دیر تک باہر گئے، نبوت سے واپس نہ آ سکے، جب رات زیادہ گزر گئی اور گھڑائے تو یہ معلوم ہوا کہ ہمانوں نے اب تک کھانا نہیں کھایا اپنے صاحبزادہ پر سخت برہم ہوئے،

حضرت عمرؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات رات بھر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مسلمانوں کے معاملات میں مشورہ فرمایا کرتے تھے، نیز ان کی رازداری و

و خلوص پر اعتماد اس قدر تھا کہ پوشیدہ سے پوشیدہ بات کہہ دیتے تھے، ہجرت کے واقعات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ رازداری کا تمام کام صرف حضرت ابو بکرؓ اور ان کے اہل عیال سے متعلق تھے، حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لیکر غار میں پوشیدہ ہونا، حضرت عبداللہؓ کی گارات کے وقت آکر مشرکین کے حالات سے باخبر کرنا، حضرت عامر بن فہیرہؓ کا روزانہ بکریاں لانا، حضرت اسماءؓ کا کھانا پہنچانا، غرض اس قسم کے تمام امور جن کا تعلق رازداری سے تھا وہ سب خاندان صدیقی کے سپرد تھا،

حضرت سدر کائنات صلعم کو اپنے اس رفیق جان نثار کے ساتھ جو مخصوص نش و خلوص تھا اس کا آپ نے بارہا نہایت محبت آمیز پیرایہ میں اظہار فرمایا، چنانچہ وفات سے کچھ دنوں پہلے جو تقریر فرمائی اس میں ارشاد ہوا ابو بکرؓ اپنی صحبت اور مال کے لحاظ سے میرا سب سے بڑا محسن ہے اگر میں خدا کے سوا کسی کو اپنا دوست بنا سکتا، تو ابو بکرؓ کو بناتا لیکن اسلامی اخوت و محبت افضل ہے اس کے بعد حکم ہوا کہ ابو بکرؓ کے دروازہ کے سوا مسجد کے احاطہ میں جس قدر دروازے ہیں سب بند کر دیے جائیں، اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے پوچھا کہ مردوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو ارشاد ہوا ابو بکرؓ

اس غیر معمولی تقرب و رسوخ کی بنا پر صحابہ کرام جب آنحضرت صلعم کو برہم دیکھتے تھے تو انہی کی وساطت سے عفو و درگزر کی درخواست پیش کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ابو جہل بن ہشام کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا چونکہ یہ سدر کائنات صلعم کی مرضی کے خلاف تھا، اس لیے جب وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو روئے اؤپر برہنہی کے اتنا ر نمایاں تھے، یہ دیکھ کر حضرت علیؓ باہر چلے آئے اور حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لیکر پھر حاضر خدمت

ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو دیکھا تو چہرہ مبارک بشاش ہو گیا اور برہمی کے آثار جاتے رہے، اسی طرح ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلات معمول صبح سے شام تک خاموش رہے، اور جب عشاء کی نماز پڑھ کر کا شائہ اقدس کی طرف تشریف لے چلے تو گو صحابہ کرام کو اس غیر معمولی سکوت پر سخت غلغلا رہتا تھا ہم کسی کو زبان کھولنے کی جرأت نہ تھی، بالآخر سب نے حضرت ابوبکرؓ کو آگے بڑھایا، اور انھوں نے اس سکوت کی وجہ دریافت کی تو ارشاد ہوا کہ جو کچھ دنیا و آخرت میں ہونے والا ہے وہ سب آج میرے سامنے پیش کیا گیا تھا، اس کے بعد بالتفصیل قیامت کے واقعات بیان فرمائے،

اصابتِ رائے اور معاملہ فہمی کا یہ حال تھا کہ انھوں نے جس معاملہ میں جو سب دی وہ مقبول ہو کر رہی، رازداری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی راز کو بھی کبھی ظاہر ہونے نہ دیا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو اپنی صاحبزادی حفصہ کا پیغام دیا، سنکر خاموش ہو کر رہے اور جب کچھ دنوں کے بعد ہم حرم نبویؐ میں داخل ہو گئیں تو حضرت عمرؓ سے ملاقات کر کے کہا، شاید تم کو میری خاموشی ناگوار ہوئی ہو گی بولے کیون نہیں؟ فرمایا ”میں رسول اللہؐ کے ارادہ سے آگاہ تھا اور اس راز کو قبل از وقت ظاہر نہیں کر سکتا تھا، غرض انہی اوصاف نے حضرت صدیق اکبرؓ کو بارگاہِ نبوت میں سب سے زیادہ متمتع علیہ اور بارسوخ بنا دیا تھا، علم و فضل | حضرت ابوبکر صدیقؓ نے گو کسی مکتب میں باقاعدہ راز سے تلمذ نہ نہیں کیا تھا تاہم فطری جود و طبع اور دربارِ نبوت کی حاشیہ نشینی سے آسمانِ فضل و کمال پر مہر و خشان ہو کر چمکے، فصاحت و بلاغت میں کمال رکھتے تھے، ابتدا میں شاعری کا ذوق بھی تھا، لیکن اسلام کے بعد ترک کر دیا تھا، کبھی کبھی جذبات و خیالات خود بخود نظم و موزون کے

وہابی مشیہ النبی لیس مشیہا یصلی

میرا باپ فدا ہو یا یہ نبی سے مشابہ ہو؟
 علی سے مشابہ نہیں ہے،

ذوق سخن | اسلام کے بعد صرف اشعار سے دلچسپی رہ گئی تھی جن میں خدا کی عظمت و جلالت کا ذکر ہوتا تھا ایک مرتبہ لمبید نے یہ مصرعہ پڑھا اکل شئی ما خلا اللہ باطل یعنی خدا کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں نو فرمایا ”تمنے سچ کہا“ لیکن جب اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا وکل نعیم کا محالہ ذائل یعنی ہر نعمت یقیناً ذائل ہو جائے گی“ تو بولے غلط ہے خدا کے پاس بہت سی ایسی نعمتیں ہیں جو ذائل نہ ہوں گی۔“

حالتِ نزع میں حضرت عائشہؓ نے بیٹھی ہوئی یہ شعر پڑھ رہی تھیں،
 من لا یزال ومعه مقنعا فنامہ فی صرا لا مدق

فرمایا یہ نہ کہو بلکہ کہو

وَجَاءَتْ سَكَنَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَا السَّعَاءِ كُنْتُ مَعَهُ
 تُوْكَی اور شہر کا ٹھیکہ کرتا گیا اور یہ چیز جس سے تم بھاگتے تھے

انھوں نے اُسکے بعد دوسرا شعر پڑھا،

وایمن نیستی الغام بوجهه شمال الیتا می عصمه للارامل

گوراج کے چہرے سے ہلکی پانی طلب کرتا ہے

ہوئے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تھی۔“

تقریر و خطابت کا خلاصہ اور مکمل حاصل تھا، رسول اللہ صلیم کی وفات کے بعد

اور سیفہ بنی ساعدہ میں جو تقریریں کیں اُن کا تذکرہ گذر چکا ہے، اس سے برجستگی اور زور کلام کا اندازہ ہوا ہوگا، ان معرکہ الاراء تقریریں کے علاوہ ان کی عام تقریریں بھی نہایت پراثر ہوتی تھیں، ہم یہاں ایک تقریر کے چند فقرے نقل کرتے ہیں:

ابن الوصاة الحسنة وجوہم المعجوز	آج وہ حسین اور روشن اور دفر شباب سے حیرت میں
بنسبائهم ابن الملوك الذين	ڈالنے والے چہرے کمان ہیں آج بڑے بڑے شہر کے
بنو المدا عن وحسنوها ابن الذين	بلانے والے اور اُن کو قلعہ بند کرنے والے سلاطین
كلنا لعلنا الغلبة في من اطن الحرب	کہہ گئے آج بڑے بڑے غالب آئے والے مرد میدان
قد تضعض اركا نفهم حين اخي بهم	سور کیا ہوئے، ہر ذلنے کی گردشوں نے انکی توتیں
الدهر واصبحوا في طبقات القبور	پست کر دیں اُن کے بازو توڑ دیے اور قبر کی تاریکی
الوحا الوحا ثم النجا النجا !!	میں ہمیشہ کے لیے سو گئے،

تقریر کی حالت میں رقت طاری ہو جاتی تھی، ایک دفعہ ہنر پر تشریف لے گئے اور فرمایا میں جس جگہ کھڑا ہوں گذشتہ سال خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف فرما تھے، یہ کہہ کر زار و قطار رونے لگے، اس طرح ایک روز تین مرتبہ تقریر کا ارادہ فرمایا اور ہر مرتبہ ایک وجہ کہہ کر گلو گرفتہ ہو گئے،

نسب داق | علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا اس زمانہ کا سب سے بڑا پُر فخر و مایہ ناز علم تھا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس فن میں خصوصیت کے ساتھ کمال رکھتے تھے، حضرت جبیر بن مطعم جو طبقہ صحابہ میں سے بڑے سبب گذرے ہیں مندرجہ کرتے تھے کہ میں نے اس فن کو حضرت ابو بکر سے سیکھا ہے جو نسب انی کی حیثیت سے

تمام عرب میں منانے تھے؟

حضرت ابو بکرؓ کی نسب دانی سے اکثر موقعوں پر اسلام کو بھی فالمدہ پہونچا، آغاز نبوت میں آنحضرت صلیم تبلیغ و اشاعت کے لیے قبائل عرب میں تشریف لے جاتے تھے تو عموماً یہ بھی ہر کاب ہوتے اور اپنی نسب دانی کے باعث آپ کا لوگوں سے تعارف کراتے، حضرت حسان بن ثابتؓ قریش کی ہجو کیا کرتے تھے، ایک روز رسول اللہ صلیم نے ان سے بلا کر کہا کہ تم قریش اور ابوسفیان کی مذمت کرتے ہو کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں بھی قریشی ہوں اور ابوسفیان میرا بن عم ہے، انھوں نے کہا ”خدا کی قسم میں حضور کو اس سے علیحدہ کر لیتا ہوں جس طرح جو خیر سے الگ ہو جاتا ہے“ ارشاد ہوا کہ ابو بکر کے پاس جاؤ وہ انساب عرب میں سب سے زیادہ ماہر ہیں غرض اس روز سے وہ اس فن کی تعلیم کے لیے حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

تعبیر رویا | خواب کی تعبیر میں بھی خداداد ملکہ تھا، یہاں تک کہ صحابہ کرام آنحضرت صلیم کے بعد ان کو سب سے بڑا معجز سمجھتے تھے، اور اپنا اپنا خواب بیان کر کے تعبیر پوچھتے تھے، ایک دفعہ حضرت خالد بن سعیدؓ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے خواب دیکھا کہ وہ دکھتی ہوئی آگ کے کنارہ کھڑے ہیں اور ان کے والد ان کو اس میں جھونک رہے ہیں اسی اثناء میں سرور کاٹنا تشریف لاتے ہیں اور ان کی کمر بکڑ کر کھینچ لیتے ہیں، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس خواب کو سنا تو فرمایا ”خالد! تمہیں اس کے ذریعہ سے راہ حق کی ہدایت کی گئی ہے، تمہارا باپ تنگو کفر پر مجبور کرتا ہے، لیکن آنحضرت صلیم کی ابتاع تمہاری نجات کا باعث ہوگی۔“

حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلیم کی وفات سے کچھ پہلے خواب میں تین چاند اپنے

عمر بن حترے ہوئے دیکھے، انھوں نے حضرت ابو بکرؓ سے اس کا تذکرہ کیا تو وہ اس وقت خاموش ہو رہے، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور ان کے حجرہ میں مدفون ہوئے تو فرمایا "عائشہ! یہ تمھارے حجرہ کا پہلا اور سب سے بہتر جائزہ ہے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی اپنا خواب یا رویا بیان کر کے انھیں تعبیر کا حکم دیتے تھے، ایک دفعہ آپؐ نے دیکھا کہ چند سیاہ بھڑون میں بہت سی سفید رنگ کی بھڑونیں شامل ہوئیں حضرت ابو بکرؓ سے اس کی تعبیر پوچھی تو انھوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! سیاہ بھڑونیں عین ہن جو پہلے آپ کے متبع ہوئے پھر نہایت کثرت کے ساتھ عجمی جو سفید بھڑون کے رنگ میں ظاہر کئے گئے ہیں اسلام قبول کر کے ان میں شامل ہو جائیں گے" ارشاد ہوا "صحیح ہے فرشتہ آسمانی نے بھی یہی تعبیر کی تھی"

علم تفسیر | حضرت ابو بکر صدیقؓ چونکہ سفر، حضر، خلوت، اجلوت، جنگ و صلح غرض ہر موقع میں مضبوطی و اہمات کے شرف صحبت سے مستغنی ہوئے اور تمام امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیر خاص تھے اس لیے اسلامی علوم و فنون میں بھی قدرۃ ان کا پایہ سب سے بلند تھا، قرآن شریف اسلام کا اصل الاصول ہے، حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اس سے غیر معمولی شوق تھا، عموماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیات قرآن کی تفسیر پوچھا کرتے تھے، ایک دفعہ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ! اس آیت کے بعد کیا چارہ کار ہے؟

لَيْسَ بَأَمْرٍ مَا يَتَكَلَّمُ وَلَا آمَانِي أَهْلَ الْكِتَابِ (فلاح عاقبت، نہ تمھاری آرزو پر موقوف ہو نہ انہل کتاب کی آرزو پر بلکہ جو برا کام کر گیا وہ اس کی جزا ہی تھا، مَنْ يَغْلِبْ مَسْءَلًا يُجْزِبَهُ (شامی ۱۸۱))

کیا حقیقت ہم ہر بڑے کام کا بدلہ پاتے ہیں ارشاد ہوا "ابو بکر خدا تمھاری مغفرت کرے

سے موطا امام مالک ص ۸۰ سے تاریخ الخلفاء ص ۱۰۴

علم لسانی اور لہ
قوت و رسوں
العی

کیا تم بیاہنین ہوئے؟ کیا تمہیں کوئی رنج و صدمہ نہیں پہنچتا؟ اور کیا تمہیں کوئی مصیبت نہیں آتی؟ بولے کیوں نہیں؟ فرمایا یہ سب برائیوں ہی کا خمیازہ ہے

وہ ہر آیت کی شان نزول اور اس کے حقیقی مضمون سے آگاہ تھے، نیز مختلف موقعوں پر انھوں نے جو باریک نکتے حل فرمائے ہیں اُس سے ان کی دقیقہ سنجی کا اندازہ ہو سکتا ہے ایک مرتبہ مجمع عام میں فرمایا ”صاحبو! آپ قرآن شریف میں یہ آیت پڑھتے ہوں گے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اعْكُفُوا أَعْيُنَكُمْ عَنْ الْمَغْرِبِ وَالشَّرَاقِ وَالْجَنُوبِ وَالْمَشْرِقِ
اَنْفُسَكُمْ لَا تَبْصُرُكُمْ مَنْ ضَلَّ اِلْذَا
اھتدیتم (مائدہ ۱۴)

حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب لوگ ناپسندیدہ امر دیکھتے ہیں اور اس کی اصلاح کی فکر نہیں کرتے تو خدا کا عذاب سب کے لیے عام ہو جاتا ہے یعنی اس آیت سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دوسروں کی اصلاح کا خیال رکھنا ضروری نہیں ہے،

آیات قرآنی سے استدلال، استنباط احکام و تفریع سائل میں مجتہد ائمہ لکھ رکھتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو تقریر فرمائی اس میں برجستہ اس آیت سے انہی کی وفات پر استدلال لائے،

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاَنْتُمْ تَمَاتُوْنَ اَوْ قُلْتُمْ اِنَّا نَحْنُ الْغَالِبُ
یعنی محمد صرف رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر گئے کہا اگر وہ مجاہدین یا شیعہ ہیں تو تم اٹھ پاؤں پھر جاؤ گے

اس آیت نے بیکایک ایمان و اعتقاد کے متزلزل ستونوں کو مستحکم کر دیا اور لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے سے موجود ہی نہ تھی،

لے ان جریڈی
۱۶۳۰ء
دشدارک عالم
جلد ۱ صفحہ ۴۱
لے ان جریڈی
جلد ۱ صفحہ ۴۱

حضرت ابو بکرؓ بیمار ہوئے تو لوگوں نے پوچھا کہ طیب بلائیں؛ چونکہ مسئلہ وقت پر یہ نہایت شدت کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے بولے ”طیب نے مجھے دیکھ کر کہا ہے، انی فعال لما آتہ یعنی ارادہ خداوندی میں کوئی مانع نہیں ہو سکتا“

حدیث | حضرت ابو بکر صدیقؓ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف سواد برس زندہ رہے اس لیے ان سے مرفوع احادیث بہت کم مروی ہیں؛ علاوہ اس کے اس وقت تمام مائتہ نشینانِ بساہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بقیہ حیات تھے جن کی نگاہوں سے عہد نبوت کی کوئی بات پوشیدہ نہ تھی، اس بنا پر کثرتِ روایت کا کوئی موقع بھی نہ تھا، تاہم انھوں نے جانشینِ رسولؐ کی حیثیت سے ان احادیث کو جن کا تعلق ضروری مسائل سے تھا خاص طور پر شہرت دی، مثلاً نصابِ زکوٰۃ کا مفصل ہدایت نامہ تمام ملک میں شائع کیا اور حکم دیا کہ اگر کوئی عامل اس سے زیادہ طلب کرے تو نہ دیا جائے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام اہم مواقع پر خلیفہ اول ہی کے معلومات نے مسلمانوں کی رہبری کی، سنیہ نبوی سادہ میں خلافت کا جھگڑا جب خوفناک حد تک پہنچ گیا تو سب سے پہلے انھیں نے الامتہ میں قریش کی حدیث پیش کی جس نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کا سوال پیدا ہوا تو صدیق اکبرؓ ہی نے اس عقدہ کو حل کیا اور فرمایا ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ انبیاءؑ کی جائے وفات ہی ان کا دفن ہے“

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ جائیداد میں میراث طلب کی تو سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ حدیث پیش کی، کا نودت ما متروکنا صدقاتہ یعنی ہمارے مال میں ارث جاری نہ ہوگا، اہل بیتؑ متروک وقت سے

بعد کو دوسرے صحابہؓ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی، غرض وہ دربارِ نبوت میں اپنے مخصوص تقرب کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، طرزِ عمل اور ان کے اسباب و علل سے قدرہٗ زیادہ باخبر تھے،

امامتِ اجتہاد | امامت یا خلافت گو نبوت ہی کا ایک پرتو ہے تاہم دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سند نشین خلافت ہونے کے ساتھ ہی اس فرق کو جمہورِ مسلمانوں پر ظاہر کر دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے نیز خدا نے ان کو وحی سے ممتاز فرمایا تھا اور میں ایک معمولی انسان ہوں، اس لیے اگر تم مجھے راہِ راست پر دیکھو تو اتباع کرو اور اگر گم ہو جاؤ تو سیدھا کر دو،

حضرت ابوبکرؓ نے نبوت و خلافت کی اس تفریق کو علما کا علم رکھا اور کبھی ان اختیارِ ادا و تکلیف سے کام نہیں لیا جو صرف انبیاء کے لیے مخصوص ہیں، ایک دفعہ ایک مسلمان پر سخت برہم ہوئے، حضرت ابوبکرؓ نے سلمیٰ نے انکے پیچھے دیکھ کر عرض کی یا خلیفہ رسول اللہؐ اس کی گردن اڑا دیجئے، حضرت ابوبکرؓ نے قتل کا نام سنا تو خاموش ہو گئے، کچھ دیر کے بعد غصہ فرو ہوا تو ابوبکرؓ سے بلا کر پوچھا ”اگر میں اس کو قتل کرنے کا حکم دیتا تو کیا تم واقعی اُسکو مار ڈالتے، بولے ہاں، فرمایا ”خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو یہ (شرافت) حاصل نہیں ہے“ اسی طرح کسی نے خلیفۃ اللہ لکھ کر مخاطب کیا تو بولے ”مجھے خلیفۃ اللہؐ کو، میں نائبِ خدا نہیں بلکہ نائبِ رسول ہوں اور یہی میرے لیے بس ہے، غرض خلیفہٗ اول کا یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ انھوں نے خلافت و نبوت کی سرحدیں الگ کر دیں درجہٗ صریح عدم تفریق و امتیاز نے سلمیٰ سند احمد بن حنبل جلد ۲۰ صفحہ ۲۰ و تاریخ الخلفاء صفحہ ۶۸ ۷۰ ابوداؤد کتاب الحد و باب حکم فی النبیؐ سلمیٰ امتیاع تذکرہ ابوبکرؓ

الوہیت و نبوت کے ڈانڈے ملا دیے ہیں اور دنیا کی اکثر قوموں نے انبیاء علیہم السلام کو مظاہرِ خداوندی تصور کر لیا ہے، اس طرح خلافت و نبوت کی حدود میں بھی انبیاء و مشوار ہو جانا،

اصول اجتہاد | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کا سب سے بڑا فرض استنباط احکام و تفریع مسائل کی ایک عام شاہراہ قائم کرنا اور مذہبی دفتر کو اصولی حیثیت سے منضبط و مرتب کرنا تھا، خلیفہ اول نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا وہ آج بھی شریعتِ غزوان کا سنگِ اساس ہو چکا ہے۔ نصوصِ شرعیہ کی درجہ بدرجہ ترتیب اور اجماع کا طریقہ اسی ذاتِ گرامی سے ظہور میں آیا۔ سند دارمی میں ہے،

کان ابو بکر اذا رد علیہ الختم نظر فی	حضرت ابو بکرؓ کی عدالت میں جب کوئی مقدمہ پیش
کتاب اللہ فان وجد فیہ ما یقضی بینہم	ہوتا تھا تو پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتے اگر نہ متنازعہ
قضی بہ وان لم یکن فی الکتاب وعلمہ	کے متعلق اس میں کوئی حکم ہوتا تو اسکے مطابق فیصلہ کرتے
من رسول اللہ صلعم فی ذالک الامر منہ	ورنہ سنتِ رسول کی طرف رجوع کرتے اور جب اس سے بھی
قضی فیہ اعیانہم فسال المسلمین،	کار بر آری نہ تو تو مسلمانوں سے سوال کرتے،

قیاسی مسائل سے غوت | قیاسی مسائل یا نصوصِ قرآنی میں اپنی رائے کو دخل دینے سے محترز رہتے اور فرماتے کہ میں اگر کتاب اللہ یا ما معلوم مسائل میں خواہ مخواہ رائے زنی کروں تو کون زمین میرا بار اٹھائے گی اور کون آسمان مجھے سایہ دیگا؟ حضرت ابنِ سیرین فرماتے ہیں کہ ما معلوم مسائل میں ابو بکرؓ سے زیادہ کوئی خائف نہ تھا، تاہم ضرورت کے وقت قیاس سے کام لینے پر مجبور تھے، ایک دفعہ ایک ایسا مقدمہ پیش ہوا جس کے متعلق نہ قرآن میں لے ملقات ابنِ سعد جلد ثالث قسم اول ص ۶۶،

کوئی تصریح تھی نہ آنحضرت صلعم کے طرز عمل سے مدد ملتی تھی مجبوراً قیاس سے کام لینا پڑا لیکن اس کے ساتھ ہی فرمایا یہ میری رائے اگر صحیح ہے تو منجانب اسد ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے ہے، میں خدا سے طالب مغفرت ہوں،

ایک قیاسی مسئلہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے قیاسی مسائل میں سب سے زیادہ مشہور دادا کی وراثت کا مسئلہ ہے ہم اسکو بالتفصیل درج کرتے ہیں اس سے ان کی اجتہادی قوت کا اندازہ ہوگا،

اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی میت وراثت میں صرف دادا اور بھائی بہن چھوڑے یعنی اصول میں باپ اور فروغ میں کوئی انبی اولاد نہ ہو تو مستحق وراثت کون ہوگا، دادا یا بھائی بہن؟ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور ان کے ساتھ تقریباً چودہ صحابہ کرام جن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ وغیرہ شامل ہیں دادا کو باپ کے مرتبہ میں قرار دیکر بھائی بہن کو محبوب الارث سمجھتے ہیں لیکن صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت اس سے اختلاف رکھتی ہے اور بھائی بہن کو اصل وارث قرار دیتی ہے، یہ اختلاف درحقیقت لفظ کلام کی تشریح پر مبنی ہے، کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے،

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِنُكُمْ فِي الْكُلّٰلِ
اِنَّ اَهْلًا وَّهَلَكَ فَلْيُوْصِيَ لَهُ وَاَلَا وَلَدًا اُخْتُ
فَاِلَھَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَھُوَ بِرَحْمٰتِہَا
اِنَّ لَّکُمْ لَکُنٰتَھَا وَلَدًا (نساء ۲۴)

لوگ تم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں تو کہہ دو کہ امد کلا کے بارہ میں تم کو حکم دینا ہوگا اگر کوئی ایسا مرد جائے جسکی اولاد نہ ہو اور اسکی ایک بہن ہو تو اس کو ترکہ آدھا ملے گا اور بہن (مجاہد اور) اس کی اولاد نہ ہو تو وہ اس کا

دارث ہوگا،

اس آیت میں گو باپ کی کوئی تصریح نہیں ہے تاہم اس حد تک سب کا اتفاق ہے

کہ کلام کی صورت میں باپ کا ہونا ضروری ہے، لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ کا دادا کا نہ ہونا بھی ضروری قرار دیتے تھے، اور اس آیت سے استدلال لاتے ہیں،

وَلَوْ كُنْتَ إِخًا لَأَخْتٍ لِّكَ مِنْ دُونِ أَبِيكَ إِذَا هُوَ فِي الْبَيْتِ (احزاب ۴۲)
اگر کسی ایسے مرد یا عورت کی ہراث ہو جس کے (اصول و فروع میں) کوئی نہ ہو اور (دوسری بات ہے) بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کچھٹا جھٹھٹے گا،

اس آیت میں علاقائی بھائی بہنوں کی وراثت کا تذکرہ ہے اور یہاں بالاتفاق کلام کے یہ معنی ہیں کہ میت کے اصول و فروع میں کوئی نہ ہو یعنی اگر میت کا دادا موجود ہوگا تو وہ کلام نہ ہوگا اور علاقائی بھائی بہن محبوب الارث ہوں گے اس بنا پر کوئی وجہ نہیں ہے کہ کلام کی یہی تشریح زیر بحث مسئلہ میں بھی قائم نہ رہے اور بلا وجہ اس کے معنی میں تفریق کی جائے،

اخلاق و عادات

حضرت ابو بکر صدیقؓ فطرۃ اخلاق حمیدہ سے متصف تھے ایام جاہلیت میں عفت، پارسائی، رحمہلی، راستبازی اور دیانت داری ان کے مخصوص اوصاف تھے، یہی وجہ کہ زمانہ جاہلیت میں دینت کی تمام رقم بھین کے پاس جمع ہوتی تھی، خزانچہ داری، فست و فخر گو اس زمانہ میں عالمگیر تھا تاہم ان کا دامن عفاف کبھی ان دھبوں سے داغدار نہیں ہوا، فیاضی، مفلس و بینوائی کی دست گیری، قرابت داروں کا خیال، مہمان نوازی، مصیبت زدوں کی اعانت، غرض اس قسم کے تمام عاقلانہ و محامدانہ پہلے ہی سے موجود تھے، شرف ایمان نصیب ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے ان اوصاف کو اور بھی چمکا دیا،

تقویٰ درع و تقویٰ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے معدن اخلاق کا سب سے درخشان گہر ہے ایک دفعہ ایام جاہلیت میں ایک شخص کسی نامعلوم راستہ سے لے چلا اور بولا "اس راہ میں ایسے آوارہ نش و بد معاش رہتے ہیں کہ اس طرف سے گزرنے میں بھی حیا و منکبر ہوتی ہے" یہ سنا تھا کہ زمین نے پاؤں پکڑ لیے اور یہ کہہ کر لوٹ آئے "میں ایسے شرناک راستہ سے نہیں جا سکتا"

ایک دفعہ آپ کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز لا کر پیش کی جب تناول فرمایا تو اُنھوں نے کہا "آپ جانتے ہیں یہ کس طرح حاصل ہوا؟" فرمایا "بیان کرو" بولے "میں نے جاہلیت میں ایک شخص کا فال کھو لیا تھا، فال کھولنا تو جانتا تھا صرف اس کو دھوکا دیا تھا، لیکن آج اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے اس کے صلیب میں یہ کھانا دیا" یہ سرگزشت سنی تو منہ میں انگلی ڈال کر جو کچھ کھایا تھا سب قے کر دیا، فرمایا کرتے تھے کہ جو جسم اکل حرام سے پرورش پاتا ہے، جہنم اس کا بہترین مسکن ہے

حضرت عائشہؓ کے گھر میں عید کے روز انصار کی دو لڑکیاں جنگِ بعات کے تاریکی میں شعار گارہی تھیں آنحضرت صلیمؐ منہ پھیر کر فریاد پر اسراحت فرماتے، اس حالت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ تشریف لے آئے تو اُن کے کمالِ انتہا نے اس کو بھی ناپسند کیا، حضرت عائشہؓ نوڈانٹ کر بولے "رسول اللہ صلیمؐ کے سامنے یہ مزمارِ شیطان؟" لیکن آنحضرت صلیمؐ نے فرمایا "ابو بکر! انھیں گانے دو، ہر قوم کے لیے عید ہے اور یہ ہماری عید ہے"

انسان کا کمالِ افتادہ ہے کہ جس طرح اس کے اعضا و جوارح اعمالِ شنیعہ و افعال ناپسندیدہ سے مجتنب رہتے ہیں اور اس کا دل تخیلاتِ باطلہ سے محترز رہتا ہے اسی طرح

اس کی زبان بھی کبھی کلماتِ نالائم سے آلودہ نہ ہونے پائے، حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ورع و تقویٰ اسی انتہائے کمال پر تھا، کہ ورشتہ دنا لائم الفاظ سے ہمیشہ پرہیز فرماتے، اگر اتفاقاً غیظ و غضب کی حالت میں کوئی سخت کلمہ زبان سے نکل جاتا تو نہایت مذمت و نیشانی ہوتی اور جب تک اسکی تلافی نہ جاتی چین نہ آسا، ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ سے کوئی نزاع درپیش تھی، انتہائے گفتگو میں کوئی سخت جملہ زبان سے نکل گیا، لیکن خود ہی مذمت و منکیر ہوئی اور نہایت اصرار کے ساتھ عفو خواہ ہوئے، حضرت عمرؓ نے انکار کیا تو ان کی پریشانی کی کوئی انتہاء تھی، اسی وقت دامن اٹھائے ہوئے آتائے نبوت پر حاضر ہوئے اور وجہ پریشانی بیان کی، آنحضرت صلم نے ان کو تین مرتبہ اس بشارت سے طمانیت دی، ”ابو بکر! خدا تمھیں بخشدیگا، ابو بکر! خدا تمھیں بخشدیگا، اسی اثناء میں حضرت عمرؓ کو بھی اپنے انکار سے مذمت ہوئی اور حضرت ابو بکرؓ کو ان کے مکان پر تلاش کرتے ہوئے دربار نبوت میں حاضر ہوئے ان کو دیکھ کر حضورؐ پر نور کا چہرہ متغیر ہونے لگا، حضرت ابو بکرؓ نے یہ تیرودیکھتے تو دو زانو بیٹھ کر التجا کی ”یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں ہی ظالم تھا، میری ہی زیادتی تھی“ اس طریقہ سے گو غیظ و غضب کی طغیانی فرد ہو گئی تاہم ارشاد ہوا ”میں مبعوث ہوا تو تم سب نے مجھے جھٹلایا، لیکن ابو بکرؓ نے تصدیق کر کے جان و مال سے میری غمخواری کی کیا تم اس کو مجھ سے چھڑا دو گے؟“

حضرت ربیعہ بن جعفرؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ میں ایک درخت کیلئے باہم اختلاف ہوا، حضرت ابو بکرؓ نے اثنائے بحث میں کوئی ایسا جملہ کہہ دیا جو ان کی ناگواری کا باعث ہوا، لیکن جیسے ہی غصہ فرد ہوا کہنے لگے ”ربیعہ! تم بھی مجھے کوئی ایسی ہی سخت بات کہہ دو، انھوں نے

انکار کیا تو دربار نبوت میں حاضر ہوئے، حضرت ربیعہ بھی ساتھ تھے، حضور انورؐ نے مفصل رویداد سن کر فرمایا ”ربیعہ! تم کوئی سخت جواب نہ دو، لیکن یہ کہہ دو غفر اللہ لک یا ابوبکر یعنی ابوبکر! خدا تمہیں ساف کر دے“ حضرت ابوبکرؓ پر اس واقعہ کا اس قدر اثر تھا کہ زار قضا رو رہے تھے اور آنکھوں سے سیل اشک روان تھا،

زہرا امارت، دنیا طلبی، دجاہ پسندی سے قطعی نفرت تھی، خلافت کا بار گران بھی محض امت مرحومہ کو تفریق و اختلاف سے محفوظ رکھنے کے لیے اٹھایا تھا ورنہ دل سے اس ذمہ داری کے ستمی نہ تھے، انھوں نے بارہا اپنے خطبوں میں اس حقیقت کی تصریح فرمادی تھی اور اعلان کر دیا تھا کہ اگر کوئی اس بار کو اٹھانے کیلئے تیار ہو جائے تو وہ نہایت خوشی کے ساتھ سبکدوش ہو جائیں گے“

حضرت رافعؓ طائی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے کہا کہ آپ سن ربیعہ بزرگ ہیں مجھے کچھ وصیت فرمائیں ہوئے ”خدا تم پر رحمت و برکت نازل فرمائے، نازین پڑھو روزے کھو، زکوٰۃ دو، حج کرو اور رب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ کبھی امارت مسیادت نہ قبول کرو، دنیا میں امیر کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے، نیز قیامت کے روز اس کا محاسبہ نہایت سخت ہوگا اور عجل زیادہ طویل ہوگی“

ایک مرتبہ انھوں نے پینے کے لیے پانی مانگا لوگوں نے پانی اور رشد لاکر پیش کیا، لیکن جیسے ہی منہ کے قریب لے گئے بے اختیار آنکھوں سے آنسو بھر آئے اور اسقدر روتے کہ تمام حاضرین پر رقت طاری ہو گئی جب کسی قدر سکون ہوا تو لوگوں نے گریہ و زاری کی وجہ پوچھی ہوئے، ”ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، آپ کسی چیز کو دو دو رکھ رہے تھے

سبحان اللہ

مذکورہ آیت اور اس کے تحت لکھی ہوئی عبارتیں جو اس کتاب کے تحت لکھی گئی ہیں وہ صرف اس کتاب کے لیے ہیں اور اس کے بعد لکھی گئی عبارتیں اس کتاب کے لیے نہیں ہیں۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا چیز ہے جسکو دور فرما رہے ہیں مگر تو کچھ نہیں دیکھتا، ارشاد ہوا کہ ظاہر فریب دنیا مجھ نہ کر میرے سامنے آئی تھی، میں نے اُسکو دور کر دیا، اُسوقت یکایک مجھے یہ واقعہ یاد آگیا اور ڈرا کہ شاید میں اُس کے دامِ تزویر میں پھنس جاؤں، حضرت ابو بکرؓ نے اپنی تمام دولت راہِ خدا میں لٹا دی، یہاں تک کہ زمانہ خلافت میں ان پر بیت المال کا چھ ہزار درہم قرض چڑھ گیا، لیکن بے نیازی دیکھو کہ مسلمانوں کا ایک جہت بھی اپنی ذات پر صرف کرنا یا اولاد کے لیے چھوڑ جانا گوارا نہ ہوا، وفات کے وقت وصیت فرمائی تو سب سے پہلے یہ فرمایا کہ میرا فلان بارغ بیکر بیت المال کا قرض ادا کر دیا جائے اور میرے مال میں جو چیز فاضل نظر آئے وہ عمر بن الخطاب کے پاس بھیج دی جائے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وفات کے بعد جائزہ لیا گیا تو صرف خیرین زیادہ نکلیں ایک غلام، ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں، چنانچہ یہ تمام چیزیں اسوقت حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی گئیں، خلیفہ دوم کی آنکھوں سے عبرت کے آنسو نکل آئے، رو کر بولے ”ابو بکر! خدا تم پر رحم کرے، تم نے بس از مرگ بھی زہد کا دامن نہ چھوڑا اور کسی کو نکتہ چینی کا موقع نہ دیا“

تواضع نہایت متواضع اور خاکسار تھے اور کسی کام سے اُن کو عار نہ تھا، بسا اوقات بھیڑ بکریاں تک خود ہی چرا لیتے اور محلہ والوں کی بکریاں دودھ دیتے تھے چنانچہ منصبِ خلافت کیلئے جب اُن کا انتخاب ہوا، تو سب سے زیادہ محلہ کی ایک لڑکی کو فکر لاحق ہوئی اور اُس نے تاسف آمیز لہجہ میں کہا ”اب ہماری بکریاں کون دودھے گا“ حضرت ابو بکرؓ نے سنا تو فرمایا خدا کی قسم! میں بکریاں دوہوں گا، امید ہے کہ خلافت مجھے

مخلوق کی خدمتگزاری سے باز نہ رکھے گی۔

حضرت ابو بکرؓ کی تجارت کرتے تھے، خلیفہ منتخب ہونے کے بعد بھی معمول کندھے پر کپڑوں کے تھان رکھ کر بازار کی طرف روانہ ہوئے، راہ میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا ”یا خلیفہ رسول اللہ! کہاں؟“ بولے ”بازار“ انھوں نے کہا ”اب آپ مسلمانوں کے حاکم ہیں، چلیے، ہم آپ کے لیے کچھ عطیہ مقرر کر دیں گے۔“

دارالخلافت سے کوئی فوجی مهم روانہ ہوتی تو حضرت ابو بکرؓ ضعف و کبرسنی کے باوجود دودھ پا پیادہ ساتھ جاتے، اگر کوئی افسر تعظیماً گھوڑے سے اترنا چاہتا تو روک کر فرماتے ”ہمیں کیا مضائقہ ہے اگر میں تھوڑی دور تک راہ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کر دوں؟“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”جو پاؤں راہ خدا میں غبار آلود ہوتے ہیں خدا اُن پر جہنم کی آگ حرام کر دیتا ہے۔“

عجز و تواضع کی انتہا یہ تھی کہ لوگ جانشین رسولؐ کی حیثیت سے تعظیم و توقیر کرتے تو آپ کو تکلیف ہوتی، اور فرماتے کہ ”مجھے لوگوں نے بہت بڑھا دیا ہے، کوئی مع و ستائش کرتا تو فرماتے ”اے خدا تو میرا حال مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور میں اپنی کیفیت ان لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں، خدا یا تو اُن کے حسن ظن سے مجھے بہتر ثابت کر، میرے گناہوں کو بخشد اور لوگوں کی بجا تعریف کا مجھ سے مواخذہ نہ کر“ غایت تواضع سے تکبر و غور کی علامات سے بھی خوف زدہ ہو جاتے، ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تکبر سے اپنا کپڑا کھینچتے

سے طبقات ابن سعد قسم اول جز ثلث صفحہ ۱۳۷ ایضاً ۳۷ طبری ۱۰۰۱۸ سند داری

باب فضل التبار فی سبیل اللہؐ اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۷

ہوے چلتا ہے قیامت کے روز خدا اس کی طرف نگاہ نہ کرے گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی "میرا دس بھی کبھی کبھی لٹک جاتا ہے" ارشاد ہوا کہ تم تکبر سے ایسا نہیں کرتے۔
 اتفاق فی سبیل اللہ | مال و دولت اگر صحیح مصرف اور مناسب موقع پر صرف ہو تو اس کی قدر و قیمت غیر متناہی ہو جاتی ہے، روٹی کا ایک خشک ٹکڑا شدت گرنگی میں خوانِ نعمت ہے، لیکن آسودگی میں خوانِ نعمت بھی بے حقیقت شے ہیں یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے اپنے جان و مال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کی ہے اُن کو قرآن کریم نے مخصوص عظمت و فضیلت کا سత్حق قرار دیا ہے،

كَامِنَتْ لِي مِنْكُمْ مَنِ اتَّقَى مِنْ تَبَلٍ
 الْقَوْمَ دَفَعْتُ لَكَ اَوْ لِيْكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً
 مِنَ الَّذِينَ اتَّقَوْا مِنْ بَعْدِ وَقَاتِلُوا
 (سورہ حدید رکوع ۱)

تم میں وہ لوگ جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے خدا کی راہ میں خرچ کیا اور لڑے وہ (دوسرے مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے بلکہ یہ اُن لوگوں سے درجہ میں بڑے ہیں جنھوں نے بعد فتح مکہ خرچ کیا اور لڑے)

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس قبول اسلام کے وقت چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے، انھوں نے یہ تمام دولت راہِ خدا میں صرف کر دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا اس فیاضی کے بر محل ہونے کا اعتراف فرمایا،

مَا نَفَعَنِي مَالٌ مَّا نَفَعَنِي مَالٌ ابِيْ بَكْرٍ
 اس فیاضی کے ساتھ اخلاص کا یہ عالم تھا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بطور لشکر و اتھان فرماتے،

اِنَّهٗ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ اَحَدٌ اَمَنَ عَلَيَّ فِي
 یعنی جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابو بکر سے زیادہ

فسدہ و مالدہ من ابی جبر کسی کا احسان نہیں

تو آبدیدہ ہو کر عرض کرتے ”یا رسول اللہ جان و مال سب حضور ہی کے لیے ہے“

آغاؑ سلام میں جن لوگوں نے داعی توحید کو لبیک کہا تھا ان میں ایک بڑی

تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجہ ستم میں گرفتار تھی حضرت ابو بکرؓ نے اکثر دن کو آزاد کرایا جن میں بعض کے نام یہ ہیں

بلالؓ عامر بن نفیرہؓ نذیرہؓ جاریہ بنی مولیٰؓ ہندیہؓ بنت ہندیہ وغیرہم

حضرت ابو بکر صدیقؓ صدقات و خیرات میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے حضرت عمرؓ نے

بارہا ساقبت کی کوشش کی لیکن وہ کبھی اُن کے مقابلہ میں کامیاب نہوے، ایک مرتبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو صدقہ نکالنے کا حکم دیا، حضرت عمرؓ کے پاس اس وقت معمول

سے زیادہ سرمایہ موجود تھا، انھوں نے خیال کیا کہ آج ابو بکرؓ سے سبقت لجانے کا موقع ہے

غرض وہ اپنا نصف مال اُستائے نبوت پر حاضر ہوئے، آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا کہ تم نے

اہل و عیال کے لیے کس قدر رہنے دیا ہے؟ بولے ”اسی قدر“ لیکن حضرت ابو بکرؓ اپنا کل سرمایہ

لائے تھے اس لیے جب اُن سے سوال ہوا تو انھوں نے عرض کی ”اُن کے لیے خدا اور

اس کا رسول ہے“ اس ایشارہ و قربانی پر حضرت عمرؓ کی آنکھیں کھل گئیں بولے ”اب میں

کبھی ان سے سبقت نہیں لجا سکتا“

صدقات میں انصار و انصار دونوں جائز ہے ان مند دا الصدقات فنعما ہی وَا

تخفوها و اتقوا الفقراء و نحو خیر لکم لیکن انصار میں ریاء و تفاخر کا امکان ہوا اس لیے

حضرت ابو بکر صدیقؓ انصار کا خاص لحاظ رکھتے تھے، نیز ہمیشہ یہ خیال رکھتے تھے کہ انکی

تمام کائنات خدا کی امانت و ودیعت ہے، چنانچہ ایک دفعہ نہایت مخفی طور پر صدقہ لیکر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ”یا رسول اللہ! اس کے علاوہ خدا کی اور امانت بھی میرے پاس ہے۔“

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی فیاضی کا سلسلہ آخری لمحہ حیات تک جاری رہا یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی آپ نے فرائد مساکین کو فراہم کرنا فراموش نہ کیا اور اپنے مال میں ان کے لیے ایک خمس کی وصیت فرمادی،

خدمت گزاری خلق | خلق اللہ کی نفع رسانی اور خدمتگزاری میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا اکثر محلہ والوں کا کام کر دیتے، بیماروں کی تیمارداری فرماتے اور اپنے ہاتھ سے ضعیف و ناتوان اشخاص کی خدمت انجام دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، اطوار میں ایک نہایت ضعیف و نابینا عورت تھی، حضرت عمر فاروقؓ روز علی الصبح اس کے جھوٹے سین جا کر ضروری خدمات انجام دیتے تھے، کچھ دنوں کے بعد انھوں نے محسوس کیا کہ کوئی شخص ان سے پہلے اس کا رثواب سے بہرہ یاب ہو جاتا ہے، ایک روز بنظر کفہ کچھ رات رہتے ہوئے آئے تو دیکھا کہ خلیفہ رسول یعنی ابو بکر صدیقؓ اس ضعیفہ کی خدمت گزاری فرما رہے ہیں، اس پر غصہ ہو کر جھوٹے سے نکل رہے ہیں، بولے ”اے عمر! تیری یا خلیفہ رسول اللہ“ قسم ہے کیا رو آپ ہی سبقت کر جاتے ہیں“

ذہبی زندگی | حضرت ابو بکرؓ رات رات بھر نازیں پڑھتے، دن کو اکثر روزے رکھتے، خصوصاً موسم گرما روزوں ہی میں بسر ہوتا، خضوع و خشوع کا یہ عالم تھا کہ نازین لکڑی کی طرح بے حس و حرکت نظر آتے، رقت اس قدر طاری ہوتی کہ روتے روتے چپکی بندھ جاتی تھی، نونہ عشر

و عبرت پذیری کا یہ حال تھا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ اُن کے لیے سرمایہ عبرت تھا، کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو کہتے کاش! میں درخت ہی ہوتا کہ عاقبت کے جھگڑوں سے چھوٹ جانا کسی باغ کی طرف گزرتے اور چڑیوں کو چھپاتے دیکھتے تو آہ سرد کھینچ کر فرماتے ”پرندو! تمہیں مبارک ہو کہ دنیا میں چرتے چلکے ہو، درخت کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت میں تمہارا کوئی حساب کتاب نہیں کاش! ابو بکر بھی بھاری طح ہوتا۔“

قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور اس قدر چھوٹ چھوٹ کر روتے کہ اس لباس کے تمام لوگ جمع ہو جاتے، نرم دلی اور رقت قلب کے باعث بات بات پر آہ سرد کھینچتے تھے، یہاں تک کہ ”آدہ منیب“ اُن کا نام ہو گیا تھا۔

نیکوکاری و حصول ثواب کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا ”آج تم میں روزہ سے کون ہے؟“ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی ”میں ہوں!“ پھر فرمایا آج کسی نے جنازہ کی مشامت کی ہے؟ کسی نے سکین کو کھانا دیا ہے؟ اور کسی نے مریض کی عیادت کی ہے؟ صرف حضرت ابو بکرؓ نے اثبات میں جواب دیا، ارشاد ہوا کہ جس نے ایک دن میں اس قدر نیکیاں جمع کی ہوں وہ یقیناً جنت میں جائیگا۔

خانگی زندگی | حضرت ابو بکرؓ نبویؐ کی محبت سے رکھتے تھے، خصوصاً ام المومنین حضرت عائشہؓ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، انھوں نے نواحِ مدینہ میں اپنی ایک جاگیر مخصوص طور پر بیکو ہبہ کر دی تھی، لیکن وفات کے وقت خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوگی اس لیے ان کو بلا کر فرمایا ”جان پر فلاں دامت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے زیادہ محبوب رہی ہو لیکن جو جاگیر میں نے تمہیں دی ہے اس میں تم اپنے دوسرے

رسول کا نام نہ لیں
ہوئے حضرت عائشہؓ
جاگیر میں اولاد نہ
ملی نہ کرے جسے

بھائی بہنوں کو شریک کر لو، اُنھوں نے وفات کے بعد حسب وصیت جائز تقسیم کر دی
 همان نوازی | نہایت همان نواز تھے، چنانچہ ایک مرتبہ شب کے وقت چند اصحاب صفہ
 اُن کے همان تھے، اُنھوں نے اپنے صاحبزادہ عبدالرحمن کو ہدایت فرمائی کہ میں آنحضرت
 صلعم کی خدمت میں جاتا ہوں تم میرے واپس آنے سے پہلے اُن کی همان نوازی سے
 فارغ ہو جانا، حضرت عبدالرحمن نے حسب ہدایت اُن کے سامنے حاضر پیش کیا لیکن اُنھوں
 نے صاحب خانہ کی غیر موجودگی میں کھانے سے انکار کر دیا، اتفاق سے حضرت ابو بکر صدیق
 بہت دیر کے بعد تشریف لائے اور یہ معلوم کر کے کہ همان اب تک بھوکے بیٹھے ہیں اپنے
 صاحبزادہ پر نہایت براہم ہوئے اور بڑا بھلا لکھ کر کہا ”واللہ! میں اس کو آج کھانے میں
 شریک نہیں کروں گا“ حضرت عبدالرحمن ڈر سے مکان کے ایک گوشہ میں چھپ رہے تھے
 وہ کسی قدر جرات کر کے سامنے آئے اور بولے ”آپ اپنے ہماون سے پوچھ لیجئے کہ میں نے
 کھانے کے لیے اصرار کیا تھا، ہماون نے اس کی تصدیق کی اور کہا ”خدا کی قسم! جب تک
 آپ عبدالرحمن کو نہ کھلائیں گے ہم لوگ بھی نہ کھائیں گے“ غرض اس طرح غصہ فرو ہو گیا، اور
 دسترخوان بچایا گیا، حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت
 نازل ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جلتے تھے لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ ہمیں سے
 کچھ آنحضرت صلعم کی خدمت میں بھیج دیا گیا،

لباس و غذا | طرز معاش نہایت سادہ تھا، موٹے جھوٹے کپڑے استعمال فرماتے تھے، دسترخوان
 بھی پُر تکلف نہ تھا، خلافت کے بعد یہ سادگی زیادہ ترقی کر گئی تھی، چنانچہ وفات کے وقت
 اُنھوں نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا ”جب سے خلافت کا بار میرے سر پر آیا ہے میں نے

معمولی سے معمولی غذا اور موٹے جھوٹے کپڑے پر قناعت کی ہے مسلمانوں کے مال میں سے میرے پاس ایک حبشی غلام، ایک اونٹ اور اس پرانی چادر کے سوا اور کچھ نہیں ہے میرے بعد یہ تمام چیزیں عمر بن الخطاب کو واپس دیکر ان سے بری ہو جانا^۱

حضرت ابو بکرؓ نے چونکہ اپنی تمام دولت اسلام پر نثار کر دی تھی اس لیے عسرت و ناداری کے باعث بارہادو دو، تین تین وقت فاقے سے گزر جاتے تھے، ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت عمرؓ کو مسجد میں بھوک سے بے قرار دیکھا، فرمایا ”میں بھی تمھاری طرح سخت بھوکا ہوں“ حضرت ابوالہیثم انصاریؒ کو معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے گھر پر کھانے کی دعوت دی،

ذریعہ معاش تجارت اصلی ذریعہ معاش تھی فرماتے ہیں کہ میں قریش میں سب سے بڑا اور متمول تاجر تھا، عبدالسلام میں بھی یہی مشغلہ جاری رہا، اور مال تجارت لیکر دور دراز ممالک کا سفر اختیار فرمایا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال پہلے تجارت کے خیال سے بصری تشریف لے گئے تھے،

خلافت کا مارجب سر پر آیا تو قدہ ان کا تمام وقت مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے وقف ہو گیا، ان پر صحابہ کرامؓ نے مشورہ کیے روزانہ آدھی بکری کا گوشت اور اونٹنے اور انکے اہل عیال کو کپڑے اور کھانے مقرر کر دیئے، حضرت ابو بکرؓ نے اسکو منظور کر کے فرمایا ”قوم جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل و عیال کی حاجت ردائی سے قاصر نہ تھا، لیکن اب جبکہ مسلمانوں کے کام میں مشغول ہوں تو ابو بکرؓ کا خاندان حسب ضرورت ان کے مال سے کھائیگا، اور ان کا

سے طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۹، مطا امام مالک ج ۳ ص ۳۷۱ سنن ابن ماجہ کتاب الادب

کام کرے گا،

ابن سعد نے وظیفہ کی تفصیل یہ بیان کی، کہ ان کو دو چادرین ملتی تھیں جب وہ پُرانی ہو جاتی تھیں تو انھیں واپس کر کے دوسری لے لیتے تھے، سفر کے موقع پر سواری اور خلافت سے پہلے جو خرچ تھا اسی کے موافق اپنے اور اپنے متعلقین کے لیے خرچ لیتے تھے، جاگیر | آنحضرت صلعم نے ان کو خیرین ایک جاگیر مرحمت فرمائی تھی اس کے علاوہ انھوں نے اطرافِ مدینہ اور حجاز میں دوسری جاگیریں بھی حاصل کی تھیں،

مُحلیہ | حضرت ابوبکر نہایت نحیف و لاغراذام تھے، چہرہ کم گوشت، اور رنگ گندم گون تھا، پیشانی بلند و فراخ اور آنکھیں دہسی ہوئی تھیں، بالوں میں ہمدی کا خضاب کرتے تھے، ازواج و اولاد | حضرت ابوبکر نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، جن بیویوں سے اولاد ہوئی ان کے نام یہ ہیں

قتیلہ یا قتلہ، ان سے حضرت عبداللہ اور حضرت اسماءؓ پیدا ہوئیں،
امّ رومان، یہ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ کی ماں تھیں،
اسمار، ان سے محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے،

جلیلہ بنت خازم، حضرت ابوبکرؓ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ام کلثوم ان ہی کے بطن سے تھیں



امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ

نام و نسب اور خاندان | عمر نام، ابو حفص کنیت، فاروق لقب، والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام ختمہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن عبد المذین قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک چونکہ عدی کے دوسرے بھائی عمرہ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد سے ہیں، اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے

حضرت عمرؓ کا خاندان ایام جاہلیت میں بھی نہایت ممتاز تھا، آپ کے جد اعلیٰ عدیؓ کے باہمی منازعات میں ثالث مقرر ہوا کرتے تھے، اور قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آجاتا تو سفیر بنکر جایا کرتے تھے، اور یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلے آ رہے تھے، ابائی خاندان کی طرح حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے، چنانچہ آپ کی والدہ ختمہ ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں، اور مغیرہ اسی درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے نبرد آزما کیے کے لیے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا تھا،

حضرت عمرؓ ہجرت نبوی سے ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے، ایام طفولیت کے حالات پردہ لُخا میں ہیں بلکہ سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں، شباب کا آغاز ہوا تو ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً رائج تھے یعنی نسب دانی،

سپہ گری، پہلوانی اور خطابت میں مہارت پیدا کی، خصوصاً شہسواری میں کمال حاصل کیا، اسی زمانہ میں انھوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا،

تعلیم و تعلم سے فارغ ہونے کے بعد فکرِ معاش کی طرف متوجہ ہوئے، عرب بن وگون کا ذریعہ معاش زیادہ و تجارت تھا، اس لیے انھوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور اسی سلسلہ میں دور دور ممالک کا سفر کیا اور اس طریقہ سے خود داری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی کی لازوال دولت حاصل کی یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ قبولِ اسلام سے پہلے ہی تمام عرب بن و گون روئناس ہو گئے تھے اور قریش نے ان کی قابلیت کے جوہر دیکھ کر سفارت کے منصب پر مامور کر دیا تھا، قبائل میں جب کوئی ایچیدگی پیدا ہو جاتی تھی تو آپ ہی سفیر بن جاتے تھے اور اپنے غیر معمولی فہم و تدبیر اور تجربہ سے اس عقدہ کو حل کرتے تھے،

حضرت عمرؓ کا ستالیسواں سال تھا کہ ریگستانِ عرب میں آفتابِ اسلام پر نواہنگ ہوا، اور مکہ کی گھاٹیوں سے توحید کی صدا بلند ہوئی، حضرت عمرؓ کیلئے یہ آواز نہایت زانوس تھی اس لیے سخت برہم ہوئے، یہاں تک کہ جس کی نسبت معلوم ہو جاتا کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے اس کے دشمن بن جاتے، ان کے خاندان کی ایک کینزِ بسینہ نامی مسلمان ہو گئی تھی اس کو اس قدر مارنے کے واسطے اسے تھک جاتے، بسینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زد و کوب سے دریغ نہیں کرتے تھے، لیکن اسلام کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا، ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بد دل نہ کر سکے،

اسلام حضرت عمرؓ

قریش کے سربراہ اور وہ اشخاص میں ابو جہل اور حضرت عمرؓ اسلام اور بانی اسلام کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے، اس لیے آنحضرت ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ انہیں دونوں کے لیے اسلام کی دعا فرمائی، اللہم اعن اکاسلا وبلحد الرحلین اما بن ہشام واما عمر بن الخطاب یعنی خدایا اسلام کو ابو جہل یا عمر بن الخطاب سے مغز کر، مگر یہ دولت تو قسام ازل نے حضرت عمرؓ کی قسمت میں لکھ دی تھی، ابو جہل کے حصہ میں کیونکر آتی، اس کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا، سب سے بڑا دوست اور سب سے بڑا جان نثار ہو گیا، یعنی حضرت عمرؓ کا دین دولت ایمان سے بھر گیا، اذ اللہ فضل اللہ یومئذ من یتنا عن تالیخ و سیر کی کتابوں میں حضرت عمرؓ کی تفصیلات اسلام میں اختلاف ہے، ایک مشہور واقعہ جسکو عام طور پر رباب سیر لکھتے ہیں یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بد دل نہ کر سکے، تو آخر کار مجبور ہو کر خود بخود اللہ خود بانی اسلام کے قتل کا ارادہ کیا، اور تلوار کر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے، راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبد اللہ مل گئے اور ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے؟ بولے محمد ﷺ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں، انھوں نے کہا پیسے اپنے گھر کی تو خیر، خود بخوار می بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں، فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے، وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزا چھپا لیے، لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی، بہن سے پوچھا

سہ جامع ترمذی مناقب عمرؓ

یہ کیا آواز تھی؟ بولیں کچھ نہیں! انھوں نے کہا میں سن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہو گئے ہو، یہ کہہ رہی تھی سے دست و گریبان ہو گئے اور جب اُن کی بہن بچانے کو آئیں تو اُن کی بھی خبر لی یہاں تک کہ اُن کا جسم ہولناک ہو گیا، لیکن اسلام کی محبت پر اُن کا کچھ اثر نہ ہوا، بولیں کہ ”عمرؓ جو بن آئے کرو، لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔“

ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے جسم سے خون جاری تھا، دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی، فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے تمہاری سُنّاؤ، قاطعہ نے قرآن کے اجراء سامنے لا کر رکھ دیئے، اٹھا کر دیکھا تو یہ سورہ تھی:

سُبْحَانَ اللَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
زَمِينَ اور آسمان میں جو کچھ ہے سب خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (حدید)

ایک ایک لفظ پر اُن کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا، یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے

آمَنَّا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ (حدید)

خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ،

تو بے اختیار پکار اُٹھے کہ

اشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَاشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کے پینے والے تھا پناہ گزین تھے، حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی چونکہ شمشیر بکعت تھے، صحابہ کو تردد ہوا، لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا ”آئے دو، غلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔“ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے اور اُن کا دامن پکڑ لیا ”کیون عمرؓ اس ارادہ سے آئے ہو؟“ نبوت کی پُر جلال آواز نے ان کو کھپکپا دیا۔

نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی کہ ایمان لانے کے لیے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی پیروی" کا نعرہ اس زور سے مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

یہی روایت بخاری سے تفسیر کے ساتھ دارقطنی، حاکم، ابویعلیٰ اور بیہقی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے، دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی میں سورہ حدید کی آیہ سجدۃ اللہ فی السجود کا ذکر ہے اور دوسری میں سورہ طہ کی یہ آیت ہے،

اقم الصلوات لعلک تسبحہ و تحمدا و تکی و تذلک من الذلکین من، تو مجھ کو جو ادھر سے اقم الصلوات لعلک تسبحہ (سورہ طہ) یاد کے لیے نازک فرما کر دے،

جب اس آیت پر پہنچے تو یہ اثر ہوا کہ دل سے لا الہ الا اللہ پکار اٹھے اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی، لیکن یہ روایت دو طریقوں سے مروی ہے اور دونوں میں ایسے رواۃ ہیں جو قبول کے لائق نہیں، چنانچہ دارقطنی نے اس روایت کو مختصر لکھ کر لکھا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں، ذہبی نے مسند رک حاکم کے استاد راہ میں لکھا ہے، کہ روایت ماہی منقطع ہے، میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ قاسم بن عثمان بصری نے حضرت عمرؓ کے اسلام کا جو قصہ نقل کیا ہے وہ نہایت ہی منکر ہے، کنز العمال میں بھی اسکی تضعیف کی گئی ہے،

ان دونوں روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان، اسحاق بن ابراہیم، عیسیٰ، اور اسامہ بن زید بن اسلم، ہیں اور یہ سب کے سب پایہ اعتبار سے ساقط ہیں،

سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۲۰۹، ۲۱۰ بحوالہ مسند الغابہ ما بین حالہ و کمالہ ابن ابی شیبہ دارقطنی باب الطہارۃ للقرآن ۳ مسند رک حاکم جلد ۴ صفحہ ۵۹، ۶۰ میزان الاعتدال قاسم بن عثمان بصری ۳۵ کنز العمال فضائل عمر بن الخطابؓ

ان روایتوں کے علاوہ مسند بن جنبل میں ایک روایت خود حضرت عمرؓ سے مروی ہے جو گو ایک تابعی کی زبان سے مروی ہے تاہم اس باب میں سب سے زیادہ محفوظ ہے حضرت عسکریؑ فرماتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت ﷺ کو بھیڑنے نکلا آپؐ بڑھ کر سجد حرام میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی جس میں آپؐ نے سورہ الحاقہ تلاوت فرمائی 'ہیں کھڑا سنتا رہا' اور قرآن کے نظم و اسلوب سے حیرت میں تھا، دل میں کہا خدا کی قسم یہ شاعر ہے جیسا قریش کہا کرتے ہیں ابھی یہ خیال تھا ہی کہ آپؐ نے یہ آیت پڑھی

اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيْمٍ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ (الملاقۃ ۱۲)

یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہوا اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں تم بہت کم ایمان رکھتے ہو،

میں نے کہا یہ تو کاہن ہے مرے دل کی بات جان گیا ہے اُسکے بعد ہی یہ آیت پڑی

وَلَا يَقُولُ كَا هِنَ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ

یہ کاہن کا کلام بھی نہیں تم بہت کم نصیحت کرتے ہو یہ

تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (الملاقۃ ۱۳)

تو جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اترا ہوا،

آپؐ نے یہ سورہ آخر تک تلاوت فرمائی اور اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا،

اس کے علاوہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمرؓ کی زبانی یہ روایت ہے کہ بعثت سے کچھ پہلے یا اس کے بعد ہی وہ ایک تجا نہ میں سوتے تھے کہ آنحضورؐ نے دیکھا کہ ایک بت پر ایک قربانی چڑھائی گئی اور اس کے اندر سے آواز آئی اے حلیج! ایک فصیح البیان کہتا ہے لا الہ الا اللہ اس آواز کا سننا تھا کہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے لیکن میں کھڑا رہا کہ دیکھوں اس کے بعد کیا ہوتا ہے کہ پھر مئی آواز آئی اس واقعہ پر تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ لوگوں میں یہ

چرچا ہو کہ یہ نبی بن (باب نبیان الکبیر) اس روایت میں یہ بیان نہیں ہے کہ اس آواز کا حضرت عمرؓ پر کیا اثر ہوا،

پہلی عام روایت بھی اگر صحیح مان لی جائے تو شاید واقعہ کی ترتیب یہ ہوگی کہ اس ندائے غیب کی آواز پر حضرت حذیفہؓ نے لبیک نہیں کہا، اور اس کا کوئی تعلق آنحضرتؐ صلعم کی بعثت کی بشارت سے وہ پیدا نہ کر سکے کہ اس میں ان کی رسالت اور نبوت کا کوئی ذکر نہ تھا تاہم چونکہ اس میں توحید کا ذکر تھا اس لیے ادھر میلان ہوا ہوگا، لیکن چونکہ اُن کو قرآن کے سننے کا موقع نہیں ملا اس لیے اُن کو اس توحید کی دعوت کی حقیقت نہ معلوم ہو سکی، اس کے بعد انھوں نے آنحضرتؐ صلعم کو سورۃ الحاقہ نماز میں پڑھتے سنی حسین قیامت اور حشر و نشر کا نہایت مؤثر بیان ہے تو اُن کے دل پر ایک خاص اثر ہوا جیسا کہ ان کے اس فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ”موقع الاسلام فی قلبی کل موقع“، یعنی اسلام میرے دل میں پوری طرح بیٹھ گیا، تاہم چونکہ وہ طبعاً مستقل مزاج اور پختہ کار تھے اس لیے اسلام کا انھوں نے اعلان نہیں کیا، بلکہ اس اثر کو شاید وہ روکتے رہے، لیکن اس کے بعد جب اُن کی بہن کا واقعہ پیش آیا اور سورۃ طہ پر نظر پڑی، حسین توحید کی نہایت مؤثر دعوت ہے تو دل پر قابو نہ رہا بلکہ بے اختیار کلمہ توحید بچار پڑے اور واقعہ اس پر حاضری کی درخواست کی،

اور اگر وہ پہلی عام روایت صحیح تسلیم نہ کی جائے تو واقعہ کی سادہ صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس ندائے غیب نے ان کے دل میں توحید کا خیال پیدا کیا، تین برس تو دعوت محدود اور مخفی رہی اور ان کو اس کا حال نہ معلوم ہو سکا، اور مخالفت کی شدت کے باعث کہیں خود بارگاہ نبویؐ میں جانے اور قرآن سننے کا موقع نہ ملا، پھر رفتہ رفتہ اسلام کی حقیقت کی مختلف آوازیں اُن کے کانوں میں پڑتی رہیں جو اُن کی شدت کو کم کرتی گئیں، بالآخر وہ دن آیا کہ آنحضرتؐ صلعم کی دُعا مبارک سے اُن کو سورۃ الحاقہ سننے کا موقع ملا، اور وہ لبیک کہتے اسلام کے آستانہ پر داخل ہو گئے،

داعی اسلام | عام مورخین اور ارباب سیر نے حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کا زمانہ سکنہ نبوی مقرر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ چالیسویں مسلمان تھے، آجکل کے ایک نوجوان خوش فہم صاحبِ تسلیم نے تمام گذشتہ روایات کو ایک سرے سے ناقابلِ التفات قرار دیکر یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نہایت قدیم الاسلام تھے، شاید مقصود یہ ہو کہ حضرت ابو بکرؓ وغیرہ کے بعد ہی انکا شمار ہو، اس مقصد کے لئے ہمنون نے تنہا بخاری کو سند قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ کے اسلام کی تہدین وہ لکھتے ہیں کہ۔

”اسی فطرتِ سلیمہ کی بنا پر ان کو دوسرے مسلمانوں سے ہمدردی پیدا ہوئی، چنانچہ ان کی ہمیشہ اور سعید بن دید نے اسلام قبول کیا تو وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے تاہم لوگوں کو اسلام پر قائم رہنے کی تاکید کرتے تھے، چنانچہ سعید نے اس واقعہ کو ایک موقع پر بیان کیا ہے

کان عمر بن الخطاب یقیم علی الاسلام
یعنی حضرت عمرؓ کو اور اپنی بہن کو اسلام پر
مضبوط کرتے تھے حالانکہ خود نہیں اسلام لائے تھے۔

اس حدیث میں اپنے موافق مطلب تحریر کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ:-
کہ اس حدیث کا بعض لوگوں نے اور بھی مطلب بیان کیا ہے، اور قسطلانی نے اسکی تردید کی ہے۔

اس کے بعد حجاز میں ندائے غیب سننے کے واقعہ کا ذکر کیا ہے،

پہلی حدیث سے حضرت عمرؓ کی اسلام کے ساتھ ہمدردی اور دوسری میں ہاتھ غیب کی آواز سننے کا ذکر ہے، ان دونوں باتوں کو ملا کر انھوں نے فوراً حضرت عمرؓ کے آغا بہ اسلام میں مسلمان ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیا اور اسی واقعہ کو ان کے فوری اسلام کا سبب قرار دے دیا،

اس کے بعد ایک اور غمادت پر مصنف کی نظر پڑی کہ مرض الموت میں ایک نوجوان نے حضرت عمرؓ کے سامنے یہ الفاظ کہے کہ

”اے امیر المومنین! خدا نے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور صحبت کے ذریعہ سے دجھکوا آپ جانتے ہیں جو بشارت دی ہو اس سے آپ خوش ہوں“

اس قدر شواہد اور اتنے دلائل کے بعد فاضل مصنف ناظرین سے داوطلب ہیں کہ یہ ایک طرف تو صحیح بخاری کی مستند روایات ہیں جو حضرت عمرؓ کی فطری سلامت روی اور حق پرستی کو ظاہر کرتی ہیں دوسری طرف مخرقات کا یہ دفتر بے پایاں ہے جو ان میں گزشتہ اوصاف سے متعارض منافع تسلیم کرتا ہے ناظرین انصاف کر لیں کہ ان میں سے کس کو صحیح تسلیم کیا جائے“

انفوس مصنف کو دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی متحدہ مسامحات میں گرفتار ہونا پڑا ہے، اب ہم ناظرین کو مصنف کے ابتدائی دلائل کی طرف توجہ دلاتے ہیں مصنف نے سب سے پہلے اسلام کے ساتھ حضرت عمرؓ کی ہمدردی میں سعید بن زید کی یہ روایت پیش کی ہے،

کان عمر بن الخطاب ابی یحییٰ علی الاسلام یعنی حضرت عمرؓ کو اور انہی بہن کو اسلام پر مضبوط کرتے تھے
انا واخوته وما اسلموا
حالا کہ خود مسلمان بنیں ہوتے تھے،

اس کے بعد کہتے ہیں کہ اس حدیث کا بعض لوگوں نے ایک اور مطلب بھی بیان کیا ہے اور قسطلانی نے اس کی تردید کی ہے یہاں پر مصنف نے اپنے مطلب کے ثابت کرنے میں بڑی جہارت سے کام لیا ہے اول تو حدیث کے لفظ میں جہر کی تحریف کی ہے اور وہ تحریف بھی

اس سے مراد وہ روایات ہیں جو حدیث و سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں، لے دان بخاری باب اسلام عمر،

ادب عربی کے خلاف ہے اور ماہر تہذیبین یقیناً پہچانے ہوئے موقفی ہے جسکے معنی باندھنے کے ہیں نہ کہ مضبوط کرنے کے اور قائم رکھنے کے یہ عربی کا محاورہ ہے اور قسطلانی نے باندھنے کے معنی لیے ہیں اور مصنف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطلانی اسے مصنف کے بیان کردہ معنی کی تائید ہوتی ہے حالانکہ یہ سراسر غلط ہے، ہذا بہتان عظیم چنانچہ قسطلانی کے الفاظ یہ ہیں: مجمل احدث کا لاسیہ تصنیفاً و اھلاً منہ یعنی ”موقفی“ سے مراد رسی یا تسمیہ ہے قیدی کی طرح تنگ کرنے اور ذلیل کرنے کے لیے باندھنا ہے، البتہ قسطلانی نے مصنف کے اختیار کردہ غلط معنی کی تردید کی ہے جس کو بعض خوش فہمون نے اختیار کرنا چاہا تھا،

دوسری حدیث جو مصنف نے حضرت عمرؓ کے اسلام کے باب میں پیش کی ہے، یعنی: ہاتھ غیب کی آواز اس روایت میں کوئی ایسا فقرہ نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ حضرت عمرؓ اسکو سکر متاثر ہوئے اور فوراً اسلام لے آئے، اس قصہ کے آخر میں یہ صفات مذکور ہے کہ اس کے بعد قحط ہی دن گزرے تھے کہ آپ کی نبوت کا شہرہ ہوا، اس لیے یہ باطل ہی آغاز اسلام کا واقعہ ہوگا، اور اگر اسی وقت حضرت عمرؓ کا اسلام ثابت ہو جائے تو یہ بھی ثابت ہو جائیگا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ولادت سے پہلے ہی آپ سلمان ہو چکے تھے حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے جیسا کہ آگے ثابت ہوگا، آئیے اب ہم صحیح بخاری ہی کے اشارات پر چل کر حضرت عمرؓ کے اسلام کی تاریخ تلاش کریں،

حضرت عمرؓ کے اسلام کے واقعہ کے بیان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے یہ الفاظ بخاری میں ہیں: ”حضرت عمرؓ سلمان ہوئے تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، شرکین کثرت اُن کے مکان پر جمع ہو گئے اور مجھے گھبراہٹ ہوئی، حضرت عمرؓ نے انہیں گھوکا نہ دے اور میں مکان کی چٹ پٹھا اور پتھر پھینک دیا۔“ اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام کے وقت نہ صرف یہ کہ وہ پیدا ہو چکے

تھے بلکہ سن دیر کے اس درجہ پر پہنچ چکے تھے کہ ان کو لوہپن کے واقعات وضاحت سے یاد رہ گئے، اور تجربہ اس کا شاہد ہے کہ ۵، ۶ سال کا بچہ واقعات کو اس طرح سے محفوظ نہیں رکھ سکتا، آگے چلیے سہ ہجری یعنی بعثت کے سولہویں سال غزوہ احد ہوا، بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اس وقت اُن کی عمر ۱۴ سال تھی، اسلئے خود سال بچن کے ساتھ چھانٹ دیے گئے تھے، اور جاہلین میں نہیں پے گئے، اس حساب سے بعثت کے دو سال بعد آپؐ کی پیدائش ماننی پڑے گی، اور کم از کم پانچ سال کی عمر تھا محفوظ رہنے کیلئے، ماننی ہوگی، تو پانچ سال یہ اور دو سال بعد بعثت کو کل سات سال ہو جاتے ہیں، لہذا خود صحیح بخاری کی تائید سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت ﷺ کا زمانہ اسلام سہ بعثت ہوگا، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نصف غیب کی آواز سننے کے سات سال بعد اسلام لائے،

حضرت عمرؓ کے سلمان ہو جانے سے اسلام کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہو گیا، اس وقت تک چالیس یا اس سے کچھ کم دہائیں آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے لیکن وہ نہایت بے بسی و مجبوری کے عالم میں تھے، علانیہ فرائض نہ ہی ادا کرنا تو درکنار اپنے کو سلمان ظاہر کرنا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا، اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا، حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے دفعۃً حالت بدل گئی، انھوں نے علانیہ اپنے اسلام کا اظہار کیا، صرف یہی نہیں بلکہ مشرکین کو جمع کر کے باور بلند اپنے ایمان کا اعلان کیا، مشرکین نہایت براؤمتہ ہوئے لیکن عاص ابن داہل نے جو رشتہ میں حضرت عمرؓ کے ماموں تھے اُن کو اپنی پناہ میں لے لیا، حضرت عمرؓ قبول اسلام سے پہلے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی مظلومیت کا

لے بخاری باب غزوہ الخندق

حاشا دیکھتے تھے اس لیے شوق مساوات نے پسند نہیں کیا کہ وہ اس نعمت سے متنعم ہونے کے بعد عاص بن داہل کی پناہ کے باعث محفوظ رہیں انھوں نے پناہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور برابر ثبات و انتقال کے ساتھ مشرکین کا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی

یہ پہلا موقع تھا کہ حق باطل کے مقابلہ میں سر بلند ہوا اور حضرت عمو کو اس صلہ میں دربارِ نبوت سے فاروق کا لقب مرحمت کیا گیا،

ہجرت اکہ میں جس طرح مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی اسی طرح مشرکین قریش کے بعض عناد میں ترقی ہوتی گئی اگر پہلے وہ صرف فطری خونخواری اور جوش مذہبی کی بنا پر مسلمانوں کو اذیت پہنچاتے تھے تو اب انھیں سیاسی مصالح نے مسلمانوں کے کامل استیصال پر آمادہ کر دیا تھا، سچ یہ ہے کہ اگر بلا کشان اسلام میں غیر معمولی جوش ثبات اور وارفتگی کا مادہ ہوتا تو ایمان پر ثبات قدم رہنا غیر ممکن تھا،

حضرت عسکریہؓ بنوی میں اسلام لائے تھے، اور سلمہ بنوی میں ہجرت ہوئی اس طرح گویا انھوں نے اسلام لانے کے بعد تقریباً ۶-۷ برس تک قریش کے مظالم بڑھت کئے جب مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کی اجازت ہوئی تو حضرت عمرؓ بھی اس سفر کے لیے آمادہ ہوئے اور بارگاہِ نبوت سے اجادت لیکر چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس شان کے ساتھ روانہ ہوئے کہ پہلے سطح ہو کر مشرکین کے مجموعوں سے گذرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے نہایت اطمینان سے طواف کیا، ہناد پڑھی پھر مشرکین سے مخاطب ہو کر کہا کہ جس کو مقابلہ کرنا ہو وہ کہے! ہر کل کو مقابلہ کرے، لیکن کسی کی ہمت نے یاری نہ کی،

اور وہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے،

حضرت عمرؓ مدینہ پہنچ کر قبا میں رفاعہ بن عبد المنذر کے مکان ہوئے، قبا کا دھسل نام عوالی ہے چنانچہ صحیح مسلم میں اُن کی فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے، حضرت عمرؓ کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی، یہاں تک کہ ۳۲ھ میں خود آفتاب رسالت بھی مکہ کی گھاٹیوں سے نکل کر مدینہ کے افق سے منور ہو گئے،

آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد غریب الوطن مہاجرین کے رہنے سہنے کا اس طرح انتظام کیا کہ ان میں اور انصار میں برادری قائم کر دی، جس کا یہ اثر ہوا کہ انصار نے عدیم الشمار سے کام لیکر اپنے مہاجر بھائیوں کو تمام مال و اسباب میں نصف کا شریک بنالیا، اس نتیجے کے قائم کرنے میں فرق مراتب کا خاص طور پر بچاؤ رکھا گیا تھا یعنی جو مہاجر جس رتبہ کا تھا اسی حیثیت کے انصار سے اُس کی برادری قائم کی گئی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ کے برادر اسلامی حضرت عثمان بن مالکؓ قرہ پائے تھے جو قبیلہ بنی سالم کے معزز رئیس تھے،

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا بلکہ اب آزادی اور اطمینان کا دور تھا، اس لیے وقت آ گیا تھا کہ فرانس دارکان محدود و درمیں کیے جائیں نیز مسلمانوں کی تعداد وسیع سے وسیع تر ہوتی جاتی تھی اور وہ دور دور کے محلوں میں آباد ہونے لگے تھے، اس بنا پر شدید ضرورت تھی کہ اعلانِ نماز کا کوئی طریقہ معین کیا جائے، چنانچہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے سب سے پہلے اسی کا انتظام کرنا چاہا، بعض صحابہ کی رائے ہوئی کہ آگ جلا کر لوگوں کو خبر کجائے، بعض کا خیال تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح بوق و دناؤس سے کام لیا جائے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کیلئے کیوں نہ مقرر کیا جائے، رسول اللہ ﷺ کو یہ رائے پسند آئی،

اور اسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا گیا، اس طرح اسلام کا ایک شعار عظیم حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا جس سے تمام عالم قیامت تک دن اور رات میں پانچ وقت توحید و رسالت کے اعلان سے گونجتا رہیگا،

غزوات و دیگر حالات

مدینہ میں سب سے پہلا سرکہ بدر کا پیش آیا، حضرت عمرؓ اس سرکہ میں رائے تہ بڑبڑانا اور پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہؐ کے دست و بازو رہے، عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو رشتہ میں ان کا مومن تھا خود ان کے خورخار اشکات سے وصلِ جہنم ہوا، یہ بات حضرت عمرؓ کے خصوصیات میں سے ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں قرابت و محبت کے تعلقات سے مطلقاً تاثر نہیں ہوتے تھے، چنانچہ اس خصوصیت کی یہ پہلی مثال تھی،

بدر کا میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا، غنیمت کے کم و بیش ستر آدمی مارے گئے اور تقریباً اسی قدر گرفتار ہوئے، چونکہ ان میں سے قریش کے اکثر بڑے بڑے معزز سردار تھے اس لیے بحث پیدا ہوئی کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، رسول اللہؐ نے تمام صحابہ سے رائے لی، لوگو! نے مختلف راہیں دین، حضرت ابو بکرؓ کی رائے ہوئی کہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے، حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا اور کہا کہ ان سب کو قتل کر دینا چاہیے اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے عزیز کو آپ قتل کرے، علیؓ عقیل کی گردن مارین، اور فلان جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کر دوں،

آنحضرت صلیع کی شانِ رحمتہ للعالمین نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر

چھوڑ دیا، بارگاہِ اکی مین یہ چیز پسند نہ آئی! سپر حجاب آیا، اور یہ آیت نازل ہوئی،
 مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْوَى حَقِّ كَسِي تَخْبِرُ كَيْفَ لِيَهْدِيَهُمْ فَرَاسًا مِّنَ الْوَحْيِ
 يَخْفَىٰ فِي الْأَرْضِ الْخَفَىٰ قِيدَىٰ هُونِ جَبْ نَمَكْ دَه غُورِ زِي نَكْرَلْ،
 حضورِ انورِ صلعم اور حضرت ابو بکرؓ نے گریہ و زاری کی،

واقعہ بدر کے بعد خود مدینہ کے یہودیوں سے لڑائی ہوئی اور اُن کو جلا وطن کیا گیا، سطح
 غزوہِ یثرب اور دوسرے چھوٹے چھوٹے معرکہ پیش آئے، سب مین حضرت عمرؓ گرم پکا رہے
 یہاں تک کہ شوالِ ستھ چری مین غزوہِ احد کا معرکہ پیش آیا، اس مین ایک طرف تو قریش کی
 تعداد تین ہزار تھی حسینؓ سو سو اور سات سو زہ پوش تھے، ادھر غازیانِ اسلام کی کل تعداد
 صرف سات سو تھی حسینؓ سو زہ پوش اور سو سو اترے، یہ شوالِ ہفتمہ کے دن لڑائی شروع ہوئی،
 آنحضرتؐ نے عبداللہ بن جبر کو پچاس تیرا نازون کے ساتھ فوج کے عقب مین متعین
 کر دیا تھا کہ ادھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں،

مسلمانوں نے غنیمت کی صفیں تہ و بالا کر دیں، کفار شکست کھا کر بھاگے اور غازیانِ
 دین مالِ غنیمت جمع کرنے مین مصروف ہو گئے، تیرا نازون نے سمجھا کہ اب معرکہ ختم ہو چکا، اس
 خیال سے وہ بھی لوٹنے مین مصروف ہو گئے، تیرا نازون کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ خالد نے
 (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) دفتہ عقب سے زور شور کے ساتھ حملہ کر دیا،
 مسلمان چونکہ غافل تھے اس لیے اس ناگہانی ریلے کو روک نہ سکے، یہاں تک کہ کفار نے خود
 ذاتِ اقدس صلعم پر پوش کر دی، اور اس قدر تیر دن اور پتھروں کی بارش کی کہ آپ کے
 دندانِ مبارک شہید ہو گئے، پیشانی پر زخم آیا اور رخسارِ دن مین منفر کی کڑیاں چبھ گئیں،

سلفہ صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیرا باب الجہاد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر و اباحتہ للقتال،

اور اس کے ساتھ آپ ایک گڈھے میں گر پڑے اور لوگوں کی نظروں سے چھپ گئے،
جنگ کا زور شور جب کسی قدر کم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تیس خدائیوں کے ساتھ
بہاؤ پر تشریف لائے، اسی اثنا میں خالد کو ایک دستہ فوج کے ساتھ اس طرف بڑھتے ہوئے
دیکھ کر فرمایا کہ خدا یا یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصاریوں
کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا،

ابوسفیان سالار قریش درہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمدؐ ہیں؟ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے، ابوسفیان نے پھر حضرت عمرؓ اور ابو بکرؓ کا نام لیکر کہا
یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے کچھ جواب نہیں دیا تو بولا کہ ضرور یہ
لوگ مارے گئے، حضرت عمرؓ نے نہ رہا گیا پکار کر کہا اودھمن، خدا! ہم سب زندہ ہیں ابوسفیان
نے کہا اعلیٰ ہبل یعنی اے بہن بے بند ہو، رسول اللہؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جواب دے، اللہ
اعلیٰ و اعلیٰ، یعنی خدا بلند و برتر ہے،

غزوہ احد کے بعد سترہ ہجری میں حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انکی حبشہ کی
حضرت حفصہؓ رسول اللہؐ کے نکاح میں آئیں سترہ ہجری میں بنو نضیر کو ان کی بد عہدی کے
باعث مدینہ سے جلا وطن کیا گیا، اس واقعہ میں بھی حضرت عمرؓ شریک رہے سترہ ہجری
میں غزوہ خندق پیش آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر خندق تیار کرائی اور سترہ ہجری
کھارنے خندق کا محاصرہ کیا وہ لوگ کہیں کہیں خندق میں گھس کر حملہ کرتے تھے اس لیے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے ادھر ادھر کچھ کچھ فاصلہ پر اکابر صحابہ کو معین کر دیا تھا کہ دشمن
ادھر سے نہ آنے پائیں ایک حصہ پر حضرت عمرؓ معین تھے، چنانچہ یہاں ان کے نام کی ایک

سہ طبری صفحہ ۱۱۴ پہل ایک بت کا نام تھا، سترہ ہجری کا نام لغادی غزوہ احد

سجد آج بھی موجود ہے، ایک دن کافرون کے مقابلہ میں اُن کو اس قدر مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوئے رہ گئی چنانچہ آنحضرتؐ کے پاس اگر عرض کی کہ آج کافرون نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا، رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی، مختصر یہ کہ کامل ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد مسلمانوں کے ثبات و استقلال کے آگے کافرون کے پافون اکھڑ گئے اور یہ میدان بھی غازیوں کے ہاتھ رہا،

سہمہ جری میں رسول اللہؐ نے زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا اور اس خیال سے کہ کسی کو لڑائی کا شبہ نہ ہو حکم دیا کہ کوئی ہتھیار باندھ کر نہ چلے، ذوالحلیفہ پہنچ کر حضرت عسہ کو خیال ہوا کہ دشمنوں میں غیر مسلح چلنا مصلحت نہیں؛ چنانچہ رسول اللہؐ نے ان کی رائے کے موافق ینہ سے اسلحہ منگوایے، مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے، چونکہ رسول اللہؐ کو لڑنا مقصود نہیں تھا، اس لیے مصاحمت کے خیال سے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا، قریش نے ان کو رد کر رکھا، اور جب کئی دن گزر گئے تو خبر مشہور ہوئی کہ وہ شہید کر دیے گئے، رسول اللہؐ نے یہ خبر سن کر صحابہ سے جو تعداد میں چودہ تھے، ایک درخت کے نیچے جہاد پر بیعت لی، چنانچہ قرآن مجید کی اس آیت میں لفظ رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے،

حضرت عسہ نے بیعت سے پہلے ہی لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی ہتھیار سج رہے تھے کہ خبر ملی کہ آنحضرتؐ صلعم بیعت لے رہے ہیں اسی وقت بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور جہاد کے لیے دست اقدس پر بیعت کی،

قریش مصر تھے کہ رسول اللہؐ اس سال مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے، آخر بڑے رد و قدح

کے بعد ایک معاہدہ پر طرفین رضامند ہو گئے، اس معاہدہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی
 کا کوئی آدمی رسول اللہ کے ہاں چلا جائے تو اس کو قریش کے پاس واپس کر دیا جائے گا
 لیکن اگر مسلمانوں کا کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے تو ان کو نہ واپس کرنے کا اختیار ہوگا،
 حضرت عمرؓ کی غیور طبیعت اس شرط سے نہایت مضطرب ہوئی، اور خود سرورِ کائنات کے
 دربار میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ جب ہم حق پر ہیں تو باطل سے اس قدر دُور کر کیوں صلح
 کرتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا،
 اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں بھی یہی گفتگو کی اور انھوں نے بھی یہی جواب دیا،
 بعد کو حضرت عمرؓ کو اپنی اس گفتگو پر ندامت ہوئی اور اس کے کفارے میں کچھ خیرات کی،
 عرض معاہدہ صلح لکھا گیا، حضرت عمرؓ نے بھی اس پر اپنے دستخط ثبت کیے، رسول اللہؐ
 نے مدینہ کا قصد کیا، راہ میں سورہ انا فتحنا لک فتحاً مبیناً نازل ہوئی، حضرت عمرؓ کو بلا کر
 سنایا اور کہا کہ آج ایسی سورہ نازل ہوئی ہے جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ
 محبوب ہے،

سُورۃ ہجری میں واقعہ خیبر پیش آیا، یہودیوں نے بڑے بڑے مضبوط قلعے بنائے
 تھے، جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا، پہلے حضرت ابو بکرؓ سپہ سالار ہوئے، ان کے بعد حضرت عمرؓ
 اس خدمت پر مامور ہوئے، لیکن یہ فقر تو حضرت علیؓ کے لیے مقدر ہو چکا تھا، ان کو کس طرح
 کامیابی ہوتی، غرض حضرت علیؓ کے ہاتھ سے حرب مارا گیا اور خیبر فتح ہو گیا، آنحضرتؐ نے خیبر کی
 زمین مجاہدوں کو تقسیم کر دی، چنانچہ ایک ٹکڑا شیخ نامی حضرت عمرؓ کے حصہ میں آیا، انھوں نے
 اسکو راہِ خدا میں وقف کر دیا، اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو اہل عرب نے کیا،

سے صحیح بخاری کتاب الشہادۃ باب الشہادۃ فی الجہاد والمعاہدۃ مع اہل الحرب سے صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ فتح،
 سے صحیح بخاری کتاب الوصایا سے فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۳۰۱

قریش نے معاہدہ حدیبیہ کو توڑ دیا ابوسفیان نے بیتِ بندی کے خیال سے مدینہ
 آکر عذر خواہی کی رسول اللہؐ خاموش رہے پھر وہ اٹھ کر حضرت ابو بکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ کے
 پاس گیا کہ آپ اس معاملہ کو طے کر دیجئے حضرت عمرؓ نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل
 ناامید ہو گیا، غرض نقصِ عقد کے باعث آنحضرتؐ صلعم نے دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رمضان
 سنہ ۶ میں مکہ پر حملہ کیا اور نہایت جاہ و جلال کے ساتھ فاتحانہ داخل ہوئے اور بابِ کعبہ
 پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ تقریر کی جو تاریخوں میں بعینہ مذکور ہے پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ لیکر مقام
 صفاء پر لوگوں سے بیعت لینے کیلئے تشریف لائے لوگ جوق جوق آتے تھے اور بیعت کرتے
 جاتے تھے حضرت عمرؓ آنحضرتؐ صلعم سے قریب لیکن کسی قدر پیچھے بیٹھے تھے جب عورتوں کی
 باری آئی تو چونکہ آنحضرتؐ بیگانہ عورتوں کے ہاتھ کو س نہیں کرتے تھے اس لیے حضرت عمرؓ کو
 اشارہ کیا کہ تم ان سے بیعت لو چنانچہ تمام عورتوں نے انھیں کے ہاتھ پر آنحضرتؐ بیعت کی
 فتح مکہ کے بعد اسی سال ہوازن کی لڑائی میں آئی جو غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے
 حضرت عمرؓ اس جنگ میں بھی نہایت ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ شریکِ کارزار
 رہے پھر ۱۰ ہجری میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصرِ روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے
 چنانچہ آنحضرتؐ نے تمام صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور جنگی تیاریوں کیلئے زروال سے
 اعانت کی ترغیب لائی اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں حضرت عمرؓ نے اس موقع پر
 تمام مال و اسباب میں سے نصف لاکر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا غرض اسلحہ اور
 سامانِ رسد مہیا ہو جانے کے بعد مجاہدین نے مقامِ تبوک کا رخ کیا، میان پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر
 غلط تھی اس لیے چند روز قیام کے بعد سب لوگ واپس آگئے

سہ تہذیبی اہلِ بکر لیکن تہذیبِ سنیہ ثابت نہیں ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر یہ تمییز کی تھی اللہ عزوجل سے نیابت ہو جائے

سہ ماہین آنحضرت صلعم حجۃ الوداع کیلئے تشریف لے گئے حضرت عمرؓ بھی ہر کام تھے، اس حج سے واپس آنے کے بعد ابتداً ماہ ربیع الاول ۳۳ھ میں حضورؐ راؤں مبارک ہوئے اور دس دن کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاول دو شنبہ کے دن دوپہر کے وقت آپکا وصال ہو گیا، عام روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے از خود رفتہ ہو کر مسجد نبویؐ میں اعلان کیا کہ شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت صلعم نے وفات پائی اُس کو قتل کر ڈالوں گا، شاید اس میں یہ بھی مصلحت ہو کہ منافقین کو فتنہ پردازی کا موقع نہ ملے، تاہم فتنہ سقیفہ بنی ساعدہ کھڑا ہی ہو گیا، اگر حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ وقت پر پہونچ کر اپنے ناخن عقل سے اس گتھی کو نہ سلجھاتے تو کیا عجب تھا کہ یہی فتنہ شیعہ اسلام کو ہمیشہ کے لیے گل کر دیتا، لیکن انصار کے ساتھ بہت بحث و مباحثہ کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس کے بعد لوگوں نے بیعت کی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت صرف سوا دو برس رہی، اُن کے عہد میں جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے سب میں حضرت عمرؓ شریک رہے قرآن شریف کی ترتیب کا کام خاص ان کے مشورہ اور اصرار سے عمل میں آیا، غرض حضرت ابو بکرؓ کو اپنے عہد خلافت میں تجزیہ ہو گیا تھا کہ منصب خلافت کیلئے عمر فاروقؓ سے زیادہ کوئی شخص موزون نہیں ہو سکتا، چنانچہ انھوں نے وفات کے قریب اکابر صحابہ سے مشورہ لیکر اُن کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا اور بلا کر سفید اور موثر نصیحتیں کیں جو حضرت عمرؓ کیلئے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں،

خلافت اور فتوحات

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ترسٹھ برس کی عمر میں اواخرِ جہادِ الٹانی دوشنبہ کے روز وفات پائی اور حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے خلیفہ سابق کے عہد میں مدعیانِ نبوت، مرتدینِ عرب اور منکرینِ زکوٰۃ کا خاتمہ ہو کر فتوحاتِ ملکی کا آغاز ہو چکا تھا، یعنی ۱۲ سالہ ہجری میں عراق پر لشکر کشی ہوئی، اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے، سیطیح ۱۳ سالہ ہجری میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں سرحدی اضلاع میں پھیل گئیں ان مہمات کا آغاز ہی تھا کہ خلیفہ وقت نے انتقال کیا، حضرت عمرؓ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لی تو ان کا سب سے اہم فرض انہی مہمات کو مکمل تک پہنچانا تھا،

فتوحاتِ عراق | سیرت صدیقؓ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکا ہے کہ عراق پر حملہ کے کیا وجوہ و اسباب تھے اور کس طرح اُس کی ابتدا ہوئی، اس لیے یہاں سلسلہ کیلئے مختصر اس قدر جان لینا چاہیے کہ خالد بن ولیدؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم سے باقیہا، کسر اور حیرہ کے اضلاع کو فتح کر لیا تھا کہ اسی اثنا میں ثقیف بن حارثہ کو اپنا جانشین کر کے ہم شام کی امانت کے لیے حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے آگے جانا پڑا، حضرت خالد بن ولیدؓ کا جانا تھا کہ عراق کی فتوحات دفعہ ٹوک گئیں،

حضرت عمرؓ جانشینِ خلافت ہوئے تو سب سے پہلے ہم عراق کی طرف متوجہ ہوئے، بیعتِ خلافت کیلئے اطراف و دیار سے ہتھیار آدمی آئے تھے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر مجمعِ عام میں جہاد کا دغظ کیا لیکن چونکہ عام خیال تھا کہ عراق حکومتِ فارس کا پایہ تخت ہے اور اُس کا

فتح ہونا نہایت دشوار ہے اس لیے ہر طرف سے جدائے برخاست کا معاملہ رہا، حضرت عمرؓ نے کئی دن تک دعا کا لیکن کچھ اثر نہ ہوا، آخر چوتھے دن ایسی پرجوش تقریر کی کہ حاضرین کے دل ہل گئے، مثنیٰ شیبانی نے کہا کہ مسلمانو! میں نے جو سیون کو آنا لیا ہے وہ مرد میدان نہیں ہیں ہم نے عراق کے بڑے بڑے ضلع فتح کر لیے ہیں اور عجمی اب ہمارا لوہا مان گئے ہیں اس طرح قبیلہ ثقیف کے سردار ابو عبیدہ ثقفی نے جوش میں آکر کہا "انا لهذا" یعنی اس سبب کیلئے میں ہوں ابو عبیدہ کی سمیت نے تمام حاضرین کو گردایا اور ہر طرف سے غلغلہ اٹھا کہ ہم بھی حاضر ہیں، حضرت عمرؓ نے مدینہ اور اسکے مضافات سے ایک ہزار اور دوسری روایت کے مطابق پانچ ہزار آدمی انتخاب کیے اور ابو عبیدہ کو سپہ سالار مقرر کر کے روانہ کیا،

حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اُس نے ایرانیوں کو بیدار کر دیا تھا، چنانچہ پوران دخت نے جو صفیہ راسن یزدگرد شاہ ایران کی نائب تھی فرخ زاد گورنر خراسان کے بیٹے رستم کو جو نہایت شجاع اور مدبر تھا دربار میں طلب کر کے وزیر جنگ بنایا اور تمام اہل فائر کو اتحاد و اتفاق پر آمادہ کیا، نیز مذہبی حیمت کا جوش دلا کر نئی روح پیدا کر دی، اس طرح دولت کیانی نے پھر وہی توت پیدا کر لی جو ہر مزدپرورین کے زمانہ میں اُس کو حاصل تھی

رستم نے ابو عبیدہ کے پہونچنے سے پہلے ہی ضلع فرات میں غدر کر دیا اور جو مقامات مسلمانوں کے قبضہ میں آچکے تھے وہ اُن کے قبضہ سے نکل گئے، پوران دخت نے ایک اور زبردست فوج رستم کی اعانت کیلئے تیار کی اور نرسی و جابان کو سپہ سالار مقرر کیا، یہ دونوں دور استون سے روانہ ہوئے، جابان کی فوج تمارق پہنچ کر ابو عبیدہ کی فوج سے برسرِ بیکار ہوئی اور بڑی طرح شکست کھا کر بھاگی، ایرانی فوج کے مشہور افسر جوشن شاہ اور مردان شاہ ماسے گئے، جابان گرفتار ہوا، مگر اس جیلے سے بچ گیا کہ جس شخص نے اُسکو گرفتار کیا تھا وہ بچا نہ لیا تھا جابان نے

اس سے کہا کہ بڑھاپے میں میں تمہارے کس کام کا ہوں، معاوضے میں مجھ سے دو غلام لو اور مجھے چھوڑ دو، اس نے منظور کیا، بعد کو معلوم ہوا کہ یہ جابان تھا لوگوں نے غل جپایا کہ ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہیے، لیکن ابو عبیدہ نے کہا کہ اسلام میں بد عہدی جائز نہیں!

ابو عبیدہ نے جابان کو شکست دینے کے بعد سقاطیہ میں نرسی کی فوج گران سے مقابلہ کیا اور شکست دی، اس کا اثر یہ ہوا کہ عرب جو اس کے تمام رؤسا خود بخود مطیع ہو گئے، نرسی و جابان کی ہزیمت سن کر رستم نے مردان شاہ کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ ابو عبیدہ کے مقابلہ میں روانہ کیا، ابو عبیدہ نے باوجود افسران فوج کے شدید اختلاف کے فرات سے پار کر کر غنیم سے ہر دو آزمائی کی، چونکہ پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا نیز عربی دلاوروں کے لیے ایران کے کوہ پیکر ہاتھیوں کے یہ پہلا مقابلہ تھا، اس لیے مسلمانوں کو سخت ہزیمت ہوئی اور نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار باقی بچی!

حضرت عمرؓ کو اس شکست نے نہایت برا فروختہ کیا، انھوں نے اپنے پرجوش خیلوں سے تمام قبائل عرب میں آگ لگا دی، عام جوش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مرو گنائب کے سرداروں نے جو مذہباً عیسائی تھے اپنے قبائل کے مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی اور کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے، اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں، غرض حضرت عمرؓ نے ایک فوج گران کے ساتھ جریجہ کی کو میدان رزم کی طرف روانہ کیا، یہاں مثنیٰ نے بھی سرحد کے عربی قبائل کو جوش لاکر ایک زبردست فوج تیار کر لی تھی!

پوران دخت نے ان تیاریوں کا حال سن کر فوج خاصہ میں سے بارہ ہزار جنگ آزمادہ ہمدان منتخب کر کے مہران، ابن مہر دیہ کے ساتھ مجاہدین کے مقابلہ کے لیے روانہ کیے، حیرہ کے قریب دونوں حریف صف آرا ہوئے، ایک شدید جنگ کے بعد عجمیوں میں بھاگ پڑ گئی، مہران

بنی تغلب کے ایک نوجوان کے ہاتھ سے مارا گیا، مثنیٰ نے بے لگ راستہ روک دیا اور اسعد آرمین کو تہ تیغ کیا کہ کشتوں کے پتے لگ گئے، اس فتح کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقوں میں پھیل گئے،

حیرہ سے کچھ فاصلہ پر جہان آج بغداد آباد ہے وہاں اسی زمانہ میں بہت بڑا بازار لگتا تھا، مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا، بازاری جان بچا کر بھاگ گئے اور بیچارہ دولت مسلمانوں کے ہات آئی، اس طرح قرب و جوار کے مقامات میں مسلمانوں کی پیش قدمی شروع ہو گئی، سورا، سکر، حراۃ اور فلاح وغیرہ پر اسلامی پھر پرا لہرانے لگا، پایہ تخت ایران میں یہ خبریں پہنچیں تو ایرانی قوم میں ایک زبردست انقلاب کا خیال پیدا ہو گیا، پوران دست معزول کی گئی، بزد گرد جو سو سال کا نوجوان اور خاندان کیانی کا تنہا وارث تھا تخت سلطنت پر بٹھایا گیا، احمیان و اکابر ملک نے باہم اتفاق و متحد ہو کر کام کرنے کا ارادہ کیا، تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیاں ختم کر دی گئیں، اسی کے ساتھ کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات میں بغاوت پھیلانی جائے، ان انتظامات سے سلطنت ایران میں نئی جان پیدا ہو گئی اور تمام مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے،

مثنیٰ مجبور ہو کر عرب کی سرحد میں ہٹ آئے، اور سب سے مضمر کے قبائل کو جو اطراف عراق میں پھیلے ہوئے تھے ایک تاریخ معین تک علم اسلامی کے نیچے جمع ہونے کے لیے طلب کیا، نیز دربار خلافت کو اہل فارس کی تیاریوں سے مفصل طور پر مطلع کیا،

حضرت عمرؓ نے ایرانیوں کی تیاری کا حال سُن کر حضرت سعد بن وقاصؓ کو جو بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہؐ کے ماموں تھے بیس ہزار مجاہدین کے ساتھ ہم عراق کی مکین

سہ ہزار ستم ابوحنیفہ دیوری طبری نے ۲۱ سال عمر بیان کی ہے،

ماور کیا، اس فتح کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں تقریباً ستروہ صحابی تھے جو سرکائنات کے ساتھ غزوہ بدر میں جو مسرت شجاعت دکھائے تھے، تین سو وہ جو بیتہ الرضوان میں شریک تھے نیز اسی قدر وہ بزرگ تھے جو فتح مکہ میں موجود تھے اور سات سو ایسے تھے جو خود صفی نہ تھے لیکن اُن کی اولاد ہونے کا فخر رکھتے تھے،

حضرت سعد بن وقاصؓ نے شرافت پہنچ کر پڑاؤ کیا، مثنیٰ آٹھ ہزار آدمیوں کے ساتھ مقام ذی قارین اس عظیم الشان ملک کا انتظار کر رہے تھے، لیکن اسی اثنا میں اُنکا انتقال ہو گیا اس لیے اُن کے بھائی معنی مشران اگر حضرت سعد وقاصؓ سے ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیے تھے اُن سے بیان کیے،

حضرت عمرؓ نے پیام جاہلیت میں نواح عراق کی سیاحت کی تھی اور وہ اس زمین کے چپہ چپہ سے واقف تھے، اس لیے اُنھوں نے خاص طور پر ہدایت کر دی تھی کہ فوج کا جہان پڑاؤ ہو وہاں کے مفصل حالات لکھ کر آئیں، سعد بن وقاصؓ نے اس مقام کا نقشہ لشکر کا پھیلاؤ، فرد گاہ کی حالت اور سرحد کی کیفیت سے اُن کو اطلاع دی اُسکے جواب میں دربار خلافت سے ایک مفصل فرمان آیا جس میں فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب اور فوج کی تقسیم کے متعلق مفصل ہدایتیں درج تھیں، اسی کے ساتھ حکم دیا گیا کہ شرافت سے بڑھ کر قادیسیہ کو میدان کارزار قرار دیں اور اس طرح مورچے جمائیں کہ فارس کی زمین سامنے ہو اور عرب کا پہاڑی فطرت کا کام دے،

حضرت سعدؓ نے دربار خلافت کی ہدایت کے مطابق شرافت سے بڑھ کر قادیسیہ میں اپنا مورچہ جمایا اور نعمان بن مقرن کے ساتھ چودہ نامور اشخاص کو منتخب کر کے دربار ایران میں سفیر بنا کر بھیجا کہ شاہ ایران اور اُس کے رفقا کو اسلام کی ترغیب دیں لیکن جو لوگ دولت

حکومت کے نشہ میں محو رہتے، وہ خانہ بدوش عرب اور ان کے مذہب کو کب خاطر میں لاتے تھے؟ سفارت گئی اور ناکام واپس آئی،

اس واقعہ کے بعد کئی ماہ تک دونوں طرف سے سکوت رہا، رستم ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ سا باطین پڑا تھا، اور یزدگرد کی تاکید کے باوجود جنگ سے جی چر رہا تھا، اور مسلمان اس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے، اور رستم کیلئے مویشی وغیرہ حاصل کر لاتے تھے۔ اس حالت نے طول کھینچا تو مجبور ہو کر رستم کو مقابلہ کیلئے بڑھنا پڑا، اور ایرانی فوجیں سا باطین سے نکل کر قادیسیہ کے میدان میں خمیر زن ہوئیں۔

رستم قادیسیہ پہنچ کر بھی جنگ کو ٹالنے کی کوشش کرتا رہا، اور اس نے مددوں سفراء کی آمد و رفت اور نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رکھا لیکن مسلمانوں کا آخری اور قطعی جواب یہ تھا: "تھا کہ اگر اسلام یا جزیہ منظور نہیں ہے تو تلوار سے فیصلہ ہوگا، رستم جب مصالحت کی تمام تدبیروں سے مایوس ہو گیا تو سخت برہم ہوا اور اس نے قسم کھا کر کہا: "آفتاب کی قسم اب تمام عرب کو دیران کر دوں گا۔"

قادیسیہ کی فیلڈ کن جنگ انغرض رستم نے غضبناک ہو کر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا اور خود تمام رات جنگی تیاریوں میں مصروف رہا، صبح کے وقت قادیسیہ کا میدان عجیب سپاہیوں سے آویزون کا گل نظر آنے لگا جسکے پیچھے پیچھے ہاتھیوں کے کالے کالے پہاڑ عجیب خوفناک سمان پیدا کر رہے تھے، دوسری طرف مجاہدین اسلام کا لشکر جہاں صفت بستہ کھڑا تھا، اللہ اکبر کے نعروں میں جنگ شروع ہوئی، دن بھر ہنگامہ محشر برابر ہاشام کو جب بالکل تاریکی چھا گئی تو دونوں جہاں اپنے اپنے خمیوں میں واپس آئے قادیسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی میں اس کو یوم الارماث

کہتے ہیں

قادیسیہ کی دوسری جنگ معرکہ اغواٹ کے نام سے مشہور ہے شام کی چھ ہزار فوج عین
 معرکہ کے وقت پہونچی، حضرت عمرؓ کے قاصد بھی جن کے ساتھ بیش قیمت تحائف تھے عین
 جنگ کے وقت پہونچا اور بیکار کرکماہ امیر المومنین نے یہ انعام ان لوگوں کیلئے بجا ہے جو اس کا
 حق دار کریں "اُس نے مسلمانوں کے جوش و خروش کو اور بھی بھڑکادیا تمام دن جنگ ہوتی
 رہی مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے لیکن فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہوا،
 تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے اسمین مسلمانوں نے سب سے پہلے کوہ سپکر
 ہاتھیوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی کیونکہ ایرانیوں کے مقابلہ میں جاہدین اسلام
 کو ہمیشہ اس کالی آندھی سے زیادہ نقصان پہونچتا تھا، اگرچہ قحطاعؓ نے اونٹوں پر سیاہ جھول ڈالکر
 ہاتھی کا جواب ایجاد کر لیا تھا تاہم یہ کالے دیو جس طرف جھک پڑتے تھے صف کی صف پہنچ جاتی
 تھی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ضخیم و غیور ہارسی نو مسلموں سے اس بلائے سیاہ کے متعلق
 مشورہ طلب کیا اُنھوں نے کہا کہ ان کی آنکھیں اور سونڈ بیکار کر دی جائیں سعدؓ نے قحطاعؓ
 حمال اور زہج کو اس خدمت پر مامور کیا ان لوگوں نے ہاتھیوں کو زرخے میں کر لیا اور برچھے مار کر
 ان کی آنکھیں بیکار کر دیں قحطاعؓ نے آگے بڑھ کر تیل سفید کی سونڈ پر تلوار ماری کہ تنک الگ
 ہو گئی ہاتھی جھڑ جھڑی لیسکر بھاگا اس کا بھاگنا تھکا تھکا اُنھیں اُسکے پیچھے ہوئے اس طرح دم کے دم میں
 یہ سیاہ بادل چھٹ گیا،

اب بہادر دن کو حوصلہ آزمائی کا موقع ملا، دن بھر ہنگامہ کارزار گرم رہا، رات کے وقت
 بھی اس کا سلسلہ جاری رہا، اور اس زور کارن پڑا کہ نفرون کی گرج سے زمین دہل اُٹھتی تھی،
 اسی مناسبت سے اس رات کو لیلۃ التمریر کہتے ہیں، رستم پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ
 کرتا رہا، لیکن جب زخموں سے چور چور ہو گیا تو بھاگ نکلا اور ایک نہر میں کود پڑا کہ تیر کر کھلیے

ہلال نام ایک سپاہی نے تعاقب کیا اور ناگین پکا کر نرسے باہر کھینچ لایا پھر تلوار سے کام تمام کر دیا۔
 رستم کی دزدگی کے ساتھ سلطنت ایران کی قسمت کا بھی فیصلہ ہو گیا، ایرانی سپاہیوں کے ہاتھوں کھڑکے،
 مسلمانوں نے دور تک تعاقب کر کے ہزاروں لاشیں میدان میں بکھا دیں۔

قادیسیہ کے معرکوں نے خاندان کسریٰ کی قسمت کا آخری فیصلہ کر دیا، اور فتنہ کا دیانی ہمیشہ
 کے لیے سرنگون ہو گیا اور اسلامی علم نہایت شان و شوکت کے ساتھ ایران کی سرزمین پر
 لہرانے لگا، مسلمانوں نے قادیسیہ سے بڑھ کر آسانی کے ساتھ بابل، کوٹہ، بہرہ شیر اور خود بخیر لہی
 دارالحکومت مدائن پر قبضہ کر لیا ایرانیوں نے مدائن سے نکل کر جلولا کو اپنا فوجی مرکز قرار دیا اور
 رستم کے بھائی حمزہ زاد نے اپنے حسن ہند پر سے ایک بڑی زبردست فوج جمع کر لی، سعد نے ہاشم
 بن عتبہ کو جلولا کی تحریروں پر مامور کیا، جلولا چونکہ نہایت مستحکم مقام تھا، اس لیے عینون کے محاصرے
 کے بعد مغتوح ہوا، یہاں سے قفقاع کی سرکردگی میں ایک جمیعت حلوٰن کی طرف بڑھی، اور
 حنزد و دشنوم کو شکست دیکر شہر برقاہض ہو گئی،

قفقاع نے حلوٰن میں قیام کیا اور عام منادی کر دی کہ جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کر لیں
 وہ مامون و مصون رہیں گے، چنانچہ بہت سے امرا اور رؤسا برضا و رغبت اس منادی پر اسلام کی گھا
 میں آ گئے، یہ عراق کی آخری فتح تھی، کیونکہ یہاں اسکی حد ختم ہو جاتی ہے۔

تغیر عراق کے بعد حضرت عمرؓ کی دلی خواہش تھی کہ جنگ کا سلسلہ منقطع ہو جائے چنانچہ
 وہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے
 نہ ہم ان پر چڑھ کر جا سکتے، لیکن ایرانیوں کو عراق نکل جانے کے بعد کسی طرح چین نہیں آتا تھا،
 چنانچہ یزدگرد نے معرکہ جلولا کے بعد مرو میں اقامت اختیار کر کے نئے سرے سے حکومت کے
 ٹھانڈے لگائے اور تمام ملک میں فراہم و نقیب بھیج کر لوگوں کو عربوں کی مقادمت پر آمادہ کیا،

یزدگرد کے فرامین نے تمام ملک میں آگ لگا دی اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کا مذہبی دل
 قم میں آکر جمع ہوا، یزدگرد نے مردان شاہ کو سہ لشکر مقرر کر کے ہناوند کی طرف روانہ کیا اس
 معرکہ میں درفش کا دہانی جبکو عجم نہایت متبرک سمجھتے تھے فال نیک کے خیال سے نکالا گیا، چنانچہ
 مردان شاہ روانہ ہوا تو یہ مبارک پھر راس پر سایہ کرتا جاتا تھا،

حضرت عسکری نے نمان بن مقرن کو تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس ایرانی طوفان کو
 آگے بڑھ کر دکنے کا حکم دیا ہناوند کے قریب دونوں فوجیں سرگرم پیکار ہوئیں اور اس زوردار
 پڑاؤ کا دہیہ کے بعد ایسی خونریز جنگ کوئی نہیں ہوئی تھی یہاں تک کہ اس جنگ میں خود اسلامی
 سپہ سالار نمان شہید ہو گئے، ان کے بھائی نعیم بن مقرن نے علم ہاتھ میں لیکر بدستور جنگ کو جاری
 رکھا ارات ہوتے ہوئے عجمیوں کے پافون اٹھ گئے مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا، اس
 لڑائی میں تقریباً تیس ہزار عجمی کھیت رہے نتائج کے لحاظ سے مسلمانوں نے اس کا نام فتح مفتوح
 رکھا، یزدگرد جسکے ہاتھ سے حضرت عسکری کی شہادت مقدرتھی اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا،

عام لشکر کشی | واقعہ ہناوند کے بعد حضرت عسکری کو خیال پیدا ہوا کہ جب تک تخت کیانی کا دار
 ایران کی سرزمین میں موجود ہے بغاوت اور جنگ کا قتنہ فرد نہ ہوگا، اس بنا پر عام لشکر کشی کا ارادہ
 کیا اور اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کر کے مشہور افسروں کو خاص خاص ممالک پر مامور کیا، چنانچہ
 سترہ ہجری میں یہ سب غازیان اسلام اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہو گئے اور نہایت
 جوش و خروش سے حملہ کر کے تمام ملک کو اسلام کا زیرِ نگین کر دیا، یعنی صرف ڈیڑھ دو برس کے
 عرصہ میں کسریٰ کی حکومت دنیا سے نیست و نابود ہو گئی،

غازان کیانی کا آخری ناجداد ایران سے بھاگ کر خاقان کے دربار میں پہنچا، خاقان
 نے اس کی بڑی عزت و توقیر کی اور ایک فوج گران کے ساتھ یزدگرد کو ہمراہ لیکر خراسان کی طرف

برطرا اور خاقان نے احنف بن قیس کے مقابلہ میں صف آرائی کی لیکن صفائی کے دم ہی ہاتھ
نے اُسکے عزم و استقلال کو متزلزل کر دیا اور اُس کے ذہن نشین ہو گیا کہ ایسے بہادر وں کو چھینٹنا
مصلحت نہیں چنانچہ اسی وقت کوچ کا حکم دیکر اپنے حدود میں واپس چلا گیا،

بزد گرد کو خاقان کے واپس جانے کی خبر ملی تو یالوس ہو کر خزانہ اور جواہرات ساتھ لیا
اور ترکستان کا عزم کیا، بارہون نے دیکھا کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے روکا جواب
اس نے نہ مانا تو برسر مقابلہ اگر تمام مال و اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا، بزد گرد بے سر مسلمان
خاقان کے پاس پہنچا اور خدا کی نافرمانی کے باعث بدتون فرغانہ کی گلیوں میں خاک چھانتا رہا،
اللّٰهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تَوَفَّي الْمَلِكَ مِنْ تَشَاءُ ترجمہ: خدایا وہی ملوک کا مالک ہو جسکو چاہتا ہو ملک دیتا ہے
وَتَرْزُقُ الْمَلِكَ مِنْ تَشَاءُ وَتُعْزِمُنْ تَشَاءُ جس سے چاہتا ہو چھین لیتا ہے جسکو چاہتا ہو موت دیتا ہے
وَقَدْ دَلَّ مِنْ تَشَاءُ بِمَدِّكَ الرَّحْمِيَّةُ جسکو چاہتا ہو دولت دیتا ہے، ساری مملکتیں جس سے ہی ہاتھ
میں ہیں

احنف نے بارگاہ خلافت میں نامہ فتح روانہ کیا تو حضرت فاروق نے تمام آدمیوں کو جمع
کر کے یہ مزہ دیا کہ انفراسنایا اور ایک نوٹ تقریر کی آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو
اور اب وہ اسلام کو کسی طرح نقصان نہیں پہنچا سکتے، لیکن اگر تم بھی صراطِ مستقیم پر قائم نہ رہے تو خدا سے
بھی حکومت چھین کر دوسروں کو دیدے گا،

فتوحاتِ شام

ممالکِ شام میں سے اجنادین، بصری اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مقامات عہد
صدیقی میں فتح ہو چکے تھے، حضرت عمرؓ نے اُسے خلافت ہوئے تو دشمنِ خاصہ کی حالت میں
تھا، خالد سیف السد نے رجب ۱۲ء میں اپنے خاصِ حرمِ تدبیر سے اس کو مسخر کیا،

رومی دمشق کی شکست سے سخت برہم ہوئے اور ہر طرف سے فوجیں جمع کر کے مقام
 بیان میں مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے جمع ہوئے، مسلمانوں نے اُن کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا
 عیسائیوں کی درخواست پر معاذ بن جبل سیفر بنکر گئے، لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی،
 آخر کار ذو قعدہ ۱۲ھ میں فحل کے میدان میں نہایت خوفناک معرکہ پیش آئے، خصوصاً
 آخری معرکہ نہایت سخت تھا، لیکن میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا، غنیمت کے پاؤں اکھڑ گئے
 اور مسلمان صلیح اردن کے تمام شہر اور مقامات پر قابض ہو گئے، عریا ذمی قرار دی گئی اور
 ہر جگہ احسان کر دیا گیا کہ مفتوحین کی جان، مال، زمین، مکانات، گرجے، عبادت گاہیں
 سب محفوظ رہیں گی،

دمشق اور اردن مستوح ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے حمص کا رخ کیا، راہ میں جبلبک
 حماہ، شیرز اور سرعۃ النعمان فتح کرتے ہوئے حمص پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا، حمص والوں
 نے ایک مدت تک مدافعت کرنے کے بعد مصالحت کر لی، ابو عبیدہ سپہ سالار اعظم نے
 عبادہ بن صامت کو وہاں متعین کر کے لاذقیہ کا رخ کیا اور ایک خاص مہاجر سے اُس کے
 محکم فلوں پر قبضہ کر لیا،

حمص کی فتح کے بعد اسلامی فوجوں نے خاص ہرقل کے پایہ تخت انطاکیہ کا رخ کیا،
 لیکن بارگاہ خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے، اس لیے
 فوجیں واپس آگئیں،

میدان یرموک اور دمشق حمص اور لاذقیہ کی سیم اور متواتر ہزیمتوں نے قیصر کو سخت برہم کیا
 خاتم کی قیمت کا فیصلہ اور وہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی شہنشاہی کا

پورا زور صرف کرنے پر آمادہ ہوا، چنانچہ اس کی کوششوں سے انطاکیہ میں فوجوں کا ایک طوفان اُٹھ آیا،

حضرت ابو عبیدہؓ نے اس طوفان کو روکنے کیلئے افسروں سے مشورہ لیکر تمام ممالک مفتوحہ کو خالی کر کے دمشق میں اپنی قوت جمع کی اور ذمیوں سے جو کچھ جزیہ وصول کیا گیا تھا سب واپس کر دیا گیا، کیونکہ اب مسلمان اُن کی حفاظت سے مجبور تھے اس واقعہ کا عیسائیوں اور یہودیوں پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ روئے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے تھے کہ خدا تم کو جسد واپس لائے،

حضرت عمرؓ کو مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات سے ہٹا کر چلے آنے کی خبر ملی تو پہلے بہت رنجیدہ ہوئے لیکن جب معلوم ہوا کہ تمام افسروں کی یہی رائے تھی تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور فرمایا کہ خدا کی اسی میں مصلحت ہوگی، سعید بن عامر کو ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدد کیلئے روانہ کیا اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف میں جا کر زبانی یہ پیغام پہنچانا،

اَلَا تُحِبُّونَ يَحْيٰى بْنَ اِسْلَامٍ وَيَقِيْلَ لَكُمُ يٰ اَهْلَ الْاَسْلَامِ اَصَدَقُوا الْاَلْقَاءَ وَشَدَّ دَاْعِيَهُمْ
شَدَّ اللَّيْثُ وَلَمَّا كُنُوْا اِهْوٰنَ عَلَيْهِمْ مِّنَ الذَّرَقَاتِ قَدْ عَلِمْنَا اَنَّهُمْ عَلَيْهِمْ مِّنْصُورٌ ۝۹

اردن کے حدود میں یرموک کا میدان ضروریات جنگ کے لحاظ سے نہایت باوقی تھا اس لیے اس عظیم الشان کارزار کے لیے اسی میدان کو منتخب کیا گیا، رومیوں کی تعداد دو لاکھ تھی اُس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی لیکن سب کے سب

سہ کباب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۲۱،

علی ترجمہ، اسے برابر ان اسلام، عمر نے بعد سلام کے تمکو یہ پیغام دیا کہ پوری سرگرمی کیساتھ جنگ کرو اور دشمنوں پر زور کی طرح حملہ کرو، ہزاروں کو چینیوں کو زیادہ حقیر معلوم ہوں، ہر کو یقین کامل ہو کہ خدا کی نصرت تمہارے ساتھ ہو اور ختم غماری ہو گا،

یگانہ روزگار تھے، اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تقریباً ایک ہزار ایسے بزرگ تھے جنہوں نے رسول اللہ کا جمال مبارک دیکھا تھا اور سودہ تھے جو غزوہ بدر میں حضور خیر الانامؐ کے ہر کام پر چکے تھے، اسی طرح دوسرے مجاہدین بھی ایسے قبائل سے تعلق رکھتے تھے جو اپنی شجاعت اور سپہگری میں نظیر نہیں رکھتے تھے،

یروک کا پہلا معرکہ بے نتیجہ رہا، پانچویں رجب ۶۱ھ کو دوسرا معرکہ پیش آیا، رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے بانوں میں بیڑیاں بہن لی تھیں کہ بھاگنے کا خیال تک نہ آئے، ہزاروں پادری اور شہنشاہ ہتھوں میں صلیب لیے آگے آگے تھے اور حضرت عیسیٰؑ کا نام لے لیکر جوش دلاتے تھے، غرض رومیوں نے بڑے جوش سے حملہ کیا، لیکن انجام کار مسلمانوں کی ثابت قدمی اور پادری کے آگے ان کے بانوں اٹھ گئے، تقریباً ایک لاکھ عیسائی کھیت رہے، مسلمانوں کی طرف تین ہزار کا نقصان ہوا، قیصر کو اس ہزیمت کی خبر ملی تو حسرت و افسوس کے ساتھ شام کو الوداع کمر قطنینہ کی طرف روانہ ہو گیا، حضرت عمرؓ نے غزوہ فتح مکہ میں دقت سجدہ میں گر کر خدا کا شکر ادا کیا،

فتح یروک کے بعد اسلامی فوجیں تمام اطراف ملک میں پھیل گئیں اور قنسطنطنیہ کے جوہر سرین، قوزی، قورس، تل ہزار، دلوک، رعیان وغیرہ چھوٹے چھوٹے مقامات نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہو گئے،

بیت المقدس فلسطین کی مہم پر حضرت عمرو بن العاصؓ نامور ہوئے تھے انھوں نے نابلس، لد، عمواس، بیت جبرین وغیرہ بڑے شہروں پر قبضہ کر کے ۶۳ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا، اس اثنا میں حضرت ابو عبیدہؓ بھی اپنے مہمات سے فارغ ہو کر شریک ہو گئے، بیت المقدس کے

لے فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۳، واقعات کی تفصیل از دی سے ماخوذ ہے،

عیسائیوں نے کچھ دنوں کی ممانعت کے بعد مصاحمت پر آمادگی ظاہر کی اور مزید اطمینان کیلئے خواہش ظاہر کی کہ خود امیر المومنین بیان آئیں اور اپنے ہاتھ سے معاہدہ کھین لیں لیکن حضرت عمرؓ نے حضردی گئی تو انھوں نے اکابر صحابہ سے مشورہ کر کے حضرت علیؓ کو نائب مقرر کیا اور جب اسے مین مدینہ سے روانہ ہوئے

بیت المقدس کا سفر حضرت عمرؓ نہایت سادگی کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو کر جا بیٹھ پونچے بیان افسروں نے استقبال کیا اور دیر تک قیام کر کے بیت المقدس کا معاہدہ صلح ترتیب دیا، پھر وہاں سے روانہ ہو کر بیت المقدس میں داخل ہوئے پہلے مسجد تشریف لے گئے پھر عیسائیوں کے گرجا کی سیر کی، نماز کا وقت ہوا تو عیسائیوں نے گرجا میں نماز پڑھنے کی اجازت دی لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ آئندہ نسلیں اس کو حجت قرار دے کر سچی مسجد میں دست اندازی کریں باہر نکل کر نماز پڑھی

بیت المقدس سے واپسی کے وقت حضرت عمرؓ نے تمام ملک کا دورہ کیا، سرحدوں کا معائنہ کر کے ملک کی حفاظت کا انتظام کیا اور بخیر و خوبی مدینہ تشریف لائے

متفرق سرے کے بیت المقدس کی فتح کے بعد بھی متفرق سرے کے پیش آئے اہل جزیرہ کی مستعدی اور فتوحات اور ہرقل کی اعانت سے عیسائیوں نے دوبارہ محاصرہ کو شش صرف کی لیکن ناکام رہے فلسطین کے اضلاع میں سے قیاریہ نہایت آباد اور پُرونق شہر تھا، ۳۱ھ ہجری میں عمرو بن العاصؓ نے چڑھائی کی اور اس کے بعد شام تک متواتر حملوں کے باوجود فتح نہ ہو سکا، آخر ۳۱ھ کے اخیر میں امیر معاویہؓ نے ایک یہودی کی مدد سے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور شہر پر اسلامی پرچم لہرانے لگا، جزیرہ پر ۳۱ھ میں عبداللہ بن العنعم نے فوج کشی کی

مکرت کا ایک مہینہ تک محاصرہ رہا، چوبیس دفعہ حملے ہوئے آخر کار حسن بدمیر سے سخر ہو گیا۔
 باقی علاقوں کو عیاض بن غنم نے فتح کیا، اسی طرح سلمہ بن مغیرہ بن شعبہ نے خوزستان
 پر حملہ کیا، سلمہ بن وہ معز دل ہوئے اور ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے، انھوں نے
 نئے سردساران سے حملہ کیا اور اہواز، منافذ، سوسن راہز کو فتح کرتے ہوئے خوزستان کے
 صدر مقام شوشتر کا رخ کیا، یہ نہایت حکم اور قلعہ بند مقام تھا، لیکن ایک شخص کی رہنمائی سے
 مسلمانوں نے تہ خانہ کی راہ سے گھسکر اسکو سخر کر لیا، یہاں کا سردار ہرزان گرفتار ہو کر مدینہ
 روانہ کیا گیا، اُس نے وہاں پہنچ کر اسلام قبول کیا، حضرت عمر نہایت خوش ہوئے، خاص
 مدینہ میں رہنے کی اجازت دی اور دو ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا،

فتوحات مصر | حضرت عمرو بن العاصؓ نے اصرار کے ساتھ فاروق اعظمؓ سے اجازت لے کر
 چار ہزار فوج کے ساتھ مصر پر حملہ کیا، اور فرما، لم یس ام دین وغیرہ کو فتح کرتے ہوئے فسطاط
 کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور حضرت عمرؓ کو امدادی فوج کیلئے لکھا، انھوں نے دس ہزار فوج اور
 چار افسر بھیجے، افسروں کے نام یہ ہیں زبیر بن العوامؓ، عبادہ بن صامتؓ، عقیل بن سہمؓ
 سلمہ بن غنمؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ نے حضرت زبیرؓ کو ان کے رہنے کے لحاظ سے افسر بنایا،
 سات مہینے کے بعد حضرت زبیرؓ کی غیر معمولی شجاعت سے قلعہ سخر ہوا، وہاں سے فوجین
 اسکندریہ کی طرف بڑھیں، مقام کمربون میں ایک سخت جنگ ہوئی، یہاں بھی عیسائیوں کو
 شکست ہوئی اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا اور ایک عرصہ کے محاصرہ کے
 بعد اسکو بھی فتح کر لیا، حضرت عمرؓ نے مزدہ فتح سنا تو سجدہ میں گر پڑے اور خدا کا شکر ادا کیا،
 فتح اسکندریہ کے بعد تمام مصر پر اسلام کا سکہ بیٹھ گیا اور بہت سے قبطی برفضا و رغبت

حلقہ بگوش اسلام ہوئے،

شہادت | مغیرہ بن شعبہؓ کے ایک پارسی غلام فیروز نامی نے جسکی کنیت ابو لوطی تھی حضرت عمرؓ سے اپنے اہل کے بھاری محصول مقرر کرنے کی شکایت کی چونکہ شکایت بیجا تھی اس لیے حضرت عمرؓ نے توجہ نہ کی، اس پر وہ سخت ناراض ہوا، اور صبح کی نماز میں خنجر لیکر اچانک حملہ کر دیا اور تواتر چھوڑ کر کہے، حضرت عمرؓ زخم کے صدمے سے گر پڑے اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ناز پڑھائی، حضرت عمرؓ کو اس حادثہ میں ایسا زخم کاری لگا تھا کہ اُس سے جانبر نہ ہو سکے، لوگوں کے اصرار سے اُنھوں نے چھ شخصوں کو منصب خلافت کیلئے نامزد کیا، کسان میں سے کسی کو اس منصب کے لیے منتخب کر لیا جائے، اُن لوگوں کے نام یہ ہیں، علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، مقدادؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، اس مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ سے رسول اللہؐ کے پہلو میں مدفون ہونے کی اجازت لی۔

ہاجرین، انصار، اعراب اور اہل ذمہ کے حقوق کی طرف توجہ دلائی، اُس کے بعد اپنے صاحبزادہ عبداللہؓ کو وصیت کی کہ مجھ پر بقدر قرض ہو اگر وہ میرے متروکہ مال سے ادا ہو سکے تو بہتر ہے، ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اور اگر اُن سے نہ ہو سکے تو کل قریش سے، لیکن قریش کے سوا اور کسی کو تکلیف نہ دینا، غرض اسلام کا سب سے بڑا ہیرو ہر قسم کی ضروری وصیتوں کے بعد تین دن بیمار رہ کر حرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن ۲۳ ہجری میں واصل بحق ہوا اور اپنے محبوب آقا کے پہلو میں ہمیشہ کے لیے بیٹھی فرمید سورہ، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

ازواج و اولاد | حضرت عمرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد نکاح کیے اُن کے ازدواج کی تفصیل یہ ہے

زینبؓ ہمیشہ عثمان بن عفونؓ کہ میں سلمان ہو کر مر بن قریبہ بنت مہاجرہؓ کے ساتھ ہونے لگا
 اگو طلاق دیدی تھی بلکہ بنت ذوال شکرؓ کو بھی دیکھی، کبھی کسی وجہ سے ان کو بھی
 طلاق دیدی، عاتکہ بنت زید ان کا نکاح پہلے عبداللہ بن ابی بکرؓ سے ہوا تھا پھر حضرت
 عمرؓ کے نکاح میں آئیں، ام کلثومؓ، رسول اللہؐ کی نواسی اور حضرت فاطمہؓ کی نور بدیعہؓ
 حضرت عمرؓ نے خاندان نبوتؐ سے نطفہ پیدا کرنے کے لیے سترہ مہینہ چالیس ہزار
 مہر پر نکاح کیا،

ع
 خ عاتکہ بنت زید
 ابوعبیدہ بن جراح
 حصہ خانی و اولاد
 خانہ قصیدہ نام
 تھا

حضرت عمرؓ کی اولاد میں حضرت حفصہؓ اس لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں کہ وہ رسول اللہؐ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات میں داخل تھیں، حضرت عمرؓ نے اپنی کنیت بھی ان ہی کے نام پر رکھی تھی
 اولاد ذکر کے نام یہ ہیں عبداللہ حبیب اللہؓ، ابو شحمہ، عبدالرحمنؓ، زید، حمیرا ان سب میں
 عبداللہ حبیب اللہ اور عاصمؓ اپنے علم و فضل اور مخصوص اوصاف کے لحاظ سے نہایت شہید ہیں،



فاروقی کارنامے

فتوحات پر اجانی نظر | فتوحات کی جو تفصیل اوپر گزر چکی ہے اس سے تمکو معلوم ہوا ہو گا کہ مسلمانوں نے اپنے جوش، شہادت اور استقلال کے باعث حضرت عمرؓ کے وہ سالہ عہد خلافت میں روم و ایران کے دفتر الٹ دیے، لیکن کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ چند صحرائیوں نے اس قد قلیل مدت میں ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہو؟ بے شبہ سکندر پنجگیر اور تیمور نے تمام عالم کو تہ و بالا کر دیا تھا، لیکن ان کے فتوحات کھنڈی و غم کی غورستانی سے کوئی مناسبت نہ تھی وہ لوگ ایک طوفان کی طرح اُٹھے اور ظلم و خواری کے مناظر دکھاتے ہوئے ایک طرف سے دوسری طرف کو گزر گئے، پنجگیر اور تیمور کا حال تو سب کو معلوم ہے، سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ اُس نے ملک شام میں شہر صور فتح کیا تو ایک ہزار شہریوں کے سر کاٹ کر شہر سپاہ کی دیوار پر لٹکا دیے اور تیس ہزار بیگناہ غلوق کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا، اسی طرح ایران میں اصرار کو مسخر کیا تو تمام مردوں کو قتل کر دیا، برخلاف اسکے حضرت عمرؓ کے فتوحات میں ایک واقعہ بھی ظلم و تعدی کا نہیں ملتا، فتح کو خاص طور پر ہدایت تھی کہ بچوں بوڑھوں اور عورتوں سے مطلق تعرض نہ کیا جائے، قتل عام تو ایک طرف درختوں کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی، مسلمان حکام مفتوحہ اقوام کے ساتھ ایسا اچھا عدل و انصاف کرتے تھے اور اس طرح اخلاق سے پیش آتے تھے کہ تمام رعایا ان کی گردیدہ ہو جاتی اور اسلامی حکومت کو خدا کی رحمت تصور کرتی تھی، صرف یہی نہیں بلکہ وہ لوگ جو شہنشاہان میں مسلمانوں کی اعانت و مساعدت سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے، فتوحات شام میں خود شامیوں نے جاسوسی اور

خبر رسانی کی خدمت انجام دئی، حملہ مصر میں خود قبطیوں نے سفر مینا کا کام کیا، اسید طرح عراق میں خود عجمیوں نے اسلامی لشکر کیلئے پل بند ہوا دیے اور غنیم کے سارے مطلع کر کے نہایت گزرت در خدمات انجام دین ان حالات کی موجودگی میں سکندر اور جنگیز جیسے سفاکوں کا نام لینا کس قدر بے موقع ہے، سکندر اور جنگیز کی سفاکیاں فوری فتوحات کیلئے مفید ثابت ہوئیں لیکن جس سلطنت کی بنیاد ظلم و تعدی پر ہوتی ہے وہ کبھی دیر پا نہیں ہو سکتی چنانچہ ان لوگوں کی سلطنتیں بھی نقش بر آب ثابت ہوئیں، خلافت اسکے فاروق اعظم نے جو وسیع سلطنت قائم کی اُس کی بنیاد عدل، انصاف اور سالمیت پر قائم ہوئی تھی اس لیے وہ آج تیرہ سو برس کے بعد بھی اسی طرح اُن کے جانشینوں کے قبضہ اقتدار میں موجود ہے

یورپین مورخین عہد فاروقی کے اس بدیع المثال کارنامے کی اہمیت کم کرنے کے لیے بیان کرتے ہیں کہ اس وقت فارس دروم کی دونوں سلطنتیں طوائف الملوک اور سل سلیمون کے باعث اوج اقبال سے گر چکی تھیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا دنیا کی ایسی زبردست سلطنتیں بادشاہوں کے اول بدل اور معمولی اختلافات سے اس درجہ کمزور ہو گئی تھیں کہ رگیتان عرب کی ایک بے سرو سامان اور خانہ بدوش قوم کے مقابلہ سے بھی عاجز تھیں؟ ہم مانتے ہیں کہ روم و ایران میں قسطنطین اعظم اور خسرو پرویز کا جاہ و جلال نہ تھا تاہم ان سلطنتوں کا عرب جیسی بے سرو سامان قوم سے ٹکرا کر پُڑے پُڑے ہو جانا دنیا کا ایک عجیب و غریب واقعہ ہے اور ہم کو اس کا مازان سلطنتوں کی کمزوری میں نہیں بلکہ اسلامی نظام خلافت اور خلیفہ وقت کے طرز عمل میں تلاش کرنا چاہیے،

نظام خلافت | اسلام میں خلافت کا سلسلہ گو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد سے شروع ہوا اور

ان کے قلیل زمانہ خلافت میں بھی بڑے بڑے کام انجام پائے، لیکن نیشاپور اور باقاعدہ حکومت کا آغاز حضرت عمرؓ کے عہد سے ہوا، انھوں نے نہ صرف قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتوں کو اسلام کے مالک محروسہ میں شامل کیا بلکہ حکومت و سلطنت کا باقاعدہ نظام بھی قائم کیا اور اُس کو اس قدر ترقی دی کہ حکومت کے جب قدر ضروری شعبے ہیں سب اُن کے عہد میں وجود پذیر ہو چکے تھے، لیکن قبل اس کے کہ ہم نظام حکومت کی تفصیل بیان کریں، یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟

حضرت عمرؓ کی خلافت موجودہ زمانہ کی جمہوری طرز حکومت سے مشابہ تھی یعنی تمام ملکی و قومی مسائل مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پاتے تھے، اس مجلس میں مہاجرین و انصار کے منتخب واکا براہل الراے شریک ہوتے تھے، اور بحث و مباحثہ کے بعد اتفاق آرا یا اکثریت رائے سے تمام امور کا فیصلہ کرتے تھے، اس مجلس کے ممتاز اور مشہور ارکان یہ ہیں، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ،

مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک مجلس عام بھی تھی جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ تمام سرداران قبائل شریک ہوتے تھے، یہ مجلس عموماً نہایت اہم امور کے پیش آ جانے پر طلب کی جاتی تھی ورنہ روزمرہ کے کاروبار میں مجلس شوریٰ کا فیصلہ کافی ہوتا تھا، ان دونوں مجلسوں کے سوا ایک تیسری مجلس بھی تھی جسکو ہم مجلس خاص کہہ سکتے ہیں، اس میں صرف مہاجرین صحابہ شریک ہوتے تھے،

مجلس شوریٰ کے انعقاد کا عام طریقہ یہ تھا کہ منادی اُکھلاؤ جائے جمعہ کا اعلان کرتا تھا

لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے تھے تو حضرت عمرؓ دور کوٹ نماز پڑھ کر مسئلہ بحث طلبے متعلق مفصل خطبہ دیتے تھے، اُس کے بعد ہر ایک کی رائے دریافت کرتے تھے،

حکومت جمہوری کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور اغراض کے علاوہ اظہار کا موقع دیا جائے، نیز حاکم کے اختیارات محدود ہوں اور اُس کے طریق عمل پر ہر شخص کو نکتہ چینی کا حق ہو، حضرت عمرؓ کی خلافت ان تمام امور کی جامع تھی ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا تھا، اور خلیفہ وقت کے اختیارات کے متعلق خود حضرت عمرؓ نے متعدد موقعوں میں تصریح کر دی تھی کہ حکومت کے لحاظ سے اُن کی کیا حیثیت ہے؟ نمونہ کے لیے ایک فقرہ کے چند فقرے درج ذیل ہیں:

انما انا و ما لکم کو لی الیتیم ان استغثت
استغثت و ان افتقرت اکلک بالمرء
لکم علی ایھا الناس خصال فخذونی
بھا لکم علی ان لا تجتبی شئاً من خراجکم
ولا ما افاء اللہ علیکم الا من وجهہ لکم
علی اذان قہ فی یدئ ان لا یخرج
منی الا فی حقہ و لکم علی ان ارید فی اھطیائکم
واسد ثغورکم و لکم علی ان لا القی کم فی
المہالک

مجھ کو تمھارے مال میں ایسے کا حق جو حیثیت کے مال میں
اُس کے مربی کا ہوتا ہو اگر میں نہ دیکھوں گا تو کچھ نہ لوں گا
اور اگر صاحب حاجت ہوں گا تو امانت سے کھائے لیے لوں گا
صاحبو! میرے اوپر تمھارے متعدد حقوق ہیں جن کا تم کو
مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے، ایک یہ کہ ملک کا خرچہ اور مال
غنیمت بجا طور سے نہ جمع کیا جائے، ایک یہ کہ وہ میرے
ہاتھ سے بجا طور پر صرف ہونے پائے، ایک یہ کہ تمھارے
روزیئے بڑاؤن اور تمھاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں
اور یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں،

مذکورہ بالا تقریر صرف بفریب خیالات کی مناسبت نہ تھی، بلکہ حضرت عمرؓ نہایت سختی کے

ساتھ اسپر عامل بھی تھے، واقعات ذیل اس کی حریف بکرت تصدیق کیے ہیں ایک دفعہ حضرت حفصہؓ آپ کی صاحبزادی اور رسول اللہؐ کی زوجہ مطہرہ یہ خبر سن کر کہ مال غنیمت آیا ہے حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ امیر المؤمنین میں ذوی القربیٰ میں سے ہوں اس لیے اس مال میں سے مجھ کو بھی کچھ عنایت کیجئے حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ بیشک تم میرے خاص مال میں حق رکھتی ہو، لیکن یہ تو عام مسلمانوں کا مال ہے، افسوس تم نے اپنے باپ کو ٹھوکا دینا چاہا، وہ بچاری خفیف ہو کر چلی گئیں، ایک دفعہ خود بیمار پڑے لوگوں نے علان ح میں شہد تجویز کیا، بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں دے سکتے تھے سید بنی مین جا کر لوگوں سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں، ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں جب حضرت عمرؓ کی احتیاط کا یہ حال تھا تو ظاہر ہے کہ مہاتر امور میں وہ کس قدر محتاط ہوں گے،

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حکام پر نکتہ عینی کرنے کی ایسی عام آزادی دی تھی کہ معمولی سے معمولی آدمی کو بھی خود ذلیفہ وقت پر اعتراض کرنے میں ہاک نہیں ہوتا تھا، ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا، انا لله یا عمر یعنی اے عمر خدا سے ڈر، حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکنا چاہا لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں، کہنے دو اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصروف ہیں اور ہم نہ مانیں تو ہم، یہ عام آزادی صرف مردوں تک محدود نہ تھی، بلکہ عورتیں بھی مردوں کے قدم بقدم تھیں، ایک دفعہ حضرت عمرؓ زہرہ کے متعلق تقریر فرما رہے تھے ایک عورت نے اثناء تقریر میں ٹوک دیا اور کہا انا لله یا عمر یعنی اے عمر خدا سے ڈر، حضرت عمرؓ نے اعتراف کے طور پر کہا کہ ایک عورت بھی عمر سے زیادہ جانتی ہے

حقیقت یہ ہے کہ آزادی اور مساوات کی یہی عام ہوا تھی جس نے حضرت عمرؓ کی خلافت کو اس درجہ کامیاب کیا اور مسلمانوں کو جو شش، استقلال اور عزم و ثبات کا جسم پیدا بنا دیا تھا۔ خلافت فاروقی کی ترکیب اور ساخت بیان کرنے کے بعد اب ہم انتظامات ملکی کی طرف متوجہ ہونے ہیں اور دکھانا چاہتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد مبارک میں خلافت اسلامیہ کو کس طرح منظم اور باقاعدہ بنا دیا تھا؟ اور کس طرح حکومت کی لہریک شلخ کو مستقل محکمہ کی صورت میں قائم کر دیا تھا؟

نظام حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلا کام ملک کا صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کرنا ہے، اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے، سکی ابتدا کی اور تمام ممالک مفتوحہ کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا، مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین، ان صوبوں کے علاوہ تین صوبے اور تھے، خراسان، آذربائیجان، فارس ہر صوبہ میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے، والی یعنی حاکم صوبہ، کاتب یعنی سرمنشی، کاتب دیوان، یعنی فوجی محکمہ کا سرمنشی، صاحب الطرائج یعنی کلکٹر، صاحب احدات یعنی افسر پولیس، صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ، قاضی یعنی جج، چنانچہ کوفہ میں عمار بن یسارؓ، عثمان بن حنیفؓ، کلمر، عبداللہ بن سعدؓ، افسر خزانہ شریح قاضی عبداللہ بن الخزاعیؓ کاتب دیوان تھے،

بڑے بڑے عہدہ داروں کا انتخاب عموماً مجلس شوریٰ میں ہوتا تھا، حضرت عمرؓ کسی لائق رہسباز اور متدین شخص کا نام پیش کرتے تھے اور چونکہ حضرت عمرؓ میں فطری طور پر جو ہر شناسی کا مادہ و ددیعت کی "ارباب مجلس عموماً ان کے حسن انتخاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس نزالت کی اثر پر اتفاق رائے کر لیتے تھے چنانچہ ہنادی کی

عظیم الشان مہم کے لیے نعمان بن مقرنؓ کا اسی طریقہ سے انتخاب ہوا تھا،
 احتساب | خلیفہ وقت کا سب سے بڑا فرض حکام کی نگرانی اور تمام قوم کے اخلاق و عادات
 کی حفاظت ہے، حضرت عمرؓ اس فرض کو نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دیتے تھے، وہ اپنے
 ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، پھنسا ہوا ٹاٹا
 نہ کھائیگا، دروازے پر دربان نہ رکھے گا، اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رہیگا، اسی کے
 ساتھ اس کے مال و اسباب کی فہرست تیار کر کے محفوظ رکھتے تھے اور جب کبھی کسی عامل کی
 مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو جائزہ لیکر آدھا مال بٹالیتے تھے اور بیت المال میں
 داخل کر لیتے تھے، ایک دفعہ اکثر عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے، خالد بن صلت نے اشعار کے
 ذریعہ سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، اُنھوں نے سب کی موجودات کا جائزہ لیکر آدھا مال
 بٹالیا اور بیت المال میں واپس کر لیا، موسم حج میں اعلان عام تھا کہ جس عامل سے کسی کو شک
 ہو وہ فوراً بارگاہِ خلافت میں پیش کرے، چنانچہ ذرا در اسی شکا بیتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات
 ہو کر اس کا تدارک کیا جاتا تھا، ایک دفعہ ایک شخص نے شکایت کی کہ آپ کے خدان عامل
 نے مجھ کو بے قصور کوڑے مارے ہیں، حضرت عمرؓ نے مستینٹ کو حکم دیا کہ وہ مجمع عام میں اس
 عامل کو سو کوڑے لگائے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے التجا کی کہ عمال پر یہ امر گران ہوگا، حضرت
 عمرؓ نے فرمایا ”یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں“ عمرو بن العاصؓ نے منت جیتا
 کر کے مستینٹ کو راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض دو دواشہ فی لیکر اپنے حق سر
 باد آئے۔

حضرت خالد سیف اللہؓ جو اپنی جانبازی اور شجاعت کے لحاظ سے تاجِ اسلام کے

۱۔ استیعاب تذکرہ نعمان ۳۷ طبری صفحہ ۲۷۷ ۲۔ فتوح البلدان ۲۱۹ ۳۔ تاریخ طبری صفحہ ۲۶۶ ۴۔ کنز الدقائق

گوہر شاہوار اور اپنے زمانے کے نہایت ذی عزت اور با افر بزرگ تھے محض اس لیے معزول کر دیے گئے کہ انھوں نے ایک شخص کو انعام دیا ہے، حضرت عمر کو خبر ہوئی تو انھوں نے حضرت ابو عبیدہؓ سے سالار اعظم کو لکھا کہ خالی سے یہ انعام اپنی گھر سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی، دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیںؓ

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جو بصرہ کے گورنر تھے ان کی شکایتیں گزیریں کہ انھوں نے اسیرانِ جنگِ ین سے ساٹھ رئیس زادے منتخب کر کے اپنے لیے رکھ چھوڑے ہیں دوسری شکایت یہ تھی کہ انھوں نے کاروبار حکومت زیاد بن سفیان کے سپرد کر رکھا ہے تیسری شکایت یہ تھی کہ ان کے پاس ایک لونڈی ہے جسکو نہایت اعلیٰ درجہ کی غذا بہم پہنچائی جاتی ہے حالانکہ عام مسلمانوں کو اس قسم کی غذا میسر نہیں آسکتی، حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے مواخذہ کیا تو انھوں نے دو اعتراضوں کا جواب تشفی بخش دیا، لیکن تیسری شکایت کا کچھ جواب نہ دے سکے چنانچہ لونڈی ان کے پاس سے لے لی گئیؓ

حضرت سعد بن وقاصؓ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگا محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد وقاصؓ خاموشی سے دیکھا گئے، عیاض بن غنم عاملِ مصر کی نسبت شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور ان کے دروازہ پر دربان مقرر ہے، حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو تحقیقات پر مامور کیا محمد بن مسلمہ نے مصر ہو کر دیکھا تو واقعی دروازہ پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے پہنتے تھے اسی سبب اور لباس میں ساتھ لیکر مدینہ آئے، حضرت عمرؓ نے ان کا باریک کپڑا اتار دیا اور بالون کا کرتہ

پسنا کر جنگل میں بکری چرانے کا علم دیا، عیاض کو انکار کی مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مرجانا بہتر ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو تمھارا آبائی بیٹہ ہے، اس میں عار کیون ہے ہنوعن عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے،

حکام کے علاوہ عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی نگرانی کا بھی خاص اہتمام تھا، حضرت عمرؓ جسطرح خود اسلامی اخلاق کا نمونہ تھے، چاہتے تھے کہ اسی طرح تمام قوم مکرم اخلاق سے آراستہ ہو جائے، انھوں نے عرب صبیخی خمار قوم سے فخر و غرور کی تمام علامتیں مٹا دیں، یہاں تک کہ آقا اور نوکر کی تمیز بالکل اٹھا دی، ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے اُن کے سامنے ایک خان پیش کیا، حضرت عمرؓ نے فقیروں اور غلاموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا، اور فرمایا کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جنکو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار آتا ہے،

ایک دفعہ حضرت ابی ابن کعبؓ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے مجلس سے اُٹھے تو لوگ ادب اور عظیم کے خیال سے ساتھ ساتھ چلے اتفاق سے حضرت عمرؓ آئے، یہ حالت دیکھ کر ابی ابن کعبؓ کو ایک کوڑا لگا یا اُن کو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا او ماستری فتنۃ للمتبوع ومذلة للثانیؓ یعنی تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ امر متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کیلئے ذلت ہے،

شعرو شاعری کے ذریعہ سے ہجو و بد گوئی، عوب کا عام مذاق تھا، حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے حکماً اس کو بند کر دیا، حلیہ اس زمانہ کا مشہور ہجو گو شاعر تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو قید کر دیا اور آخر اس شرط پر رہا کیا کہ کبھی کسی کی ہجو نہیں لکھے گا، ہوا پرستی، رندی اور آوارگی کی نہایت

۱۔ کتاب الخراج ص ۶۶، ۲۔ ابوالغزوباب ہل بکس غلامہ معاذ اکل سے منڈاری صفر ۷۱۵ھ الخلیفہ متکبرہ زیدخان

شدت سے روک تھام کی، شراب کو عشیہ اشعار میں عورتوں کا نام لینے سے قطعی طور پر منع کر دیا، شراب خواری کی سزا سخت کر دی گئی، یعنی چالیس دُرے سے اسی دُرے کر دیے گئے، حضرت عمرؓ کو سب سے زیادہ اس کا خیال تھا کہ لوگ عیش پرستی اور تنعم کی زندگی میں مبتلا ہو کر سادگی کے جوہر سے معرا نہ ہو جائیں، افسردہ کو خاص طور پر پارسیوں اور عیسائیوں کے لباس اور طرز معاشرت کے اختیار کرنے پر چشم نائی فرمایا کرتے تھے، سرفشام میں مسلمان افسردہ کے بدن پر حریر و دیبا کے جلے اور پرتکلف قبائین و یکہکراستقد رخصا ہوتے کہ ان کو سنگریزے مارے اور فرمایا تم اس وضع میں میرا استقبال کرتے ہو،

حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو اخلاقِ ذمہ سے باز رکھنے کے ساتھ ساتھ مکارمِ اخلاق کی بھی خاص طور پر تعلیم دی، آزادی، مساوات اور عزتِ نفس کا خاص خیال رکھتے تھے اور تمام اعمال کو ہدایت تھی کہ مسلمانوں کو مارا نہ کریں، اس سے وہ ذلیل ہو جائیں گے،

ملکی نظم دنت | شام و ایران فتح ہوا تو لوگوں کی رائے ہوئی کہ مفتوحہ مقامات امرائے فوج کی جاگیر میں دیدیے جائیں، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کہتے تھے کہ جن کی تلواروں نے ملک فتح کیا ہے، انھیں کو قبضہ کا بھی حق ہے، حضرت بلالؓ کو اس قدر اصرار تھا کہ حضرت عمرؓ نے دق ہو کر فرمایا، اللھم! کفنی بجلالہ، خود حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ زمین باشندوں کے قبضہ میں رہنے دیجائے، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ بھی حضرت عمرؓ کے ہم آہنگ تھے، غرض مجلس عام میں یہ مسئلہ پیش ہوا، اور بحث و مباحثہ کے بعد فاروق اعظمؓ کی رائے پر فیصلہ ہوا،

حضرت عمرؓ نے عراق کی پیمائش کرائی، قابلِ زراعت اراضی کا بندوبست کیا، عسکر و خراج کا طریقہ قائم کیا، عشر کا طریقہ آنحضرتؐ اور حضرت صدیقؓ کے زمانہ میں جاری ہو چکا

تھا لیکن خرچ کا طریقہ اس قدر مضبوط نہیں ہوا تھا، اسی طرح شام و صبح لنگان قائم کیا، لیکن وہاں کا قاعدہ ملکی حالات کے لحاظ سے عراق سے مختلف تھا، تجارت پر عرش یعنی پہلی لگائی گئی یہ خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے جبکہ ابتدائوں ہوئی کہ سلمان جو غیر ممالک میں تجارت کے لیے جاتے تھے ان کو دس فیصدی ٹیکس دینا پڑتا تھا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے بھی غیر ملکی مال پر ٹیکس لگا دیا، اسی طرح گھوڑے پر بھی زکوٰۃ خاص حضرت عمرؓ کے حکم سے قائم کی گئی، ورنہ گھوڑے پہلے سستی تھے، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ نعوذ باللہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے جو الفاظ فرمائے تھے اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں، اس لیے تجارت کے گھوڑے کو سستی کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی

حضرت عمرؓ نے تمام ملک میں مردم شماری کرائی، تمام اضلاع میں باضابطہ عدالتیں قائم کیں، محکمہ قصاکے لیے اصول دو قواعد بنائے، قاضیوں کی پیش قرار تنخواہیں مقرر کیں کہ لوگ رشوت سستانی سے محفوظ رہیں، چنانچہ سلمان، ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہیں پانچ سو درہم ماہانہ تھیں اور امیر معاویہ کی تنخواہ ایک ہزار دینار تھی، اسی طرح حل طلب مسائل کے لیے محکمہ افتاء قائم کیا، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، معاذ بن جبلؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، ابی ابن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ابو ہریرہؓ، اور ابوذرؓ اس محکمہ کے ممتاز درکن تھے،

ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لیے حضرت عمرؓ نے ایک مستقل محکمہ پولیس کا قائم کیا، اس کے افسر کا نام صاحب الاصدات تھا، حضرت ابو ہریرہؓ کو کچر بن کا صاحب الاصدات بنایا تو ان کو خاص طور پر ہدایت کی کہ امن و امان قائم رکھنے کے علاوہ احتساب کی خدمت بھی انجام دین، احتساب کے متعلق جو کام ہیں مثلاً دوکاندار ناپ تول میں کمی نہ کریں، کوئی

شخص شاہراہ پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لاداجائے، شراب علانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ وغیرہ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا اور صاحبانِ احداث (افسران پولیس) اس خدمت کو بھی انجام دیتے تھے،

عہد فاروقی سے پہلے عرب میں جیلخانوں کا نام و نشان نہ تھا، حضرت عمرؓ نے اول کمینہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اُس کو جیلخانہ بنایا، پھر اور اضلاع میں بھی جیلخانے بنوائے، جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ ہی کی ایجاد ہے چنانچہ عجب نقضی کو بار بار شراب پینے کے جرم میں ایک جزیرہ میں جلاوطن کر دیا تھا،

بیت المال | خلافت فاروقی سے پہلے مستقل خزانہ کا وجود نہ تھا، بلکہ جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا، ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لیے خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا، اور اس میں کچھ داخل کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، چنانچہ ان کی وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا،

حضرت عمرؓ نے تقریباً ۱۵ھ میں ایک مستقل خزانہ کی ضرورت محسوس کی اور مجلس شوریٰ کی منظوری کے بعد مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا، دار الخلافہ کے علاوہ تمام اضلاع اور صوبہ جات میں بھی اس کی شاخیں قائم کی گئیں اور ہر جگہ اس محکمہ کے افسر جدا گانہ مقرر ہوئے، مثلاً اصفہان میں خالد بن حارث اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود خاص خزانہ کے افسر تھے،

صوبجات اور اضلاع کے بیت المال میں جب قدر رقم جمع ہو جاتی تھی وہ وہاں کے ساتھ

مصارف کے بعد اختتام سال پر صدر خزانہ یعنی مدیرہ منورہ کے بیت المال میں منتقل کر دی جاتی تھی، صدر بیت المال کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دار الخلافہ کے باشندہ کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے صرف اُس کی تعداد سالانہ تین کروڑ درہم تھی

بیت المال کے حساب و کتاب کے لیے مختلف رجسٹریوں سے، نیز اس وقت تک کسی مستقل سن کا عرب میں رواج نہ تھا حضرت عمرؓ نے سترھویں سنہ ہجری ایجاد کر کے یہ کی بھی پوری کر دی

تعمیرات | اسلام کا دائرہ حکومت جوقدر وسیع ہوتا گیا، اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا، حضرت عمرؓ کے عہد میں اسکے لیے کوئی مستقل صیغہ نہ تھا، تاہم صوبہ جات کے عمال اور حکام کی نگرانی میں تعمیرات کا کام نہایت منظم اور وسیع طور پر جاری تھا، ہر جگہ حکام کے بود و باش کیلئے سرکاری عمارتیں تیار ہوئیں، رفاہ عام کے لیے سڑک، پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں، فوجی ضروریات کے لحاظ سے قلعے، چھاؤنیاں اور بارکین تعمیر ہوئیں، مسافروں کیلئے ہمان خانے بنائے گئے، خزانہ کی حفاظت کیلئے بیت المال کی عمارتیں تیار ہوئیں، حضرت عمرؓ تعمیرات کے باب میں نہایت کفایت شعار تھے، لیکن وہ بیت المال کی عمارتیں عموماً شاندار اور محکم بنواتے تھے، چنانچہ کوفہ کے بیت المال کو روز بہ نامی ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور اس میں خسروانہ کی عمارت کا سالہ استعمال کیا گیا تھا،

مکہ معظمہ اور مدیرہ منورہ میں جو خاص باہمی تعلق ہے اس کے لحاظ سے ضروری تھا کہ ان دونوں شہروں کے درمیانی فاصلے کو سہل اور آرام دہ بنا دیا جائے، حضرت عمرؓ نے سترھویں سنہ میں اس کی طرف توجہ کی اور مدینہ سے لیکر مکہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں،

سہ طبری ذکر آبادی کوفہ،

اور چنے تیار کرائے،

ترقیِ زراعت کے لیے تمام ملک میں نہریں کھدوائی گئیں، بعض نہریں ایسی بھی تھیں جن کا تعلق محکمہ زراعت سے نہ تھا، مثلاً نہری موسیٰ جو محض بصرہ والوں کیلئے شیریں پانی بہم پہنچانے کے خیال سے درجہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی یہ نہر وکیل پٹی اسی طرح نہر سفل حبکی نسبت عربی ضرب الغل ہے اذا جاء نصر اللہ بطل نکرہ الغل

حضرت سعد بن وقاصؓ گورنر کوفہ نے بھی ایک نہر تیار کرائی جو سعد بن عمرو بن حرام کے نام سے مشہور ہوئی، لیکن اسی سلسلہ میں سب سے بڑی اور فائدہ رسان وہ نہر تھی جو نہر امیر المومنین کے نام سے زبان زد عام ہوئی اور جس کے ذریعہ سے دریائے نیل کو بحر قزقم سے ملا دیا گیا تھا،

سترات | مسلمان جب عرب کی گھاٹیوں سے نکل کر شام و ایران کے چمن نار میں پہنچے تو اُن کو یہ ممالک ایسے خوش آئند نظر آئے کہ اُنھوں نے وطن کو خیر باد کہہ کر یہیں طرح آقا مکتبی اور نہایت کثرت سے نوآبادیاں قائم کیں، حضرت عمرؓ کے عہد میں جو جو شہر آباد ہوئے اُن کی ایک اجمالی فہرست درج ذیل ہے،

بصرہ ۳۱۰ھ میں عتبہ بن غزوہ نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اس شہر کو بسایا تھا، ابتدا میں صرف آٹھ سو آدمیوں نے یہاں سکونت اختیار کی لیکن اسکی آبادی بہت جلد ترقی کر گئی یہاں تک کہ زیاد بن سفیان کے عہد میں صرف اُن لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی جبر میں درج تھے اسی ہزار اور ان کی آل و اولاد ایک لاکھ میں ہزار تھی، بصرہ اپنی علمی

طبری صفحہ ۲۵۲۸، فتح البلدان ص ۳۶۵، ایضاً ص ۳۶۶، ایضاً ص ۳۸۳

حسن المحاضرہ ص ۶۸

خصوصیات کے لحاظ سے مسلمانوں کا مایہ ناز شہر ہے

کوفہ، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے حکم سے نعمان بن منذر قدیم فرمان روا
عراق عرب کے پایہ تخت کو آباد کیا، چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے لائق مکانات بنوائے
گئے حضرت عمرؓ نے اس شہر کے بسا نے میں غیر معمولی دلچسپی ظاہر کی تھی نہایت تک کہ شہر کی وضع
اور ساخت کے متعلق بھی خود ہی ایک بار داشت لکھ بیٹھی تھی اس میں حکم تھا کہ شارع اے عام
چالیس چالیس ہاتھ چوڑی ہوں اور اس سے گھٹ کر ۳۰، ۳۰ ہاتھ اور ۲۰، ۲۰ ہاتھ رکھی جائیں
جائے مسجد کی عمارت اس قدر وسیع بنائی گئی تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آسانی سے
نماز ادا کر سکتے تھے، مسجد کے سامنے دو سو ہاتھ لمبا ایک وسیع سائبان تھا اور سنگ رخام کے
ستونوں پر قائم کیا گیا تھا، یہ شہر حضرت عمرؓ کے عہد میں اس عظمت و شان کو پہنچ چکا تھا
کہ وہ اس کو اس اسلام فرمایا کرتے تھے اعلیٰ حیثیت سے بھی ہمیشہ ممتاز رہا ہے امام بخاری، حماد،
امام ابو حنیفہ و امام شعبی اسی معدن کے عمل و گہر تھے

فسطاط، دریائے نیل اور جبل مقطم کے درمیان ایک کف دست میدان تھا، حضرت
عمرو بن العاص فاتح مصر نے ثنائے جنگ میں بیان پڑا دیا، اتفاق سے ایک کبوتر نے اُن کے
خیمہ میں گھونسا بنا لیا، عمرو بن العاص نے کوچ کے وقت قصداً اس خیمہ کو چھوڑ دیا کہ اس مہمان کو
تکلیف نہ ہو، مصر کی کمال تیسیر کے بعد انھوں نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اسی میدان میں
ایک شہر آباد کیا چونکہ خیمہ کو عربی میں فسطاط کہتے ہیں اس لیے اس شہر کا نام فسطاط قرار پایا،
فسطاط نے بہت جلد ترقی کر لی اور تمام مصر کا صدر مقام ہو گیا، چوتھی صدی کا ایک ستیاح
ان الفاظ میں اس شہر کے عروج و کمال کا نقشہ کھینچتا ہے، یہ شہر بغداد کا ناسخ، مغرب کا خزانہ اور

اور اسلام کا فخر ہے، نبیائے اسلام میں بیان سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتی ہیں، نہ بیان سے زیادہ کسی ساحل پر جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں۔“

موصول پہلے ایک گاؤں کی حیثیت رکھتا تھا، حضرت عمرؓ نے اسکو عظیم الشان شہر بنادیا ہر مشہور بن عرقیہ نے بنیاد رکھی اور ایک جامع مسجد تیار کرائی اور چونکہ یہ مشرق و مغرب کو باہم پیوستہ کرتا ہے اس لیے اس کا نام موصول رکھا گیا،

جسیرہ، فتح اسکندریہ کے بعد عمرو بن العاصؓ نے اس خیال سے کہ رومی دریا کی طرف سے حملہ نہ کرنے پائیں، تھوڑی سی فوج لب ساحل مقرر کر دی تھی، ان لوگوں کو دریا کا منظر ایسا پسند آگیا کہ وہ ان سے ہٹائے نہ ہوئے، حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کی حفاظت کیلئے اسلحہ عین ایک قلعہ تعمیر کرا دیا اور اس وقت سے بیان ایک مستقل نوآبادی کی صورت پیدا ہو گئی،

فوجی انتظامات اسلام جب رومن امپائر سے بھی زیادہ وسیع سلطنت کا مالک ہو گیا اور قیصر و کسریٰ کے عظیم الشان ممالک اس کا ورثہ بن گئے تو اسکو ایک منتظم اور با اصول فوجی سسٹم کی ضرورت محسوس ہوئی، ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے اس کی طرف توجہ کی اور انھوں نے تمام ملک کو فوج بنانا چاہا، لیکن چونکہ ابتدائیں ایسی تقسیم ممکن نہ تھی اس لیے پہلے قریش و انصار سے آغاز ہوا اور حرمہ بن نوفلؓ، جبیر بن مطعمؓ، عقیل بن ابیطالبؓ کے متعلق یہ خدمت سپرد کی گئی کہ قریش و انصار کا ایک رجسٹربار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب تفصیل سے درج ہو، غرض حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق رجسٹربار ہوا اور حسب حیثیت تنخواہیں مقرر ہوئیں، نیز ان کی بیوی بچوں کے گزارے کیلئے وظائف مقرر ہوئے، چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی اولاد ذکر کی تنخواہ دو دو ہزار درہم سالانہ مقرر ہوئی، اس موقع پر قابل لحاظ امر یہ ہے کہ جسیرہ کے تفصیلی حالات مغربی میں مذکور ہیں

کہ جن لوگوں کی جو تنخواہیں مقرر ہوئیں اُن کے غلاموں کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فاروق اعظمؓ نے مساوات کا کیسا سبق سکھایا تھا،

حضرت عمرؓ نے کچھ دنوں کے بعد اس نظام کو قریش و انصار سے وصحت دیکر تمام قبائل عرب میں عام کر دیا، کل ملک کی مردم شماری کی گئی اور ہر ایک عربی نسل کی علی قدر مراتب تنخواہ مقرر ہوئی، یہاں تک کہ شیر خوار بچوں کے لیے بھی دظائف کا قاعدہ جاری کیا گیا، گویا عرب کا ہر ایک بچہ اپنے یوم ولادت ہی سے اسلامی فوج کا ایک سپاہی تصور کر لیا جاتا تھا،

ہر سپاہی کو تنخواہ کے علاوہ کھانا اور کپڑا ملتا تھا کپڑے کی کوئی خاص ایسی وضع مقرر نہ تھی جسکو وردی کہہ سکیں، تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ ہر قبیلہ میں ایک عریف ہوتا تھا، اسی طرح ہر دس سپاہی پر ایک افسر ہوتا تھا جسکو امرا و الاعشار کہتے ہیں، تنخواہیں عریف کو دیتی تھیں، وہ امرائے اعشار کی معرفت فوج میں تقسیم کرتا تھا ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی چنانچہ اکوفہ اور بصرہ میں سو عریف تھے جن کے ذریعہ سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی، حسن خدرست اور کارگرداری کے لحاظ سے سپاہیوں اور افسروں کی تنخواہوں میں وقتاً فوقتاً اضافہ بھی ہوتا رہتا تھا، چنانچہ زہرہ، عصمہ، اور ضبی وغیرہ نے قادسیہ میں غیر معمولی جانبازی کا اظہار کیا تھا، اس صلہ میں اُن کی تنخواہیں دو دو ہزار سے ڈھائی ڈھائی ہزار ہو گئیں،

حضرت عمرؓ کو فوج کی تربیت کا بہت خیال تھا، انھوں نے نہایت تاکید سے احکام جاری کیے تھے کہ ممالک مفتوحہ میں کوئی شخص زراعت یا تجارت کا شغل اختیار نہ کرنے پائے کیونکہ اس سے اُن کے سپاہیانہ جوہر کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ تھا، سرد اور گرم ممالک پر حملہ کرنے وقت موسم کا بھی خاص لحاظ رکھا جاتا تھا کہ فوج کی صحت اور تندرستی کو نقصان نہ پہونچے،

لے تنخواہ کی تفصیل میں، دین غمکٹ ہیں، دیکھو کتاب الخراج ص ۲۲، مغربی ج ۱ ص ۹۲، بلاذری ج ۲ ص ۵۳، ۵۴، فتح البلدان ص ۹۲

تو اہل کے متعلق حضرت چارچون کے سیکھنے کی سخت تاکید کرتے، تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا، اور سنگے پانوں چلنا، ہر چار مہینے کے بعد باہیون کو رخصت دیجاتی تھی کہ وطن جا کر اپنے اہل و عیال سے ملیں، چنانچہ ایک بار اس میں تاخیر ہوئی تو فوج خود واپس چلی آئی، جفاکشی کے خیال سے حکم تھا کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے نہ سوار ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ کھانا نہ چھوڑیں، جماع میں نہ نہائیں،

موسم بہار میں فوج میں عموماً سرسبز و شاداب مقامات میں مسجدی جاتی تھیں، اسی طرح بارکون اور چھاؤنیوں کے بننے میں ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ رکھا جاتا تھا، کوچ کی حالت میں حکم تھا کہ فوج جمعہ کے دن مقام کرے اور ایک شب روز قیام رکھے کہ لوگ دم لیں، غرض حضرت عمرؓ نے تیرہ سو برس پیشتر فوجی تربیت کے لیے اعلیٰ اصول وضع کر دیے تھے کہ آج بھی اصولی حیثیت سے اس پر کچھ اعنا نہ نہیں ہو سکتا،

حضرت عمرؓ نے حسب ذیل مقامات کو فوجی مرکز قرار دیا تھا، مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، قسطنطنیہ، دمشق، حمص، اردن، فلسطین، ان مقامات کے علاوہ تمام اضلاع میں فوجی باکین اور چھاؤنیاں تھیں، جہاں تھوڑی تھوڑی فوج ہمیشہ متعین رہتی تھی،

فوج میں حسب ذیل عمدہ دار بھی لازمی طور پر رہتے تھے، خزانچی، محاسب، مترجم، طبیب، جراح اور جاسوس، جو غنیمت کے نقل و حرکت کی خبریں ہم پہنچایا کرتے تھے، یہ خدمت زیادہ تر ذبیحوں سے لی جاتی تھی، چنانچہ قیساریہ کے محاصرہ میں یوسف نامی یہودی نے جاسوسی کی خدمت انجام دی تھی، اسی طرح عراق میں بعض فساد اور محوکی اپنی خوشی کو اس خدمت کو انجام دیکر تھوڑا بچ بڑی بیکار و کانت تکون لعمریہوں کی کل حبیش ہر فوج میں حضرت عمرؓ کے جاسوس رہتے تھے،

۱۔ ابو داؤد کتاب الخراج باب تعقب الجوش ۲۔ فوج البلدان صفحہ ۱۴۸،

آلات جنگ میں سے علاوہ تیغ و سنان کے قلعہ شکنی کے لیے منجیق اور دبا بہ بھی ساتھ رہتا تھا، چنانچہ دمشق کے محاصرہ میں منجیقوں کا استعمال ہوا تھا،

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فوج حسب ذیل شعبوں میں منقسم تھی، مقدمہ، قلب، یمینہ، میسرہ، ساتھ، طلیعہ، سفر، نینا، رد، یعنی عقبی گارد، ترسوار، سوار، سپاہ، تیرانداز،

حضرت عمرؓ کو گھوڑوں کی پرورش پر داخت کا بھی نہایت اہتمام تھا، ہر ایک مرکز میں چار ہزار گھوڑے سادو سامان سے لیس رہتے تھے، موسم بہار میں تمام گھوڑے سرسبز و شاداب مقامات میں بھیج دیے جاتے تھے، انھوں نے خود مدینہ کے قریب ایک چراگاہ تیار کر لائی اور اپنے ایک غلام کو اس کی حفاظت اور نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا، گھوڑوں کی رانوں پر داغ کر کے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے، "حبیش فی سبیل اللہ"

عرب کی تلوار اپنے فتوحات میں کبھی غیروں کی ممنونِ احسان نہیں ہوتی تاہم حریتِ اقوام کو خود انہی کے محقّقوں سے لڑا تاقتِ جنگ کا سب سے بڑا اصول ہے، حضرت عمرؓ نے اسکو بھی نہایت خوبی سے انجام دیا تھا، صد ہائی یونانی اور رومی بہادروں نے اسلامی فوج میں داخل ہو کر مسلمانوں کے دوش بدوش نہایت وفاداری کے ساتھ خود اپنی قوموں سے جنگ کی تھی، چنانچہ قادیسہ کے معرکہ میں دورانِ جنگ ہی میں ایرانیوں کی چار ہزار فوج حلقہٴ اسلام میں آگئی اور سعد بن ابی وقاصؓ نے ان کو اسلامی فوج میں شامل کر لیا اور ان کی تختا بہن مقرر کر دیں، یہ یوکر کے معرکہ میں رومیوں کے لشکر کا مشہور سپاہی جارج صین حالفِ جنگ میں مسلمان ہو گیا، اور مسلمانوں کے دوش بدوش لڑ کر شہید ہوا،

منہجیت | مذہبی خدمات کے سلسلہ میں سب سے بڑا کام اشاعتِ اسلام ہے، حضرت عمرؓ کو اس میں

بہت اٹھا کر تھا، لیکن تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اخلاق کی قوت سے اُنھوں نے اپنے غلام کو اسلام کی دعوت دی، اُس نے باوجود ترغیب و ہدایت انکار کیا تو فرمایا لا اکراہ فی الدین یعنی مذہب میں جبر نہیں ہے، حکام کو ہدایت تھی کہ جنگ سے پہلے لوگوں کو محسن اسلام دکھا کر شریعتِ عزاء کی دعوت دی جائے، اسکے علاوہ اُنھوں نے تمام مسلمانوں کو اپنی تربیت اور ارشاد سے اسلامی اخلاق کا متم بنو نہ بنادیا تھا، وہ جطرت گزر جاتے تھے، لوگ اُن کے اخلاقی تفوق کو دیکھ کر خود بخود اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے، رومی سفیرِ اسلامی کیسپ میں آیا تو سالارِ فوج کی سادگی اور بے تکلفی دیکھ کر خود بخود اس کا دل اسلام کی طرف کھینچ آیا اور وہ مسلمان ہو گیا، مصر کا ایک رئیس مسلمانوں کے حالات ہی سُن کر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار کی جمیعت کے ساتھ مسلمان ہو گیا،

عربی قبائل جو عراق و شام میں آباد ہو گئے تھے وہ نسبتاً آسانی کے ساتھ اسلام کی طرف مائل کیے جاسکتے تھے، حضرت عمرؓ کو ان لوگوں میں تبلیغ کا خاص خیال تھا، چنانچہ اکثر قبائل معمولی کوشش سے حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے، مسلمانوں کے فتوحات کی بولبلی نے بھی بہت سے لوگوں کو اسلام کی صداقت کا یقین دلادیا، چنانچہ معرکہ قادسیہ کے بعد دِیلم کی چار ہزار عجمی فوج نے خوشی سے اسلام قبول کر لیا، سیطخ فتحِ جلولا کے بعد بہت سے رُوسا، برضا اور غمت مسلمان ہو گئے، جن میں بعض کے نام یہ ہیں: جمیل بن بصیر، بسطام بن ترسی، رضیل، فیروزان، قیاس چاہتا ہے کہ ان رئیسوں کا اثر اُن کی رعایا پر بھی پڑا ہوگا، عراق کی طرح شام و مصر میں بھی نہایت کثرت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے، خطاط میں ایک بڑا معاملہ نو مسلموں سے آباد کیا گیا تھا، غرض حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا، صرف یہی نہیں بلکہ اُنھوں نے

دین حنیف کی آئندہ اشاعت کیلئے راستہ بھی صاف کر دیا تھا،

اشاعتِ اسلام کے بعد سب سے بڑا کام خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین اور شعارِ اسلامی کو رواج عام دینا تھا، اس کے متعلق حضرت عمرؓ کے ساعی کا سلسلہ حضرت ابو بکرؓ ہی کے عہد سے شروع ہوتا ہے یعنی قرآن مجید جو اساسِ اسلام ہے حضرت عمرؓ کے اصرار سے عہدِ صدیقی میں مرتب کیا گیا تھا اس کے بعد انھوں نے اپنے عہد میں اس کے درس و تدریس کا رواج دیا، معلمین اور حفاظ اور نوذکر کی تنخواہیں مقرر کیں، حضرت عبادہ بن الصامتؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ جو حفاظِ قرآن اور صحابہ کبار میں سے تھے قرآن مجید کی تعلیم دینے کیلئے ملک شام میں روانہ کیا، قرآن شریف کو صحت کے ساتھ پڑھنے پڑھانے کے لیے تاکیدِ احکام روانہ کیے، ابن الانباری کی روایت کے مطابق ایک حکماء کے الفاظ یہ ہیں تعلوا عن اب القآن کما تعلمون حفظہ غرض حضرت عمرؓ کے ساعی جمیدہ سے قرآن کی تعلیم ایسی عام ہو گئی تھی کہ ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہین حافظوں کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچ گئی تھی چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حفاظ ہیں۔ اصولِ اسلام میں قرآن کے بعد حدیث کا درجہ ہے حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق جو خدمات انجام دیں ان کی تفصیل یہ ہے

احادیثِ نبوی کو نقل کر کے حکام کے پاس روانہ کیا کہ عام طور پر اسکی اشاعت ہو، مشاہیر صحابہ کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ روانہ کیا، اسطرح عبداللہ بن مسعودؓ، عمران بن حصینؓ اور عقیل بن یسارؓ کو سہ میقات میں مین بوضاحت مذکور ہے، ان عمر بن الخطابؓ، عثمان کا ناظرہ زکان المودنین وکامۃ المعلمین

بصرہ بھیجا، حضرت عبادہ بن الصامتؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کو شام کی طرف روانہ کیا، اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہ عدول ہیں لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے وقف تھے کہ جو چیزیں خالص بشری ہیں اُن سے کوئی زابطہ ستثنیٰ نہیں ہو سکتا، چنانچہ انھوں نے روایات قبول کرنے میں نہایت چھان بین اور احتیاط سے کام لیا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ کسی کام میں مشغول تھے حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ آئے اور تین دفعہ سلام کر کے واپس چلے گئے، حضرت عمرؓ کام سے فارغ ہوئے تو ابو موسیٰؓ کو بلا کر دریافت کیا کہ تم واپس کیوں چلے گئے تھے، انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو اگر اسپر بھی اجازت نہ تو واپس جاؤ، حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا، حضرت ابو موسیٰؓ نے حضرت سعیدؓ کو شہادت میں پیش کیا، اس طرح سلف کے سلسلہ میں بغیرہ نے حدیث روایت کی تو حضرت عمرؓ نے شہادت طلب کی چنانچہ جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو انھوں نے اُسکو تسلیم کیا، حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے تاخیر سے ثبوت طلب کیا، جب لوگوں نے تصدیق کی تو فرمایا مجھ کو تم سے بدگمانی نہ تھی بلکہ صرف اپنا اطمینان مقصود تھا،

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو کثرتِ روایت سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے، چنانچہ جب قرظہ بن کعب کو عراق کی طرف روانہ کیا تو خود دوزخ کا ساتھ لے گیا اور سجھا یا کہ دیکھو تم ایسے ملک میں جاتے ہو، جہاں قرآن کی آواز گونج رہی ہے، ایسا نہ کہ تم اُن کی توجہ کو قرآن سے ہٹا کر احادیث کی طرف مبذول کر دو، حضرت ابو ہریرہؓ نہایت کثرت سے روایتیں بیان کرتے تھے ایک دفعہ لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اس طرح

روایت کر سکتے تھے؟ اُنھوں نے کہا کہ اگر اُس زمانہ میں ایسا کرتا تو دُرے کھاتا،

حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے، حضرت عمرؓ خود بالمشافہ اپنے خطبوں اور تقریروں میں مسائلِ فقہیہ بیان کرتے تھے، اسی طرح دورِ دراز ممالک کے حکام کو مراسلات کے ذریعہ سے فقہی مسائل بتاتے تھے، مختلف فیہ مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کرتے تھے، اضلاع میں مجال اور افسردن کی تقرری میں عالم اور فقیہ ہونے کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا، تمام ممالک میں مدرسہ میں فقہاء مقرر کئے گئے تھے، جو احکامِ مذہبی کی تعلیم دیتے تھے، اور حسبِ بیان ابن جوزی حضرت نے فقہاء کی پیش فرار تھا، ان میں بھی مقرر کی تھیں، اس سے پہلے فقہاء اور معلمین کو تنخواہ دینے کا رواج نہ تھا، خلاصہ یہ کہ فاروقِ عظیمؓ کے عہد میں مذہبی تعلیم کا ایک مرتب اور منتظم سلسلہ قائم ہو گیا تھا، جسکی تفصیل کیلئے اس اجمال میں گنجائش نہیں!

عملی انتظامات کی طرف بھی حضرت عمرؓ نے بہت توجہ کی، تمام ممالک میں عہدہ دارین کثرت سے مسجدیں تعمیر کیں، امام اور موزن مقرر کیے، حرمِ محترم کی عمارت کافی نہ تھی، اسلئے اسکو وسیع کیا، غلافِ کعبہ کیلئے نطع کے بجائے قبائلی کا رواج دیا جو نہایت عمدہ کپڑا ہوتا ہے، اور مصر میں بنا جاتا ہے، اسی طرح مسجد نبویؐ کو بھی نہایت وسعت دی، پہلے طول سو گز کا تھا، انھوں نے ۴۰ گز کر دیا، اسی طرح عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا، نیز مسجد کے ساتھ ایک گوشہ میں چبوترہ بنوا دیا کہ جسکو بات چیت کرنا یا شعر پڑھنا ہو اُس کے لیے یہ جگہ رہے، مسجدوں میں روشنی اور فرش کا انتظام بھی حضرت عمرؓ کی عہد سے ہوا، حجاج کی راحت اور سائش کا بھی نہایت کافی انتظام تھا، ہر سال خود حج کیلئے جاتے تھے اور خبر گیری کی خدمت انجام دیتے تھے۔

متفرق انتظامات ملکی، فوجی اور مذہبی انتظامات کا ایک اجمالی خاکہ درج کرنے کے بعد اب ہم بعض ایسے متفرق انتظامات کا تذکرہ کرتے ہیں جو کسی خاص عنوان کے تحت میں نہیں آسکتے ہیں

۱۵۔ میں عرب میں قطر پڑا، حضرت عمرؓ نے اس مصیبت کو کم کرنے میں جو سگری ظاہر کی وہ ہمیشہ یادگار زمانہ ہوگی بیت المال کا تمام نقد و جنس صرف کر دیا، تمام صوبوں سے غنہ منگوا یا اور انتظام کے ساتھ قطر زدوں میں تقسیم کیا، اس طرح لاوارث بچوں کے دودھ پلانے اور پرورش و پرداخت کا انتظام کیا، غریب و مساکین کے روزیئے مقرر کیے اور اعلان عام کیلئے منبر پر چڑھ کر فرمایا،

انی فرمنت لكل فئس مسلة فی شهم
میں نے ہر مسلمان کے لیے فی ماہ دودھ گیون اور دودھ
مدی حنطہ و قسطی خل
سرکہ مقرر کیا،

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لیے بھی فرمایا ہاں غلام کے لیے بھی لیکن اس سے نہیں سمجھنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ اس نکتہ سے بچرہ تھے کہ مفت خوری سے لوگ کاہل ہو جائیں گے بلکہ درحقیقت انھوں نے جن لوگوں کے روزیئے مقرر کیے تھے وہ یا تو فوجی خدمت کے لائق تھے یا صنعت کے باعث کسب معاش سے عاجز تھے اس لیے یہ دونوں گروہ فیاضی کے مستحق تھے،

حضرت عمرؓ نے ملکی حالات سے واقفیت پیدا کرنے کے لیے انتظامات ملکی کے ہر صیغہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کیے تھے جسکی وجہ سے انھیں ہر جزئی واقعہ کی اطلاع ہوجاتی تھی مورخ طبری لکھتے ہیں

لے بیعتی جو صحفہ، ۷۰ میں اسکی تفصیل ہے، ۷۱ میں صحفہ ۱، ۷۲ میں فتوح البلدان ذکر العطار فی خلافة عمر بن الخطاب

وكان عملاً يخفى عليه شئ في علمه كتب
عمرہ کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی عراق میں جن لوگوں
الیہ من العراق مجروح من خراج دمشق
نے خراج کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیے گئے
بجائزۃ من اجین مجا
سب ان کو لکھا جاتا تھا،

محکمہ خبر رسانی کی سرگرمی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ نعمان بن عدی حاکم میان
عیش و عشرت میں مبتلا ہو کر اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا،

لعل امیر المؤمنین یسوا ۴۶
غالباً امیر المؤمنین برائے ان کے کہ ہم لوگ

تناذمنا بالحبی سق المتهدم
علوں میں رندانہ صحبتیں رکھتے ہیں،

اس محکمہ کو میان بی بی کے راز و نیاز کی بھی خبر ہو گئی، حضرت عمرؓ نے نعمان کو معزول کر کے
لکھا کہ ہاں مجھ کو بھاری یہ حرکت ناگوار ہوئی ہے،

عدل و انصاف | خلافت فاروقی کا سب سے نمایاں وصف عدل و انصاف ہے ان کے

عہد میں کہیں بال برابر بھی انصاف سے تجاوز نہیں ہوا، اور شاہ و گدا، شریف و درویش، عزیز و بیگانہ

سب کیلئے ایک ہی قانون تھا، ایک دفعہ عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ نے ایک

شخص کو بے وجہ مارا، حضرت عمرؓ نے اُسی مضر و ب سے اُن کے کوڑے لگوائے عمرو بن العاصؓ

بھی موجود تھے، دونوں باپ بیٹے خاموشی سے عبرت کا تاثر دیکھا کیے اور دم نہ مار سکے، جبکہ

بن ابیہم رئیس شام نے کعبہ کے طواف میں ایک شخص کو طمانچہ مارا، اس نے بھی برابر کا جواب

دیا، جبکہ حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو انھوں نے جواب دیا کہ جیسا کیا ویسا پایا، جبکہ اس شخص سے عبرت ہوئی

اور مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا،

حضرت عمرؓ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں تو اسامہ بن زیدؓ جو پہلے غلام تھے ان کی تنخواہ

اپنے بیٹے عبداللہؓ سے زیادہ مقرر کی، عبداللہؓ نے عذر کیا کہ واللہ اسامہ کسی باطن میں ہم سے ہے
 قاتل نہیں ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں، لیکن رسول اللہؐ اسامہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے
 فاروقی عدل و انصاف کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھا بلکہ ان کا ایوانِ عدل
 مسلمان ہیودی، عیسائی سب کیلئے یکساں تھا، قبیلہ بکر بن اہل کے ایک شخص نے حیرہ کے
 ایک عیسائی کو مار ڈالا، حضرت عمرؓ نے لکھا کہ قاتل وارثانِ مقتول کے حوالہ کر دیا جائے، چنانچہ وہ
 شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا سپرد کر دیا گیا اور اس نے اسکو قتل کر ڈالا، ایک دفعہ
 حضرت عمرؓ نے ایک پیر کیں سال کو گداگری کرتے دیکھا پوچھا تو بھیک کیوں مانگتا ہے؟
 اُس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے حالانکہ میں بالکل مفلس ہوں، حضرت عمرؓ اسکو اپنے گھر پر لے آئے
 اور کچھ نقد دیکر ہتم سببِ اِمال کو لکھا کہ اس قسم کے ذمی ساکین کے لیے بھی ذلیفہ مقرر کر دیا جائے،
 واللہ یہ انصاف نہیں ہے کہ اُن کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بڑھاپے میں اُن کی خبر گیری
 نہ کریں۔

عربوں کے عیسائیوں کو اُن کی متواتر بغاوتوں کے باعث جلا وطن کیا گیا مگر اس طرح
 کہ اُن کی تمام املاک کی دو چاند قیمت دیدی گئی، انجران کے عیسائیوں کو جلا وطن کیا گیا تو اُن کے
 ساتھ بھی عمدہ سلوک کیا گیا،

علم و فضل

اسلام سے قبل عرب میں لکھنے پڑھنے کا چندان رواج نہ تھا، چنانچہ جب آنحضرتؐ مبعوث
 ہوئے تو قبیلہ قریش میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا جانتے تھے، حضرت عمرؓ نے اُسی زمانہ

لے مستدرک حاکم ج ۳ مناقب عبداللہ بن عمرؓ، کتاب المذاہج ۲۲، ۲۳، فروع البلدان ۱۶۳، ۱۶۴، طبری ۲۱۶۲

لکھنا پڑنا سیکھ لیا تھا،

حضرت عمرؓ کے فرامین، خطوط، توقعات اور خطبے اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں، اُن سے اُن کی قوت تحریر، برجستگی کلام اور زورِ تقریر کا اندازہ ہو سکتا ہے، بیعتِ خلافت کے بعد جو خطبہ دیا ہے اُس کے چند فقرے یہ ہیں:

اللهم انی غلیظ فلیتی اللهم انی	اے خدا! میں سخت ہوں تو بھگ کو نرم کر دین، کمزور ہوں مجھ کو
ضعیف فقو انی الاوان العرب جمل	قوت دے، امان! عرب دے، اے سرکش اونٹ! بن چکی
آف وقد اعطیت خطامہ الاوانی	ہمارے ہاتھ میں دی گئی ہے لیکن میں اُن کو رستہ
حاملہ علی الحجۃ،	پر چلا کر چھوڑ دین گا،

قوتِ تحریر کا اندازہ اس خط سے ہو سکتا ہے جو ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام لکھا گیا تھا، اُس کے چند فقرے یہ ہیں:

اما بعد فان القیة فی العمل ان لا تقصر وا	اما بعد! مضبوطی عمل کی یہ ہے کہ آج کا کام کل پر
عمل الیس لم تغد فاذا فعلتم خالفکم	نہ! غما کرھو، ایسا کر گے تو تمھارے پاس بہت سے کام
تدارکت علیکم اما لکم فنامت دارا	جمع ہو جائیں گے پھر پریشان ہو جاؤ گے کہ کس کو کریں
ایہا مناخذون فاضعتم،	اور کس کو چھوڑیں! اس طرح کچھ بھی نہ ہو سکے گا،

شاعری میں خاص مہارت رکھتے تھے، بالخصوص تنقیدی حیثیت سے، تمام شعرا کے کلام اُن کی خاص رائیں، تھنین، مشاہیر، مین سے زہیر کے کلام کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے، کبھی خود بھی شعر کہتے تھے، لیکن اس کی طرف زیادہ توجہ نہ تھا،

نصاحت و بلاغت کا یہ حال تھا کہ ان کے بہت سے متولے ضربِ القتل بن گئے جو ان

سے بلاذری ص ۷۷، ابن کثیر ص ۱۳۱، کتاب المددہ میں اُن کے اشعار نقل کیے ہیں

ادب عربی کی جان ہیں، علم الانساب میں بھی ید طولی حاصل تھا، کیونکہ یہ علم کئی پشتوں سے ان کے خاندان میں چلا آتا تھا، ان کے والد خطاب مشہور نساب تھے، جا حظ نے لکھا ہے کہ جب وہ انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مدینہ پہنچ کر عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی، سند دارمی میں ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ توریت کا ایک نسخہ آنحضرتؐ کے پاس لیس گئے اور پڑھنا شروع کیا وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرتؐ کا ہر متغیر ہوتا جاتا تھا اس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ عبرانی زبان سے اس قدر واقف ہو گئے تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے،

حضرت عمرؓ فہم طباع اور صاحب الرائے واقع ہوئے تھے، اصابت رائے کی اس سے زیادہ کیا دلیل ہوگی کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں، اذان کا طریقہ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا، اسیران بدر کے متعلق جو رائے دی جی ای نے اسی کی تائید کی، تحریر خمر ازواج مطہرات کے پردہ اور مقام ابراہیم کو مصلے بنانے کے متعلق حضرت عمرؓ نے نزول وحی سے پہلے رسول مقبول صلم کو رائے دی تھی،

حضرت عمرؓ کو بارگاہ نبوت میں جو خاص تقرب حاصل تھا اس کے لحاظ سے قدرۃ انکو شرعی احکام اور عقائد سے واقف ہونے کا زیادہ موقع ملا، اور چونکہ طبیعت نکتہ رس واقع ہوئی تھی اس لیے آئندہ نسلوں کے لیے اجتہاد اور استنباط مسائل کی وسیع شاہراہ قائم کر دی وہ خود آنحضرتؐ کے زمانہ میں بھی شرعی مسائل پر غور و فکر کیا کرتے تھے اور اگر کوئی مسئلہ خلاف عقل معلوم ہوتا تھا تو آپ سے دریافت کرتے تھے، سفر میں قصر کا حکم دیا گیا تھا، لیکن جب راستے میں ہونے لگے تو حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ اب سفر میں یہ حکم کیوں باقی ہے؟ رسول اللہؐ

سہ کتاب البیان والتبیین ج ۱ ص ۱۱۷ سے سند دارمی ۲۳۶ سے تاریخ الخلفاء ۴۱۲ بخاری کے مختلف ابواب میں یہ روایت

فرمایا کہ یہ خدا کا افعام ہے،

مسائل دریافت کرنے میں مطلقاً پس و پیش نہیں کرتے تھے اور نہایت جرات اور آزادی کے ساتھ ایک ہی مسئلہ کو بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے، کلام کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے انھوں نے بار بار آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ آپ حق آگئے اور فرمایا سورہ نسا کی آخر آیت تیرے لیے کافی ہے،

وہ نہایت غور و توجہ کے ساتھ قرآن پاک تلاوت کرتے تھے اور ہر ایک آیت پر ایک ہفتہ یا حیثیت سے نگاہ ڈالتے تھے، ایک دن صحابہؓ کے مجمع میں اس آیت کے معنی پوچھے اپنی کچھ اُن تَنکُونِ لَجْنَتَہِ لَوْ کُنْ نے کہا واللہ اعلم حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ اس میں ایک کام کرنے والے کی تمثیل دی گئی ہے، چونکہ جواب ناقص تھا حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہ کی لیکن عبداللہ بن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے، حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ اُس آدمی کی تمثیل ہے جسکو خدا نے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بجا لائے لیکن اس نے نافرمانی کی تو اُس کے اچھے اعمال بھی برباد کر دیے جائیں گے۔

حضرت عمرؓ نے اُن مجید سے استدلال لانے میں نہایت ہمارت لکھتے تھے عراق و شام کی فتح کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ ممالک مفتوحہ مجاہدین کی ملکیت اور وہاں کے باشندے اُن کے غلام ہیں، حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ مقامات مفتوحہ کسی ایک شخص یا بہت سے مخصوص اشخاص کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ وقف عام ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کی

وَمَا آفَاةُ اللَّهِ عَلَى رَسُولٍ لِّمَنَ أَهْلَ الْقُرَىٰ الْمَ

سلسلہ احادیث میں جس قدر مرفوع احادیث حضرت عمرؓ سے مروی ہیں اُن کی تعداد

سفر سے زیادہ نہیں ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ صرف اسی قدر احادیث سے وقت
تھے بلکہ حقیقت اُنھوں نے اپنے عہدِ خلافت میں بمقدور احکام صادر فرمائے ہیں وہ سب
احادیث ہی سے ماخوذ ہیں یہ دوسری بات ہے کہ اس میں رسول اللہ کا نام نہیں لیا ہے
اور نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ رسول اللہ کی طرف کسی قول کو منسوب کرنے میں نہایت
معاظمت تھے اور جب تک اس کے ہر لفظ پر یقین نہ ہوتا تھا کہ رسول اللہ نے اسی طرح بیان فرمایا
اس وقت تک ہرگز ہرگز زبان سے قال رسول اللہ کا لفظ نہیں نکالتے تھے یہی وجہ
تھی کہ وہ خود بھی بہت کم احادیث روایت کرتے تھے اور دوسروں کو بھی کثرتِ روایت
سے روکتے تھے، چنانچہ علامہ مذہبی حضرت عمرؓ کے حالات میں لکھتے ہیں:

وَقَدْ كَانَ عِمْرَانُ مِنْ جَدِّهِ تَحْفَظُ الصَّاحِبَ هَلِي
 رَسُوْلُ اللّٰهِ اَمْرُهُمْ يَقُوْلُوْنَ الرَّايَةُ عَنْ نَبِيِّهِمْ

محدث کا سب سے بڑا فرض روایات کی تحقیق و تنقید اور جرح و تعدیل ہے اگرچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی اپنے عہد میں روایت کے قبول کرنے کے لیے ثبوت اور شہادت کا حال رکھا لیکن حضرت عمرؓ کو اس میں بہت زیادہ غلو تھا اور جب تک روایت و دایت و لون و حیثیت سے اس کا ثبوت نہ پہنچتا قبول نہ کرتے اس کی مثالیں تفصیل کے ساتھ مذہبی خدات کے سلسلہ میں مذکور ہو چکی ہیں اس لیے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں

فقہ کا سلسلہ بھی درحقیقت حضرت عمرؓ کی کا ساختہ و پرداختہ ہے اُن سے اس قدر فنی مسائل منقول ہیں کہ اگر جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے! استنباط احکام اور فروعی مسائل کیسے بھی اُنھوں نے ایک شاہراہ قائم کر دی تھی مختلف فیہ مسائل کے طے کرنے کے لیے اِجلِ اعلیٰ صاحب جس کثرت سے حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوا بھر نہیں ہوا،

اخلاق و عادات

حضرت سرور کائنات صلیم کی بعثت کا حقیقی مقصد دنیا کو برگزیدہ اور پسندیدہ اخلاق کی تعلیم دینا تھا جیسا کہ خود ارشاد فرمایا بعثت لا اتمم مکارم الا اخلاق چونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو براہ راست اس سرچشمہ اخلاق سے سیراب ہونے کا موقع ملا تھا، اس لیے اس جماعت کا حسنِ اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھا لیکن حضرت عمرؓ کو جو قربِ خاص حاصل تھا اُس کے لحاظ سے اُن کو زیادہ حصہ ملا، دو محاسن و محامد کی مجسم تصویر تھے اور اُن کے آئینہ اخلاق میں خلوص، انقطاع الی اللہ، لئلا یذنبوا سے اجتناب، حفظِ لسان، حق پرستی، راست گوئی، تواضع اور سادگی کا عکس سب سے زیادہ نمایان نظر آتا ہے، حضرت عمرؓ کے یہ اوصاف خود اُن کی ذات تک محدود نہ تھے، بلکہ جو اُن کی محبت میں رہتا تھا وہ بھی کم و بیش متاثر ہو کر اس قالب میں ڈھل جاتا تھا، سوز بنِ خرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے کہ اُن سے بہرہ گیری و تقویٰ سیکھیں، عہدِ فاروقی کے افسروں اور عہدہ داروں کے حالات کا بغور مطالعہ کرو، تم کو معلوم ہوگا کہ وہ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے،

خوفِ خدا | اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ خشیتِ الہی اور خداوندِ جل و علا کی بے جبروتیت و عظمت کا غیر متزلزل یقین ہے، جو دلِ خشوع و خضوع اور خوفِ خداوندی سے خالی ہوتا ہے اس کی حقیقت ایک سفوفِ گوشت سے زیادہ نہیں ہوتی، حضرت عمرؓ تقویٰ و خضوع کے ساتھ رات رات بھر نمازیں پڑھتے جب صبح ہونے کو آتی تو گھر والوں کو

جگاتے اور یہ آیت پڑھتے وامر اهلك بالصلاة، نماز میں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے جس میں قیامت کا ذکر یا خدا کی عظمت و جلال کا بیان ہوتا، اور اس سے اس قدر متاثر ہوتے کہ کہ روئے رونے چکی بندھ جاتی، حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ میں باوجودیکہ کھلی صوف میں رہتا تھا لیکن حضرت عمرؓ کی آیت انما انشکى مني وحنني الى الله پڑھ کر اس زور سے روتے تھے کہ میں رونے کی آواز سنتا تھا، حضرت امام حسنؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت نماز پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے ان عَذَابٌ رَجِيفٌ لَّوِاقِعٌ مَّا لَهُ مِنْ دَافِعٍ تو بہت متاثر ہوئے، اور روتے روتے آنکھیں سوج گئیں، اسی طرح ایک دفعہ اس آیت پُرُوْذُ الْاَقْلُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مَّقْرُونِينَ دَعَا الْهٰنَا لَكَ تَبَوُّؤًا اس قدر خضوع و خضوع طاری ہوا کہ اگر کوئی شخص جو ان کے حال سے واقف نہ ہوتا دیکھ لیتا تو سمجھتا کہ اسی حالت میں روح پرداز کر جائیگی، رقتِ قلب اور عبرت پذیری کا یہ عالم تھا کہ ایک روز صبح کی نماز میں سورہ یوسف شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچے وَاَبْيَضَّتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ تو زار و قطار رونے لگے، یہاں تک کہ قرآن ختم کر کے رکوع پر مجبور ہو گئے۔

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا، صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی سے کہا کہ تم کو یہ پسند ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام لائے، ہجرت کی، جہاد اور نیک اعمال کیے، اسکے بدلہ میں دوزخ سے نجات پائیں اور عذاب و ثواب برابر ہو جائے۔ بولے خدا کی قسم نہیں ہم نے آپ کے بعد بھی روزہ رکھا، نماز پڑھی، بہت سے نیک کام کیے، اور ہمارے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام لائے، ہم کو ان اعمال سے بڑی بڑی توقعات تھیں مولا امام مالک باب اجاز فی الصلوۃ لیس بخاری کتاب الصلوۃ باب اذا کی الامام فی الصلوۃ سے ترجمہ ہے رب کا عذاب یقینی ہو کر رہنے والا ہے، انکو کوئی دفع کرنے والا نہیں ہے، ائمہ کفر و اعمال ج ۶ ص ۳۴

ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے مجھے تو یہی فہمیت معلوم ہوتا ہے کہ آپ عذاب سے بچ جائیں اور نیکی اور بدی برابر ہو جائیں، ایک بار راہ میں ایک نکاحاٹھا لیا اور کہا: کاش میں بھی خس و خاشاک ہوتا، کاش میں پیدا ہی نہ کیا جاتا! کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی تھے، فرض حضرت عمرؓ کا دل ہر لمحہ خوفِ خداوندی سے لرزان و ترسان رہتا تھا، آپ فرماتے کہ اگر آسمان سے نڈا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا کے لوگ جنتی ہیں تب بھی مواخذہ کا خوف زائل نہوگا کہ شاید وہ ایک بدقسمت انسان میں ہی ہوں۔

حب رسول | تہذیب نفس اور اخلاق حمیدہ سے مزین ہونے کے لیے ہر مسلمان کا فرض ہے
اتباع سنت | کہ اپنے دل میں سب درخل غلطی یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خالص محبت اور اتباع سنت کا صحیح جذبہ پیدا کرے، رسول اللہؐ کی محبت سے خالی اور جو قدیم اسوہ حسنہ کے جادہ فہم سے منحرف ہے وہ کبھی سعادت کو نین کی نعمت سے متنع نہیں ہو سکتا، ہر ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کہ اپنی جان کے سوا حضورؐ تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں، ارشاد ہوا: عمر! میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہونا چاہیے، حضرت عمرؓ نے کہا اب حضورؐ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں!

حضرت عمرؓ جمالِ نبوت کے سچے شیدائی تھے، ان کو اس راہ میں جان، مال، اولاد اور عزیز و اقارب کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا، عاصی بن ہشام جو حضرت عمرؓ کا مومن تھا معرکہ بدر میں خود ان کے ہاتھ سے مارا گیا، سبط جب آنحضرتؐ نے اذواجِ مطہراتؓ سے ناراض ہو کر علیؑ کی اختیار کر لی تو حضرت عمرؓ نے یہ خبر سن کر حاضر خدمت ہونا چاہا، بار بار اذن طلب کرنے پر بھی اجازت نہ ملی تو پکار کر کہا: خدا کی قسم میں حصہ کی سفارش کے لیے نہیں آیا ہوں اگر رسول اللہؐ حکم دیں

تو اس کی گردن مار دوں،

حضرت عمرؓ کی محبت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہؐ نے وفات پائی تو ان کو کسی طرح اس کا یقین نہیں آتا تھا، مسجد نبویؐ میں حالتِ وارفتگی میں مقیم کھا کھا کر اعلان کرتے تھے کہ جو کسے گھا کہ میرا محبوب آقا دنیا سے اٹھ گیا تو اس کا سر اڑا دوں گا! آپ کے وصال کے بعد جب کہیں عہد مبارک یاد آ جاتا تو رقت طاری ہو جاتی اور روتے روتے بیتاب ہو جاتے، ایک دفعہ سفرِ شام کے موقع پر حضرت بلالؓ نے سجدِ اقصیٰ میں اذان دی تو رسول اللہؐ کی یادِ نازہ ہو گئی اور اس قدر روتے کہ بچی بندھ گئی،

قاعدہ ہے کہ محبوب کا عزیز بھی عزیز ہوتا ہے اس بنا پر جن لوگوں کو آنحضرتؐ اپنی زندگی میں عزیز رکھتے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے ایامِ خلافت میں ان کا خاص خیال رکھا، اسامہؓ ابن زید کی تنخواہ اپنے بیٹے عبداللہؓ سے زیادہ مقرر کی، عبداللہؓ نے عذر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ رسول اللہؐ اسامہؓ کو مجھے زیادہ عزیز رکھتے تھے، اسبیطح فتح مدائن کے بعد مالِ غنیمت آیا تو حضرت عمرؓ نے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو ہزار ہزار درہم مرحمت فرمائے اور اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ کو صرف پانچ سو دیے، حضرت عبداللہؓ نے عذر کیا اور کہا کہ جب یہ دونوں بچے تھے اس وقت بھی میں رسول اللہؐ کے ساتھ معرکوں میں پیش پیش ہا ہوں، حضرت عمرؓ نے کہا ہاں! لیکن ان کے بزرگوں کا جو رتبہ ہے وہ تیرے باپ دادا کا نہیں ہے، حضرت عمرؓ ازواجِ مطہرات کی راحت و آسائش اور عزت و احترام کا بھی خاص لحاظ رکھتے تھے چنانچہ ان کی تنخواہ ان بارہ بارہ ہزار مقرر کیں اور یہ سب سے بڑی مقدار تھی،

۱۔ فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۵۱، ۲۔ فتح الشام از دی فہم بیت المقدس ۳۔ مستدرک جلد ۳

مقابہ عبداللہ بن عمرؓ سے کتاب الخراج صفحہ ۲۴

سۃ ہجری میں جب امیر الحاج بنکر گئے تو ازداج مطہرات کو بھی نہایت ادب و احترام کے ساتھ ہمراہ لے گئے، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو سوار یوں کے ساتھ کر دیا تھا، یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے، اور کسی کو سوار یوں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے، ازداج مطہرات منزل پر اتارتی تھیں تو حضرت عمرؓ کے ساتھ قیام کرنی تھیں اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کسی کو قیام گاہ کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے،

ابتداء سنت حضرت عمرؓ کے دستور عمل کا سب سے زین صفحہ تھا وہ خورد و نوش، لباس و وضع، نشست و برخاست، غرض ہر چیز میں اسوہ حسنہ کو پیش نظر رکھتے تھے، چونکہ رسول اللہؐ نے ہمیشہ فقر و فاقہ سے بسر کیا اس لیے انھوں نے بھی روم و ایران کی شاہنشاہی بننے کے بعد بھی فقر و فاقہ کی زندگی کا ساتھ دھوڑا، ایک دفعہ حضرت حفصہؓ نے کہا کہ اب خدا نے مرزا حالی عطا فرمائی ہے اس لیے آپ کو نرم کپڑا اور نفیس غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہیے، حضرت حفصہؓ نے کہا جان پرہیزم رسول اللہؐ کی عسرت اور تنگ حالی کو بھول گئیں، خدا کی قسم میں اپنے آقا کے نقش قدم پر چلون گا کہ آخرت کی فراغت اور خوش حالی نصیب ہو، اس کے بعد وہ دیر تک رسول اللہؐ کی عسرت کا تذکرہ کرتے رہے، یہاں تک کہ حضرت حفصہؓ بیتاب ہو کر رونے لگیں۔

ایک دفعہ زید بن ابی سفیان کے ساتھ شریک طعام ہوئے معمولی کھانے کے بعد دسترخوان پر جب عمدہ کھانے لائے گئے تو حضرت عمرؓ نے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے اگر تم رسول اللہؐ کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو خدا تم کو جاہ و ستیتم سے محروم کر دیگا۔

اسلام میں شعار اللہ کی تعظیم کا حکم ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو بوسہ دیا تھا، حضرت عمرؓ کو اپنے دامۂ خلافت میں جب اس کا موقع پیش آیا تو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ اس پتھر کے بوسہ دینے سے کبھی مسلمانوں کو یہ دھوکا ہو کہ اس میں بھی اتنی شان ہے، اس لیے حجر اسود کو بوسہ دیا تو حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا،

اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّکَ حَجَرٌ وَاَنْکَ لَا تَنْفَعُکَ
 مَنِّعٌ دَلُوْکَ اِنِّیْ رَاِیْتُ دَسُوْلَ اللّٰهِ
 مَنِّعٌ لِّکَ مَا قَبْلَکَ،
 میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا
 نہ نفع اگر دین رسول اللہ کو بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو تجھے ہرگز
 بوسہ نہ دیتا،

اسی طرح طواف میں رمل کا حکم مشرکین کو رعب دلانے پر مبنی تھا لیکن جب خدا نے ان کو ہلاک کر دیا تو حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اب رمل سے کیا فائدہ ہے مگر پھر آنحضرتؐ کی یادگار کو ترک کرنے پر جرأت نہ ہوئی،

حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کام جس طرح کرتے دیکھا تھا ان کی کوشش تھی کہ وہ بھی اسی طرح عمل پیرا ہوں، ایک دفعہ رسول اللہؐ نے دو اہلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھی تھی حضرت عمرؓ جب اس طرف سے گزرتے تو اس جگہ دو رکعت نماز ادا کر لیتے تھے، ایک شخص نے پوچھا یہ نماز کیسی پڑھ آپ نے فرمایا کہ میں نے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تھا،

حضرت عمرؓ کی کوشش صرف اپنی ذات تک محدود نہ تھی بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ہر شخص کا دل اتباع سنت کے جذبہ سے لبریز ہو جائے، ایک دفعہ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، حضرت عمرؓ نے عین خطبہ کی حالت میں اس کی طرف دیکھا اور کہا یہ کیا وقت ہے؟ انھوں نے کہا میں بازار سے آ رہا تھا کہ اذان سُنی، وضو کر کے فوراً حاضر ہوا،

لے بخاری کتاب الحج، ص ۳۸۸ باب الصلوۃ فی الجلیفہ

حضرت عمرؓ نے کہا دھنور کیوں اکتفا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے،
 دہر و قناعت^۱ دنیا طلبی اور حرص تمام بد اخلاقیوں کی بنیاد ہے، اس لیے حضرت عمرؓ کو
 اس سے طبعی نفرت تھی یہاں تک کہ خود اُن کے ہر بہتہ معاشرین کو اعتراف تھا کہ وہ زہر
 و قناعت کے میدان میں سب سے آگے ہیں حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ قدامت سلام
 اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو عمر بن خطابؓ برفوقیت حاصل ہے لیکن زہر
 و قناعت میں وہ سب سے ٹھہے ہوئے ہیں، صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت
 کچھ دینا چاہتے تھے وہ عرض کرتے تھے کہ مجھ سے زیادہ حاجتمند لوگ موجود ہیں اور وہ اس عطیہ کے
 زیادہ مستحق ہیں! آنحضرت ارشاد فرماتے کہ اسکو لے لو پھر تمہیں اختیار ہے اپنے پاس رکھو یا
 کر دو، انسان کو اگر بے طلب لجا لے تو لے لینا چاہیے۔

حضرت عمرؓ کا جسم کبھی نرم اور ملائم کپڑے سے مس نہیں ہوا بدن پر بارہ بارہ پیوند کا
 کرتہ، سر پر پٹھا عمامہ اور پانوں میں بھٹی جوتیاں ہوتی تھیں پھر اسی حالت میں قیصر کسریٰ
 کے سفیر دن سے ملتے تھے، اور دود کو اپنے دربار میں بار بار کرتے تھے، مسلمانوں کو شرم آنی
 تھی مگر اسلیم زہر کے شہنشاہ کے آگے کون زبان کھولتا؟ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ اور
 حضرت حفصہؓ نے کہا امیر المومنین! اب خدا نے مرفہ الحال کیا ہے بادشاہوں کے سفراء
 اور عرب کے دود آتے رہتے ہیں اس لیے آپ کو اپنے طرز معاشرت میں تغیر کرنا چاہیے،
 حضرت عمرؓ نے کہا افسوس تم دونوں امات المومنین ہو کر دنیا طلبی کی ترغیب دیتی ہو عائشہؓ!
 تم رسول اللہؐ کی اس حالت کو بھول گئیں کہ تمہارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا جسکو دن کو
 پہنچانے تھے اور رات کو اوڑھتے تھے، حفصہ! تم کو یاد نہیں ہے کہ ایک دفعہ تم نے فرش کو

۱۔ بخاری کتاب الحجۃ باب فضل النسل يوم الجمعہ، ۲۔ ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی الاستغاث،

دھرا کر کے بچھا دیا تھا تو رسول اللہؐ اس کی نرمی کے باعث رات بھر سوتے رہے اور جب بلالؓ نے اذان دی تو آنکھ کھلی، اُس وقت آپؐ نے فرمایا،

یا حفصۃ ماذا صنعت ثغیت المهاد حفصہ! تم نے یہ کیا کیا کہ فرش کو دھرا کر دیا کہ میں صبح
حتیٰ ذہب بی النمام الی الصباح مالی سوتا رہا مجھے دنیاوی راحت سے کیا تعلق ہے اور
وللہ دنیا وما لی شغلتمونی دلیین الفرائض کی نرمی سے تم نے مجھے کیوں غافل کر دیا؟

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اپنا گرمی کا کرتہ ایک شخص کو دھونے اور پیوند لگانے کے لیے دیا اُس نے اُسکے ساتھ ایک نرم کپڑے کا کرتہ پیش کیا، حضرت عمرؓ نے اسکو واپس کر دیا اور اپنا کرتہ لیکر کہا اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے

کپڑا عموماً گرمی میں بڑا آتے تھے اور بھٹ جاتا تو پیوند پر پیوند لگاتے تھے حضرت حفصہؓ نے اُسکے متعلق گفتگو کی تو فرمایا مسلمانوں کے مال میں سے اس سے زیادہ تصرف نہیں کر سکتا ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے! باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے، اس لیے انہی کپڑوں کو دھو کر سوکھنے کو ڈال دیا تھا، خشک ہو گئے تو وہی پہن کر باہر نکلے غذا بھی عموماً نہایت سادہ ہوتی تھی، عموماً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا، روٹی اکثر گھون کی ہوتی تھی لیکن آٹا چھانا نہیں جاتا تھا، مہمان یا سفراء آتے تھے تو کھانے کی اُن کو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے حفص بن ابی العاص کھانے کے وقت موجود ہوتے تھے لیکن شریک نہیں ہوتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے دج پوچھی تو کہا کہ آپ کے دسترخوان پر ایسی سادہ اور معمولی غذا ہوتی ہے کہ ہم لوگ اپنے لذیذ اور نفیس کھانوں پر اسکو ترجیح نہیں دے سکتے حضرت عمرؓ نے کہا کیا تم

سمجھتے ہو کہ مین قیمتی اور لذیذ کھانا کھانے کی مقدرت نہیں رکھتا، قسم ہے اس ذات کی جسکے ہاتھ مین میری جان ہے اگر قیامت کا خون نہوتا تو مین بھی تم لوگوں کی طرح دنیا دی ویش و عشرت کا دلدادہ ہوتا،

حضرت عمرؓ ہر شخص کو اپنی طرح زہد اور سادگی کی حالت مین دیکھنا چاہتے تھے، وقتاً فوقتاً اپنے عمال اور حکام کو ہدایت کرتے رہتے تھے کہ رو میون اور عبیون کی معاشرت نہ اختیار کریں، سفر شام مین جب افسردن کو اس وضع مین دیکھا کہ بدن پر حریر و بیا کے طے ادا پر تکلف قبائین تھیں اور ذوق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے غمی معلوم ہوتے تھے تو حضرت عمرؓ کو اس قدر غصہ آیا کہ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکنے لگے کہ اس قدر جلد تم نے غمی عادت مین اختیار کر لین، اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص جسکو انھوں نے مین کا عامل مقرر کیا تھا اس صورت سے ملنے آیا کہ لباس فاحشہ زیب بدن کیے ہوئے تھا اور بالون مین خوب تیل پڑا ہوا تھا، تو حضرت عمرؓ نہایت ناراض ہوئے اور وہ کپڑے اتروا کر موٹا جھوٹا کپڑا پہنایا،

احف بن قیس ایک جماعت کے ساتھ عراق کی ایک مہم پر روانہ کئے گئے، وہ وہاں سے کامیاب ہو کر تزک و احتشام کے ساتھ واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کے زرق برق پوشاک کو دیکھ کر منہ پھیر لیا، وہ لوگ امیر المومنین کو برہم دیکھ کر بارے اٹھ گئے اور عرب کی سادہ پوشاک زیب تن کر کے پھر حاضر خدمت ہوئے، حضرت عمرؓ اس لباس مین دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرداً فرداً ہر ایک سے گفتگو ہوئے،

قناعت کا یہ حال تھا کہ اپنے ایام خلافت مین چند برس تک مسلمانوں کے مال سے

ایک خرمہ نہین لیا حالانکہ فرد فاقہ سے حالت تباہ تھی، صحابہ نے اُن کی عسرت اور تنگدستی کو دیکھ کر اسقدر تنخواہ مقرر کر دی جو معمولی خوراک اور لباس کیسے کافی ہو، لیکن شنشہٴ قناعت نے اس شرط پر قبول کیا کہ جب تک ضرورت ہے لون گا اور جب میری مالی حالت درست ہو جائیگی کچھ نہ لون گا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا حق مسلمانوں کے مال میں اسقدر ہے جقدر یتیم کے مال میں دلی کا ہوتا ہے، میں اپنی ذات پر اُس سے زیادہ نہین صرف کر سکتا، جقدر خلافت سے پہلے اپنے مال سے صرف کرتا تھا، ایک دفعہ ربیع بن زیاد حارثی نے کہا امیر المؤمنین! آپ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا ہے اُسکے لحاظ سے آپ دنیا میں سب سے زیادہ عیش و نشاط کی زندگی کے مستحق ہیں، حضرت عمرؓ نہایت خفا ہوئے اور فرمایا میں قوم کا امین ہوں، امانت میں خیانت کب جائز ہے؟ اسے ایک دفعہ عتبہ بن فرقد شریک طعام تھے اور اُبلّا ہوا گوشت اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے در بدستی حلق سے فرو کر رہے تھے، حضرت عمرؓ نے کہا اگر تم سے نہین کھایا جاتا تو نہ کھاؤ، عتبہ سے نہ ہا گیا، کہنے لگے امیر المؤمنین! اگر آپ اپنے کھانے پہننے میں کچھ زیادہ صرف کریں گے تو اس سے مسلمانوں کا مال کم نہو جائیگا، حضرت عمرؓ نے کہا، افسوس!! تم مجھے دنیاوی عیش و تنعم کی ترغیب دیتے ہو،

حضرت عمرؓ اپنے وسیع کنبہ کے لیے بیت المال سے صرف دو درہم روزانہ لیتے تھے اور تکلیف و عسرت کے ساتھ بسر کرتے تھے، ایک دفعہ حج میں اسنی درہم صرف ہو گئے تو آپ کو افسوس ہوا کہ اسراف ہو گیا، کپڑے پھٹ جاتے تھے لیکن اس خیال سے کہ بیت المال پر بار نہ پڑے اُسی میں پوند پر پوند لگانے جاتے تھے، حضرت امام حسنؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ حج کے روز خطبہ دے رہے تھے میں نے شمار کیا تو اُن کے تہ بند پر بارہ پوند لگے

ہوئے تھے، انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ میں نے زمانہ خلافت میں دیکھا کہ اُن کے کرتے کا
مونڈے پر تہ بہ تہ پیوند لگے ہوئے ہیں، غرض فاروق اعظمؓ نے ہم زہد و قناعت کا جو نمونہ پیش
کیا ہے وہ عظیم النظیر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اُن کی عظمت و شان کے تاج پر زہد و قناعت کا
طرہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے

خلافت کے بارگراں نے حضرت عمرؓ کو بہت زیادہ محتاط بنادیا تھا کیونکہ اس وقت اُنکی
معمولی بے احتیاطی اور فروگذاشت بھی قوم کے لیے صد ہا خرابیوں کا باعث ہو سکتی تھی،
اور شکوک و طباہی اُن کی ذرا سی لغزش سے طرح طرح کے افسانے اختراع کرتے تھے، حضرت
نے اپنے قید کے لوگوں کو کہی ملکی عہدے نہیں دے کہ اس میں جانب داری پائی جاتی تھی،
عمال و حکام مخالف بھیجتے تو واپس کر دیتے اور اس سختی سے چشم نمائی کرتے کہ بھر کسی کو جرات
نہوتی، ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کی زوجہ عاتکہ بنت زید کے پاس پہنچے
ایک نفیس چادر بھیجی، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلا کر کے کہا مجھے اسکی ضرورت نہیں ہے
اسی طرح ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو وہاں صرف ایک درہم
موجود تھا، انھوں نے اس خیال سے کہ یہ بیان کیوں پڑا رہے اُٹھا کر حضرت عمرؓ کے ایک صاحبزادے
کو دیدیا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے درہم لیکر بیت المال میں داخل کر دیا اور ابو موسیٰ
اشعریؓ کو بلا کر فرمایا کہ افسوس تلو مدینہ میں آل عمر کے سوا اور کوئی کمزور نظر نہ آیا تم چاہتے ہو کہ
قیامت کے دن تمام اُمت محمدیہ کا مطالبہ میری گردن پر ہو؟

فتح شام کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط و کتابت رہتی تھی

لے کنز العمال ج ۶ ص ۴۷۷ موطا امام مالک کتاب باب ما جاء فی لبس الثیاب سے نزہت اللہ لا براد کر

حضرت عمرؓ لے کنز العمال ج ۶ ص ۴۷۷

ایک دفعہ ام کلثوم (حضرت عمر کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چسند
 شیشیان بھیجیں، اُس نے اُس کے جواب میں شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا، حضرت عمر
 کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تھا راتھا لیکن قاصد جو لیکر گیا وہ سرکاری تھا اور اُس کے مصارف
 عام آمدنی سے ادا کیے گئے، غرض وہ جواہرات لیکر بیت المال میں داخل کر دیے اور ان کو کچھ
 معاوضہ دیدیا، اسی طرح ایک دفعہ بازار میں ایک نہایت فربہ اونٹ فروخت ہوتے دیکھا،
 دریافت سے معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ کا ہے، اُن سے پوچھا کہ یہ اونٹ کیسا ہے؟
 اُنھوں نے کہا کہ میں نے اسکو خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا تھا اور اب کچھ فربہ ہو گیا
 ہے تو بیچنا چاہتا ہوں، حضرت عمر نے فرمایا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں فربہ ہوا ہے اس لیے
 تم صرف اس المال کے مستحق ہو اور بقیہ قیمت لیکر بیت المال میں داخل کر دینی

حضرت عمر کا تجارتی مشغلہ ایام خلافت میں بھی جاری تھا ایک دفعہ شام کی طرف
 مال بھیجنا چاہا تو پیہ کی ضرورت ہوئی تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے قرض طلب کیا،
 اُنھوں نے کہا آپ امیر المؤمنین ہیں بیت المال سے اس قدر رقم قرض لے سکتے ہیں حضرت
 عمر نے فرمایا کہ بیت المال سے نہیں لون گا کیونکہ اگر ادا کرنے سے پہلے رجاء و ننگا تو تم لوگ
 میرے ورثہ سے مطالبہ نہ کرو گے اور یہ بار میرے سر رہ جائیگا اس لیے چاہتا ہوں کہ کسی ایسے
 شخص سے لون جو میرے متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو،

ایک دفعہ بیمار ہوئے بلہیوں نے شہد تجویز کیا، بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن
 قلب متقی بغیر مسلمانوں کی اجازت کے لینے پر راضی نہ تھا چنانچہ اسی حالت میں مسجد شریف
 لائے مسلمانوں کو جمع کر کے اجازت طلب کی، جب لوگوں نے اجازت دی تو ہتھمال فرمایا،

بحرین سے مالِ غنیمت میں مشک و عنبر آیا، اُنکو مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے لیے کسی ایسے شخص کی تلاش ہوئی جسکو عطریات کے دزن میں دستگاہ ہو، حضرت عمرؓ کی بیوی عاتکہ بنت زید نے کہا کہ میں اس کام کو نہایت خوب کر سکتی ہوں، حضرت عمرؓ نے کہا تم سے یہ کام نہیں لون گا کیونکہ مجھے خوف ہے کہ بخاری انگلیوں میں جو کچھ لگ جائے گا اس کو اپنے جسم میں لگا دوگی اور اس طرح عام مسلمانوں سے زیادہ میرے حصہ میں آجائے گا،

ابو موسیٰ اشعریؓ نے عراق سے زیورات بھیجے، اُسوقت آپؐ کی گود میں آپ کی سب سے پیاری بھتیجی اسماء بنت زید کھیل رہی تھی، اُس نے ایک انگوٹھی ہاتھ میں لے لی، حضرت عمرؓ نے بطائف الجبل اُس سے لیکر زیورات میں ملا دی، اور لوگوں سے کہا کہ اس لڑکی کو میرے پاس سے لجاؤ، اسی طرح عبداللہ بن ارقم نے معرکہ جلولاء کے بعد زیورات بھیجے تو آپؐ کے ایک صاحبزادہ نے ایک انگوٹھی کی درخواست کی، حضرت عمرؓ اس سوال پر خفا ہوئے اور کچھ نہ دیا،

ایک دفعہ حضرت حفصہؓ یہ سن کر کہ مالِ غنیمت آیا ہے حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا امیر المومنین! اس میں میرا حق مجھکو عنایت کیجئے میں ذوی القربی میں سے ہوں، حضرت عمرؓ نے کہا فوراً نظر! جراح میرے خاص مال میں سے ہے، یہ تو غنیمت کا مال ہے افسوس! تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا وہ بچاری خنیف ہو کر چلی گئیں،

حضرت عمرؓ کی تنہائی کہ اپنے محبوب آقا حضرت سرور کائنات صلعم کے ہپلو میں مدفون ہوں، حضرت عائشہؓ نے اجازت بھی دیدی تھی مگر خیال تھا کہ شاید خلافت کے

رعب نے اُنھیں مجبور کیا ہوا اس لیے اپنے صاحبزادہ عبداللہؑ کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد ایک مرتبہ بھراجارت لی جائے اگر اذن ہو تو خیر ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا اس طرح وفات کے بعد بھی فاروق اعظمؓ نے ورع و تقویٰ کا بدیع المثال نمونہ پیش کیا، رضی اللہ عنہ

تواضع | حضرت عمرؓ کی عظمت و شان اور رعب و دباب کا ایک طرف تو یہ حال تھا کہ محض نام سے قیصر و کسری کے ایوان حکومت میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا، دوسری طرف تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ کاندھ پر شک رکھ کر بڑے عورتوں کے لیے پانی بھرتے تھے بچا ہرین کی بیویوں کا بانار سے سودا سلف خرید کر لادیتے تھے، پھر اس حالت میں تنک کر سجد کے گوشہ میں فرش خاک پر لیٹ جاتے تھے،

ایک دفعہ اپنے ایام خلافت میں سر پر چادر ڈال کر باہر نکلے ایک غلام کو گدھے پر سوار جاتے دیکھا چونکہ تھک گئے تھے اس لیے اپنے ساتھ بٹھا لینے کی درخواست کی اس کے لیے اس سے زیادہ کیا شرف ہو سکتا تھا فوراً اتر پڑا اور سواری کے لیے اپنا گدھا پیش کیا، حضرت عمرؓ نے کہا میں اپنی وجہ سے تمھیں تکلیف نہیں دے سکتا، تم جس طرح سوار تھے سوار ہو میں تمھارے پیچھے بیٹھ لوں گا غرض اسی حالت سے مدینہ کی گلیوں میں اُغل ہوئے لوگ امیر المومنین کو ایک غلام کے پیچھے دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے،

بارہا سفر کا اتفاق ہوا لیکن خیمہ و خمر گاہ کبھی ساتھ نہیں رہا، درخت کسا یہ شامیانہ اور فرشِ خاک بستر تھا، سفرِ شام کے موقع پر مسلمانوں نے اس خیال سے کہ عیسائی امیر المومنین کے معمولی لباس اور بے سرو سامانی کو دیکھ کر اپنے دل میں کیا کہیں گے سواری کے لیے

ترکی گھوڑا اور پہننے کے لیے قیمتی لباس میٹھ کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے یہی بس ہے۔
ایک دن صدقہ کے اونٹوں کے بدن پر تیل مل رہا تھا ایک شخص نے کہا امیر المومنینؓ کی کم کسی غلام سے لیا ہوتا، بولے مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے جو شخص مسلمانوں کا دالی ہے وہ ان کا غلام بھی ہے۔

تشد و رحم | حضرت عمرؓ کی تند مزاجی کے افسانے نہایت کثرت سے مشہور ہیں اور ایک حد تک ان کی اصلیت بھی موجود ہے لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے کہ قدرت نے ان کو لطف اور رحمدلی سے بالکل نا آشنا رکھا تھا، اصل یہ ہے کہ ان کا غیظ و غضب بھی خدا کے لیے تھا اور لطف و رحم بھی اسی کے لیے جیسا کہ ایک موقع میں خود ارشاد فرمایا تھا،

واللہ لان قلبی فی اللہ حتیٰ لہو العین داندہ بیدار دل خدا کے بارہ میں نرم ہوتا ہے تو بھاگ سے
من الزبد دلقتا اشتد قلبی فی اللہ بھی نرم ہو جاتا ہے اور سخت ہوتا ہے تو بھڑکے
لہو اشتد من الجحیٰ بھی زیادہ سخت ہوتا ہے

مثال کے طور پر چند واقعات درج ذیل ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ حضرت عمرؓ کا غصہ اور لطف و رحم محض خدا کے لیے تھا ذاتیات کو مطلقاً دخل نہ تھا،

غزوہ بدر میں کافروں نے بنو ہاشم کو لڑنے پر مجبور کیا تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عباسؓ وغیرہ کہیں نظر آئیں تو ان کو قتل نہ کرنا ابو حذیفہؓ کی زبان سے نکل گیا کہ بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے اگر عباسؓ سے مقابلہ ہو گیا تو ضرور مرزہ چکھاؤں گا، حضرت عمرؓ نے گستاخی دیکھ کر آپ سے باہر ہو گئے اور کہا اجازت دیجئے کہ میں اس کا سر اڑا دوں،

لہ کر المال جلد ۶ صفحہ ۱۶۳ ۵ ابن سعد قسم اول جلد ۲۴ تذکرہ عباس صفحہ ۴،

حاطب بن ابی بلتعہ نے جوڑے رتبہ کے صحابی تھے کفار مکہ سے خفیہ خط و کتابت کی یہ سارا معلوم ہوا تو حضرت عمرؓ نے برا فروختہ ہو کر آنحضرت صلیم سے کہا کہ اجازت دیجئے کہ اسکو قتل کر دوں اسی طرح خلیصہ نے ایک دفعہ گستاخانہ کہا "محمد! عدل کر" حضرت عمرؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور اسکو قتل کر دینا چاہا لیکن رحمۃ اللعالمینؐ نے منع کیا، غرض اسی قسم کے متعدد واقعات ہیں جن سے اگر تم مزاج کی سختی کا اندازہ کر سکتے ہو تو دوسری طرف للہیت کا بھی اعتراف کرنا پڑے گا،

ایام خلافت میں جو سختیان ظاہر ہوئیں وہ اصول سیاست کے لحاظ سے نہایت ضروری تھیں، حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی، حکام سے سختی کے ساتھ باز پرس، مذہبی پابندی کے لیے تنبیہ و تعزیر، یہ اور اسی قسم کے تمام امور حضرت عمرؓ کے فرائض منصبی میں داخل تھے اس لیے انھوں نے جو کچھ کیا وہ منصب خلافت کی حیثیت سے ان پر واجب تھا، ورنہ ان کا دل لطف و محبت کے شریفانہ جذبات سے خالی نہ تھا بلکہ وہ جب قدر مذہبی اور تنظیمی معاملات میں سختی اور تشدد کرتے تھے اس سے زیادہ ہمدردی کے موقعون میں لطف و رحم کا برتاؤ کرتے تھے، خدا کی ذی عقل مخلوق میں غلاموں سے زیادہ قابل رحم حالت کسی کی نہیں ہوگی؟ حضرت عمرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ تمام عربی غلاموں کو آزاد کرادیا اور یہ قانون بنا دیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے، کنز العمال میں تصریح ان کا قول مذکور ہے کہ کلامی استرق عجمی عربی غلام نہیں ہو سکتا، عام غلاموں کا آزاد کرانا بہت مشکل تھا تاہم ان کے حق میں بہت سی مراعاتیں قائم کیں مجاہدین کی تنخواہیں مقرر ہوئیں تو

۱۔ بخاری کتاب المغازی، اب خزیمہ، باب ۱۱، ح ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶، ۱۷۵۷، ۱۷۵۸، ۱۷۵۹، ۱۷۶۰، ۱۷۶۱، ۱۷۶۲، ۱۷۶۳، ۱۷۶۴، ۱۷۶۵، ۱۷۶۶، ۱۷۶۷، ۱۷۶۸، ۱۷۶۹، ۱۷۷۰، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۷۳، ۱۷۷۴، ۱۷۷۵، ۱۷۷۶، ۱۷۷۷، ۱۷۷۸، ۱۷۷۹، ۱۷۸۰، ۱۷۸۱، ۱۷۸۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۴، ۱۷۸۵، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۱۷۸۹، ۱۷۹۰، ۱۷۹۱، ۱۷۹۲، ۱۷۹۳، ۱۷۹۴، ۱۷۹۵، ۱۷۹۶، ۱۷۹۷، ۱۷۹۸، ۱۷۹۹، ۱۸۰۰، ۱۸۰۱، ۱۸۰۲، ۱۸۰۳، ۱۸۰۴، ۱۸۰۵، ۱۸۰۶، ۱۸۰۷، ۱۸۰۸، ۱۸۰۹، ۱۸۱۰، ۱۸۱۱، ۱۸۱۲، ۱۸۱۳، ۱۸۱۴، ۱۸۱۵، ۱۸۱۶، ۱۸۱۷، ۱۸۱۸، ۱۸۱۹، ۱۸۲۰، ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۱۸۲۵، ۱۸۲۶، ۱۸۲۷، ۱۸۲۸، ۱۸۲۹، ۱۸۳۰، ۱۸۳۱، ۱۸۳۲، ۱۸۳۳، ۱۸۳۴، ۱۸۳۵، ۱۸۳۶، ۱۸۳۷، ۱۸۳۸، ۱۸۳۹، ۱۸۴۰، ۱۸۴۱، ۱۸۴۲، ۱۸۴۳، ۱۸۴۴، ۱۸۴۵، ۱۸۴۶، ۱۸۴۷، ۱۸۴۸، ۱۸۴۹، ۱۸۵۰، ۱۸۵۱، ۱۸۵۲، ۱۸۵۳، ۱۸۵۴، ۱۸۵۵، ۱۸۵۶، ۱۸۵۷، ۱۸۵۸، ۱۸۵۹، ۱۸۶۰، ۱۸۶۱، ۱۸۶۲، ۱۸۶۳، ۱۸۶۴، ۱۸۶۵، ۱۸۶۶، ۱۸۶۷، ۱۸۶۸، ۱۸۶۹، ۱۸۷۰، ۱۸۷۱، ۱۸۷۲، ۱۸۷۳، ۱۸۷۴، ۱۸۷۵، ۱۸۷۶، ۱۸۷۷، ۱۸۷۸، ۱۸۷۹، ۱۸۸۰، ۱۸۸۱، ۱۸۸۲، ۱۸۸۳، ۱۸۸۴، ۱۸۸۵، ۱۸۸۶، ۱۸۸۷، ۱۸۸۸، ۱۸۸۹، ۱۸۹۰، ۱۸۹۱، ۱۸۹۲، ۱۸۹۳، ۱۸۹۴، ۱۸۹۵، ۱۸۹۶، ۱۸۹۷، ۱۸۹۸، ۱۸۹۹، ۱۹۰۰، ۱۹۰۱، ۱۹۰۲، ۱۹۰۳، ۱۹۰۴، ۱۹۰۵، ۱۹۰۶، ۱۹۰۷، ۱۹۰۸، ۱۹۰۹، ۱۹۱۰، ۱۹۱۱، ۱۹۱۲، ۱۹۱۳، ۱۹۱۴، ۱۹۱۵، ۱۹۱۶، ۱۹۱۷، ۱۹۱۸، ۱۹۱۹، ۱۹۲۰، ۱۹۲۱، ۱۹۲۲، ۱۹۲۳، ۱۹۲۴، ۱۹۲۵، ۱۹۲۶، ۱۹۲۷، ۱۹۲۸، ۱۹۲۹، ۱۹۳۰، ۱۹۳۱، ۱۹۳۲، ۱۹۳۳، ۱۹۳۴، ۱۹۳۵، ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۱۹۳۸، ۱۹۳۹، ۱۹۴۰، ۱۹۴۱، ۱۹۴۲، ۱۹۴۳، ۱۹۴۴، ۱۹۴۵، ۱۹۴۶، ۱۹۴۷، ۱۹۴۸، ۱۹۴۹، ۱۹۵۰، ۱۹۵۱، ۱۹۵۲، ۱۹۵۳، ۱۹۵۴، ۱۹۵۵، ۱۹۵۶، ۱۹۵۷، ۱۹۵۸، ۱۹۵۹، ۱۹۶۰، ۱۹۶۱، ۱۹۶۲، ۱۹۶۳، ۱۹۶۴، ۱۹۶۵، ۱۹۶۶، ۱۹۶۷، ۱۹۶۸، ۱۹۶۹، ۱۹۷۰، ۱۹۷۱، ۱۹۷۲، ۱۹۷۳، ۱۹۷۴، ۱۹۷۵، ۱۹۷۶، ۱۹۷۷، ۱۹۷۸، ۱۹۷۹، ۱۹۸۰، ۱۹۸۱، ۱۹۸۲، ۱۹۸۳، ۱۹۸۴، ۱۹۸۵، ۱۹۸۶، ۱۹۸۷، ۱۹۸۸، ۱۹۸۹، ۱۹۹۰، ۱۹۹۱، ۱۹۹۲، ۱۹۹۳، ۱۹۹۴، ۱۹۹۵، ۱۹۹۶، ۱۹۹۷، ۱۹۹۸، ۱۹۹۹، ۲۰۰۰، ۲۰۰۱، ۲۰۰۲، ۲۰۰۳، ۲۰۰۴، ۲۰۰۵، ۲۰۰۶، ۲۰۰۷، ۲۰۰۸، ۲۰۰۹، ۲۰۱۰، ۲۰۱۱، ۲۰۱۲، ۲۰۱۳، ۲۰۱۴، ۲۰۱۵، ۲۰۱۶، ۲۰۱۷، ۲۰۱۸، ۲۰۱۹، ۲۰۲۰، ۲۰۲۱، ۲۰۲۲، ۲۰۲۳، ۲۰۲۴، ۲۰۲۵، ۲۰۲۶، ۲۰۲۷، ۲۰۲۸، ۲۰۲۹، ۲۰۳۰، ۲۰۳۱، ۲۰۳۲، ۲۰۳۳، ۲۰۳۴، ۲۰۳۵، ۲۰۳۶، ۲۰۳۷، ۲۰۳۸، ۲۰۳۹، ۲۰۴۰، ۲۰۴۱، ۲۰۴۲، ۲۰۴۳، ۲۰۴۴، ۲۰۴۵، ۲۰۴۶، ۲۰۴۷، ۲۰۴۸، ۲۰۴۹، ۲۰۵۰، ۲۰۵۱، ۲۰۵۲، ۲۰۵۳، ۲۰۵۴، ۲۰۵۵، ۲۰۵۶، ۲۰۵۷، ۲۰۵۸، ۲۰۵۹، ۲۰۶۰، ۲۰۶۱، ۲۰۶۲، ۲۰۶۳، ۲۰۶۴، ۲۰۶۵، ۲۰۶۶، ۲۰۶۷، ۲۰۶۸، ۲۰۶۹، ۲۰۷۰، ۲۰۷۱، ۲۰۷۲، ۲۰۷۳، ۲۰۷۴، ۲۰۷۵، ۲۰۷۶، ۲۰۷۷، ۲۰۷۸، ۲۰۷۹، ۲۰۸۰، ۲۰۸۱، ۲۰۸۲، ۲۰۸۳، ۲۰۸۴، ۲۰۸۵، ۲۰۸۶، ۲۰۸۷، ۲۰۸۸، ۲۰۸۹، ۲۰۹۰، ۲۰۹۱، ۲۰۹۲، ۲۰۹۳، ۲۰۹۴، ۲۰۹۵، ۲۰۹۶، ۲۰۹۷، ۲۰۹۸، ۲۰۹۹، ۲۱۰۰، ۲۱۰۱، ۲۱۰۲، ۲۱۰۳، ۲۱۰۴، ۲۱۰۵، ۲۱۰۶، ۲۱۰۷، ۲۱۰۸، ۲۱۰۹، ۲۱۱۰، ۲۱۱۱، ۲۱۱۲، ۲۱۱۳، ۲۱۱۴، ۲۱۱۵، ۲۱۱۶، ۲۱۱۷، ۲۱۱۸، ۲۱۱۹، ۲۱۲۰، ۲۱۲۱، ۲۱۲۲، ۲۱۲۳، ۲۱۲۴، ۲۱۲۵، ۲۱۲۶، ۲۱۲۷، ۲۱۲۸، ۲۱۲۹، ۲۱۳۰، ۲۱۳۱، ۲۱۳۲، ۲۱۳۳، ۲۱۳۴، ۲۱۳۵، ۲۱۳۶، ۲۱۳۷، ۲۱۳۸، ۲۱۳۹، ۲۱۴۰، ۲۱۴۱، ۲۱۴۲، ۲۱۴۳، ۲۱۴۴، ۲۱۴۵، ۲۱۴۶، ۲۱۴۷، ۲۱۴۸، ۲۱۴۹، ۲۱۵۰، ۲۱۵۱، ۲۱۵۲، ۲۱۵۳، ۲۱۵۴، ۲۱۵۵، ۲۱۵۶، ۲۱۵۷، ۲۱۵۸، ۲۱۵۹، ۲۱۶۰، ۲۱۶۱، ۲۱۶۲، ۲۱۶۳، ۲۱۶۴، ۲۱۶۵، ۲۱۶۶، ۲۱۶۷، ۲۱۶۸، ۲۱۶۹، ۲۱۷۰، ۲۱۷۱، ۲۱۷۲، ۲۱۷۳، ۲۱۷۴، ۲۱۷۵، ۲۱۷۶، ۲۱۷۷، ۲۱۷۸، ۲۱۷۹، ۲۱۸۰، ۲۱۸۱، ۲۱۸۲، ۲۱۸۳، ۲۱۸۴، ۲۱۸۵، ۲۱۸۶، ۲۱۸۷، ۲۱۸۸، ۲۱۸۹، ۲۱۹۰، ۲۱۹۱، ۲۱۹۲، ۲۱۹۳، ۲۱۹۴، ۲۱۹۵، ۲۱۹۶، ۲۱۹۷، ۲۱۹۸، ۲۱۹۹، ۲۲۰۰، ۲۲۰۱، ۲۲۰۲، ۲۲۰۳، ۲۲۰۴، ۲۲۰۵، ۲۲۰۶، ۲۲۰۷، ۲۲۰۸، ۲۲۰۹، ۲۲۱۰، ۲۲۱۱، ۲۲۱۲، ۲۲۱۳، ۲۲۱۴، ۲۲۱۵، ۲۲۱۶، ۲۲۱۷، ۲۲۱۸، ۲۲۱۹، ۲۲۲۰، ۲۲۲۱، ۲۲۲۲، ۲۲۲۳، ۲۲۲۴، ۲۲۲۵، ۲۲۲۶، ۲۲۲۷، ۲۲۲۸، ۲۲۲۹، ۲۲۳۰، ۲۲۳۱، ۲۲۳۲، ۲۲۳۳، ۲۲۳۴، ۲۲۳۵، ۲۲۳۶، ۲۲۳۷، ۲۲۳۸، ۲۲۳۹، ۲۲۴۰، ۲۲۴۱، ۲۲۴۲، ۲۲۴۳، ۲۲۴۴، ۲۲۴۵، ۲۲۴۶، ۲۲۴۷، ۲۲۴۸، ۲۲۴۹، ۲۲۵۰، ۲۲۵۱، ۲۲۵۲، ۲۲۵۳، ۲۲۵۴، ۲۲۵۵، ۲۲۵۶، ۲۲۵۷، ۲۲۵۸، ۲۲۵۹، ۲۲۶۰، ۲۲۶۱، ۲۲۶۲، ۲۲۶۳، ۲۲۶۴، ۲۲۶۵، ۲۲۶۶، ۲۲۶۷، ۲۲۶۸، ۲۲۶۹، ۲۲۷۰، ۲۲۷۱، ۲۲۷۲، ۲۲۷۳، ۲۲۷۴، ۲۲۷۵، ۲۲۷۶، ۲۲۷۷، ۲۲۷۸، ۲۲۷۹، ۲۲۸۰، ۲۲۸۱، ۲۲۸۲، ۲۲۸۳، ۲

آقا کے ساتھ اسی قدر اُسکے غلام کی تنخواہ بھی مقرر ہوئی، اکثر غلاموں کو بلا کر ساتھ کھانا کھلاتے، ایک شخص نے دعوت کی تو محض اسوجہ سے براہِ دفعہ ہو کر اُٹھ گئے کہ اس نے دسترخوان پر اپنے غلاموں کو نہیں بٹھایا تھا آپ اکثر حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ جو لوگ غلاموں کو اپنے ساتھ کھانا عار سمجھتے ہیں بخدا اُن پر لعنت بھیجتا ہے، غلاموں کے لیے سب سے تکلیف دہ بات یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز واقارب سے جدا ہو جاتے تھے، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ کوئی غلام اپنے اعزہ سے جدا نہ کیا جائے،

سلسلہ میں قحط پڑا تو حضرت عمرؓ کی بیقراری قابلِ دید تھی، دور دراز ممالک سے غلہ منگو کر تقسیم کیا، گوشت لگھی، اور دوسری مرغوب غذائیں ترک کر دیں اپنے لڑکے کے ہاتھ میں خرپڑہ دیکھا تو خفا ہوئے کہ قوم فاقہ مست ہے اور تو تفکھات سے لطف حاصل کرتا ہے، غوض جب تک قحط رہا، حضرت عمرؓ نے ہر قسم کے عیش و لطف سے اجتناب رکھا،

عراقِ عجم کے معرکہ میں نعمان اور دوسرے بہت سے مسلمان شہید ہوئے تو حضرت عمرؓ زار و قطار روتے تھے، مالِ غنیمت آیا تو حصہ سے واپس کر دیا کہ مجاہدین اور شہدا کے ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے، تم نے انتظامات کے سلسلہ میں پڑھا ہو گا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں ہر جگہ لنگر خانے، مسافر خانے اور یتیم خانے بنوائے تھے، غریبا، مساکین اور مجبورؤں کو چار آدمیوں کے روزیے مقرر کر دیے تھے کیا یہ تمام امور لطف و ترحم کے دائرہ سے باہر ہیں؟ حضرت عمرؓ نے ذمیوں اور کافروں کے ساتھ جو رحمدلی اور لطف کا سلوک کیا آج مسلمان مسلمان سے نہیں کرتے، زندگی کے آخری لمحے تک ذمیوں کا خیال رہا، وفات

سہ فتوح البلدان، ذکر العطار فی خلافتہ عمر بن الخطابؓ، کنز العمال جلد ۲، سہ کنز العمال جلد ۶

کے وقت وصیت کی تو ذبیحوں کے حقوق پر خاص زور دیا

عفو | اس لطف و رحم کی بنا پر حضرت عمرؓ عفو اور درگزر کو بھی کام لیتے تھے ایک دفعہ حرب بن قیس

اور عیینہ بن حصن حاضر خدمت ہوئے، عیینہ نے کہا آپ انصاف سے حکومت نہیں

کرتے، حضرت عمرؓ اس گستاخی پر بہت غضبناک ہوئے، حرب بن قیس نے کہا امیر المومنین!

قرآن مجید میں آیا ہو خذ العفو و امل بالمعروف و اعرض عن الجناہ لین یہ شخص جاہل ہے، اسکی

بات کا خیال نہ کیجئے، اس گفتگو سے حضرت عمرؓ کا غصہ بالکل ٹھنڈا پڑ گیا،

رفاہ عام | فاروق اعظمؓ کی زندگی کا حقیقی نصب العین رفاہ عام اور بہبودی بنی نوع انسان

تھا، خلافت کی حیثیت سے اُنھوں نے جو کچھ کیا اُس کی تفصیل گزر چکی ہے، ذاتی حیثیت

سے بھی ان کا ہر لمحہ خلق اللہ کی نفع رسانی کیلئے وقف تھا، اُن کا معمول تھا کہ مجاہدین کے

گھروں پر جاتے اور عورتوں سے پوچھ کر بازار سے سودا سلف لا دیتے، مقام جنگ سے قاصد

آتا تو اہل فوج کے خطوط خود اُن کے گھروں میں پہنچا آتے اور جس گھر میں کوئی لکھا پڑھا نہ تھا

خود ہی چو کھٹ پر بیٹھ جاتے اور گھروالے جو کچھ لکھاتے لکھ دیتے، راتوں کو عموماً گشت کرتے

کہ عام آبادی کا حال معلوم ہو، ایک دفعہ حضرت عمرؓ گشت کرتے ہوئے مدینہ سے تین

میل کے فاصلہ پر مقام حرار پہنچے، دیکھا کہ ایک عورت بکا رہی ہے اور دو تین بچے

رود رہے ہیں، پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی، اس نے کہا بچے بھوک سے تڑپ

رہے ہیں، میں اُن کے بھلانے کو خالی ہانڈی چڑھا دی ہے، حضرت عمرؓ اسی وقت مدینہ

آئے اور آٹا، گھی، گوشت اور کجور بن لے چلے حضرت عمرؓ کے غلام اسلم نے کہا میں لیے چلتا

ہوں، فرمایا ان لیکن قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے، غرض حضرت عمرؓ خود سامان لے

اُس عورت کے پاس آئے اس نے کھانا پکانے کا انتظام کیا حضرت عسٹم خود چوڑھا پھونکتے تھے کھانا تیار ہوا تو بچے کھا کر خوشی خوشی اُچھلنے کودنے لگے حضرت عمرؓ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے

ایک دفعہ کچھ لوگ شہر کے باہر اترے حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو ساتھ لیا اور کہا مجھ کو ان کے متعلق مدینہ کے چور دن کا ڈر لگا ہوا ہے چلو ہم دونوں چکر پہرہ دیں چنانچہ دونوں آدمی رات بھر پہرہ دیتے رہے

ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک بدو کے خیمہ سے رونے کی آواز آئی دریافت سے معلوم ہوا کہ بدو کی عورت دروزہ میں مبتلا ہے حضرت عمرؓ گھڑی اور اپنی بی بی ام کلثوم کو ساتھ لیکر بدو کے خیمہ میں آئے تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا ام کلثوم نے بیکار کر کہا امیر المومنین اپنے دوست کو مبارکباد دیجیے بدو امیر المومنین کا لفظ سُن کر چونک پڑا حضرت عمرؓ نے کہا کچھ خیال نہ کرو اگل میرے پاس آنا، بچہ کی تنخواہ مقرر کر دوں گا،

حضرت عسٹم اپنی غیر معمولی مصروفیت میں بھی مجبور بیکس اور اپنا بیج آدمیوں کی خدمت گزاری کیلئے وقت نکال لیتے تھے مدینہ سے اکثر نابینا اور ضعیف اشخاص فاروق اعظمؓ کی خدمتگزاری کے ممنون تھے، خلوص کا یہ عالم تھا کہ خود ان لوگوں کو بھی خبر نہ تھی کہ یہ فرشتہ رحمت کون ہے؟ حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ ایک روز علی الصبح امیر المومنین کو ایک جھوٹے مین جاتے دیکھا خیال ہوا کہ یہاں فاروق اعظمؓ کا کیا کام؟ دریافت سے معلوم ہوا کہ اس میں ایک نابینا ضعیف رشتی ہے اور وہ روز کی خبر گیری کے لیے جایا کرتے ہیں

خدا کی راہ میں بنا حضرت عمرؓ بہت زیادہ دولت مند نہ تھے تاہم انھوں نے جو کچھ خدا کی راہ میں صرف کیا وہ اُن کی حیثیت سے زیادہ تھا، ۹۳ء میں آنحضرت صلعم نے غزوہ تبوک کی تیاری کی تو اکثر صحابہ نے ضروریات جنگ کے لیے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں، حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنے تمام مال و اسباب میں سے آدھا لاکر پیش کیا؛

یہود بنی حارثہ سے آپ کو ایک زمین ملی تھی، اس کو راہِ خدا میں وقف کر دیا، اسی طریقہ سے خیبر میں ایک بہترین سیر حاصل قطعہ زمین ملا تو آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے ایک قطعہ زمین ملا ہے جس سے بہتر میرے پاس کوئی جائیداد نہیں ہے، آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا وقف کر دو، چنانچہ حسب ارشاد نبوی فقرا، اعزہ، مسافر، غلام اور جہاد کیلئے وقف کر دیا،

ایک دفعہ ایک اعرابی نے نہایت رقت انگیز اشعار سنائے اور دستِ سوال دراز کیا، حضرتؐ متاثر ہو کر بہت روئے اور کرتہ اتار کر دیدیا،

سادات کا خیال | عہد فاروقی میں شاہ گدا، امیر و غریب، مفلس و مالدار سب ایک حال

میں نظر آتے تھے اعمال کو تا کیدی حکم تھا کہ کسی طرح کا امتیاز اور بنود اختیار نہ کریں، حضرت عمرؓ نے خود ذاتی حیثیت سے بھی سادات کو اپنا خاص شعار بنایا تھا ایسی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنی معاشرت نہایت سادہ رکھی تھی، تنظیم و تکریم کو دل سے ناپسند کرتے تھے، ایک دفعہ کسی نے کہا ”میں آپ پر قربان“ تو فرمایا ایسا نہ کہا کرو اس سے تمہارا نفس ذلیل ہو جائے گا، اسی طرح زید بن ثابتؓ قاضی مدینہ کی عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے گئے تو انھوں نے تعظیم کے لیے جگہ خالی کر دی، حضرت عمرؓ نے کہا ”تم نے اس مقدمہ میں یہ پہلی نا انصافی کی“

سہ ترمذی فضائلِ ابی بکرؓ ابو داؤد کتاب الوصایا باب ما جاز فی الرجل یوقت الوقت

یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے،

حضرت عمرؓ کا مقولہ تھا کہ میں اگر عیش و تنعم کی زندگی بسر کروں اور لوگ مصیبت و غم میں رہیں تو مجھ سے بڑا کوئی نہ ہوگا، سفر شام میں نفیس و لذیذ کھانے پیش کئے گئے تو پوچھا کہ عام مسلمانوں کو بھی یہ اہوان نعمت میرے ہوں؟ لوگوں نے کہا ہر شخص کے لیے کس طرح ممکن ہے؟ فرمایا تو پھر مجھے بھی اسکی حاجت نہیں!

خلافت کی حیثیت سے فاروق عظیمؓ کے جاہ و جلال کا سکہ تمام دنیا پر بیٹھا تھا، لیکن مساوات کا یہ حال تھا کہ قیصر و کسری کے سفر لہاتے تھے تو انھیں پتہ نہیں چلتا تھا کہ شاہ کون ہے اور گدا کون؟ درحقیقت حضرت عمرؓ نے خود دنونہ بنکر تمام مسلمانوں کو مساوات اسلامی کا ایسا درس دیا تھا کہ حاکم و محکوم اور آقا و غلام میں ہمہری پیدا ہوگئی تھی!

غیرت حضرت عمرؓ بطبع غفور و راقع ہوئے تھے، یہاں تک کہ خود رسول مقبول صلمؐ ان کی غیرت کا پاس و لحاظ کرتے تھے، صحیح مسلم، ترمذی اور تقریباً تمام صحاح میں باختلاف الفاظ مروی ہے کہ معراج کے موقع پر رسول اللہؐ نے جنت میں ایک عالیشان طلائی قصر ملاحظہ فرمایا جو فاروق عظیمؓ کیلئے مخصوص تھا تو صرف اسوجہ سے اندر تشریف نہیں لے گئے کہ ان کی غیرت کا حال معلوم تھا حضرت عمرؓ سے ذکر آیا تو رو کر کہنے لگے: بابی انت و امی اعلیک اعزاز یعنی میرے باپ! اپنی خدا ہوں کیا میں حضور کے مقابلہ میں غیرت کروں گا!

آیت حجاب نازل ہونے سے پہلے عرب میں پردہ کا رواج نہ تھا یہاں تک کہ خود ازدواج مطہرات پردہ نہیں کرتی تھیں حضرت عمرؓ کی غیرت اس بے حجابی کو نہایت ناپسند کرتی تھی بار بار رسول اللہؐ سے بتھی ہوئے کہ آپ ازدواج مطہرات کو پردہ کا حکم دیں!

اس خواہش کے بعد ہی آیہ حجاب نازل ہوئی

حضرت عمرؓ کی غیرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب انھیں خبر ملی کہ مسلمان عورتیں جماعون بن عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں تو تحریری حکم جاری کیا کہ مسلمان عورت کا غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں

خانگی زندگی | حضرت عمرؓ کو اولاد دوازدواج سے محبت تھی مگر اسقدر نہیں کہ خالق و مخلوق کے تعلقات میں فتنہ ثابت ہو، اہل خاندان سے بھی بہت زیادہ شغف تھا البتہ زیدؓ سے جو حقیقی بھائی تھے نہایت الفت رکھتے تھے، جب وہ پیامہ کی جنگ میں شہید ہوئے تو نہایت ساق ہوا فرمایا کرنے تھے کہ جب پیامہ کی طرف سے ہو چلتی ہے تو مجھ کو زیدؓ کی خوشبو آتی ہے زینے اسماعیلی ایک لڑکی چھوڑی اسکو بہت پیار کرتے تھے،

کہ سے ہجرت کر کے آئے تو مدینہ سے دو تین میل کے فاصلہ پر عوالیٰ میں رہتے تھے، لیکن خلافت کے بعد خاص مدینہ میں مسجد نبویؐ کے متصل سکونت اختیار کی، چونکہ وفات کے وقت وصیت کر دی تھی کہ مکان بیچ کر قرض ادا کیا جائے اس لیے یہ مکان فروخت کر دیا گیا اور عرصہ تک دارالافتاء کے نام سے مشہور رہا،

حصولِ معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا مدینہ پہنچ کر زراعت بھی شروع کی تھی لیکن خلافت کے بارگراں نے جب انھیں ذاتی مشاغل سے روک دیا تو ان کی عمرت کو دیکھ کر صحابہؓ نے اسقدر تنخواہ مقرر کر دی جو معمولی خوراک اور لباس کے لیے کافی ہو، شہر میں لوگوں کے وظیفہ مقرر ہوئے تو حضرت عمرؓ کے لیے بھی پانچ سو درہم سالانہ وظیفہ مقرر ہوا،

سے سدرک حاکم ۷۳۰ ذکرہ زید بن خطابؓ یہ وظیفہ بھی خلافت کی خصوصیت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ نام برہمی بیان

وظیفہ پانچ پانچ ہزار تھا، دیکھو فتوح البلدان ذکر العطار فی خلافت عمر بن الخطابؓ،

فذا نہایت سادہ تھی یعنی صرف روٹی اور روغنِ زیتون پر گزارہ تھا کبھی کبھی گوشت
دودھ، ترکاری اور سرکہ بھی دسترخوان پر ہوتا تھا، لباس بھی نہایت معمولی ہوتا تھا، اکثر صرف
تسبیح پہنتے تھے، اکثر عمامہ باندھتے تھے، جوتی قدیم عربی وضع کی ہوتی تھی
حلیہ یہ تھا رنگ گندم گون، سر حنڈلا، رخسارے کم گوشت، داڑھی گھنی، مونچھیں بڑی
بڑی، قد نہایت طویل، بیان تک کہ سیکڑوں کے مجمع میں کھڑے ہوں تو سب سے سر بلند
نظر آئیں



امیر المومنین عثمان بن عفانؓ و النورین

نام، نسب، خاندان | عثمان نام، ابو عبد اللہ اور ابو عمر و کنیت، ذوالنورین لقب، والد کا نام

عفان والدہ کا نام اردوی، والد کی طرف سے پورا سلسلہ نسب یہ ہے عثمان بن عفان

بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی، اور والدہ کی طرف

سے سلسلہ نسب یہ ہے اردوی بنت کربز بن ربیعہ بن جبیب بن عبد شمس بن عبد مناف

اس طرح حضرت عثمانؓ کا سلسلہ پانچویں پشت میں عبد منافؓ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے

اور چونکہ حضرت عثمانؓ کی نانی بیضا، ام الحکیم حضرت عبداللہ بن عبد المطلب کی سگی بہن اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوپھی تھیں، اس لیے وہ مان کی طرف سے حضرت سرور کائناتؐ کے

رشتہ دار ہیں، آپ کو ذوالنورین (دو نوروں والا) اس لیے کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ کی دو صاحبزادیاں

یکے بعد دیگرے اُن کے نکاح میں آئیں

حضرت عثمانؓ کا خاندان ایام جاہلیت میں غیر معمولی وقعت و اقتدار رکھتا تھا

آپ کے جد اعلیٰ امیہ بن عبد شمس قریش کے رئیسوں میں تھے، شاہان بنو امیہ اسی امیہ

بن عبد شمس کی طرف منسوب ہو کر امویوں کے نام سے مشہور ہیں، عقاب یعنی قریش کا

قومی علم اسی خاندان کے قبضہ میں تھا، جنگِ فجار میں اس خاندان کا نامور سردار حرب

بن امیہ سپہ سالارِ عظیم کی حیثیت رکھتا تھا، عقبہ بن معیط نے جو اپنے زورِ اثر اور قوت کے

لحاظ سے اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا، اموی تھا، سیطوح ہونیان بن حرب جس نے غزوہ بدر کے بعد

تمام غزوات میں رئیس قریش کی حیثیت سے رسول اللہ کا مقابلہ کیا تھا، اسی اموی خاندان کا ایک رکن تھا، غرض حضرت عثمان بن عفان کا خاندان شرافت ریاست اور عزت کے لحاظ سے عرب میں نہایت ممتاز تھا، اور بنو ہاشم کے سوا کسی دوسرے خاندان کو اس سے ہمسری کا دعویٰ نہیں ہو سکتا تھا،

حضرت عثمان بن عفان واقعہ فیل کے چھٹے سال یعنی ہجرت نبوی سے ۶۷ برس قبل پیدا ہوئے۔ بچپن اور سن رشد کے حالات پردہ خفایں ہیں لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے عام اہل عرب کے خلاف اسی زمانہ میں لگنا پڑنا سیکھ لیا تھا، عبد شمس کا آقا نہ ہوا تو تجارتی کاروبار میں مشغول ہوئے، اور اپنی صداقت، دیانت، امانت اور راستبازی کے باعث غیر معمولی فروغ حاصل کیا،

قبول اسلام | حضرت عثمان بن عفان چونیسواں سال تھا کہ داعی اسلام نے مکہ میں توحید کی صدا غلغلہ انداز بلند کی، گو ملکی رسم و رواج اور عرب کے مذہبی تخیل کے لحاظ سے حضرت عثمان بن عفان یہ آواز ناغوس تھی تاہم وہ اپنی فطری عفت، پارسائی، دیانت داری اور راستبازی کے باعث اس داعی حق کو لبیک کہنے کیلئے بالکل تیار تھے،

حضرت ابو بکر صدیق ایمان لائے تو انھوں نے دین بین کی تبلیغ و اشاعت کو اپنا نصب العین قرار دیا اور اپنے حلقہ احباب میں تلقین و ہدایت کا کام شروع کیا، ایام جاہلیت میں ان سے اور حضرت عثمان بن عفان سے ارتباط تھا، اور اکثر نہایت مخلصانہ صحبت رہتی تھی ایک روز وہ حسب معمول حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور اسلام کے متعلق گفتگو شروع کی، حضرت ابو بکرؓ نے اس خوبی سے تبلیغ کا کام انجام دیا کہ حضرت عثمان بن عفان بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے، ابھی دونوں بزرگ جانے کا خیال ہی کر رہے تھے کہ خود حضرت

سرور کائنات صلعم تشریف لے آئے اور حضرت عثمانؓ کو دیکھ کر فرمایا "عثمان! خدا کی جنت قبول کر مین تیری اور تمام خلق کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا ہوں" حضرت عثمانؓ کا بیان ہے کہ زبان نبوت کے ان صاف و سادہ جملوں میں خدا جاسے کیا تاثیر بھری تھی کہ میں بے اختیار کلمہ شہادت پڑھنے لگا اور دست مبارک میں ہاتھ دیکر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا!

اس موقع پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ حضرت عثمانؓ کا تعلق اموی خاندان سے تھا جو بنو ہاشم کا حریف مقابل تھا اور رسول اللہ صلعم کی کامیابی کو اس لیے خوف و حسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا کہ اس طریقہ سے عرب کی سیادت کی باگ بنو امیہ کے ہاتھ سے نکل کر بنو ہاشم کے دستِ اقتدار میں چلی جائے گی، یہی وجہ تھی کہ عقبہ بن معیط اور ابوسفیان وغیرہ اس تحریک کے دبانے میں نہایت سرگرمی سے پیش پیش تھے لیکن حضرت عثمانؓ کا آئینہ دل خاندانی تعصب کے گرد و غبار سے پاک تھا، اس لیے اس قسم کی کوئی پیش بینی ان کی صفائے باطن کو کمزور نہ کر سکی، انھوں نے نہایت آزادی کے ساتھ اپنے خاندان کے خلاف اس زمانہ میں حق کی آواز پر لبیک کہا، جبکہ صرف منیتیں یا چھتیں نہ مڑیں اس شرف سے مشرف ہوئے تھے!

لے اعلیٰ علیہ السلام
نزدہ لہدی
نہایت کی

شادی | قبول اسلام کے بعد حضرت عثمانؓ کو وہ شرف حاصل ہوا جو ان کی کتابتِ مقبوت کا سب سے درخشان باب ہے، یعنی یہ کہ آنحضرت صلعم نے ان کو اپنی فرزندگی میں مقبول فرمایا، آپ کی منجلی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا نکاح پہلے ابولہب کے بیٹے عقبہ سے ہوا تھا مگر اسلام کے بعد عقبہ کے باپ ابولہب کو آنحضرت صلعم سے جو عداوت ہو گئی تھی اس سے مجبور ہو کر اس نے اپنے بیٹے پر زور ڈالا اور طلاق دلا دی، آنحضرت صلعم نے صاحبزادیِ مددوحہ کا دوسرا

نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا حضرت عثمانؓ کی اس شادی کے تعلق بعض نہایت لغو اور یہودہ و متین کتابوں میں ہیں، مگر وہ تمام ترجمہ بوٹی اور جعلی ہیں اور محدثین نے موضوعات میں ان کا شمار کیا ہے

حبشہ کی ہجرت کہ میں اسلام کی روز افزون ترقی سے مشرکین قریش کے غیظ و غضب کی آگ روز بروز زیادہ مشتعل ہوتی جاتی تھی حضرت عثمانؓ بھی اپنی وجاہت اور خاندانی عزت کے باوجود عام ہلاکشان اسلام کی طرح جفا کاروں کے ظلم و ستم کے نشانہ تھے ان کو خود ان کے چچا نے باندھ کر مارا، اعزہ اور اقارب نے سردہری شروع کی اور رفتہ رفتہ ان کی سخت گیری اور جفا کاری یہاں تک بڑھی کہ وہ ان کی برداشت سے باہر ہو گئی، اور بالآخر خود آنحضرت صلیم کے اشارہ سے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہؓ کو ساتھ لیکر ملک حبش کی طرف روانہ ہو گئے، چنانچہ یہ پہلا قافلہ تھا جو حق و صداقت کی محبت میں وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر سکون و اطمینان کی سرزمین تلاش کرنے نکلا،

ہجرت کے بعد رسول اللہ صلیم کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا اس لیے پریشان خاطر تھے ایک روز ایک عورت نے خبر دی کہ اُس نے ان دونوں کو دیکھا تھا، اس قدر حال معلوم ہونے کے بعد آپ نے فرمایا،

ان عثمان اول من ہاجر باھلہ یعنی اس ہجرت میں عثمان پہلا شخص ہے جو اپنے اہل و عیال کو لیکر جلا وطن ہوا،

حضرت عثمانؓ اس ملک میں چند سال رہے اور اس کے بعد جب بعض اور صحابہ قریش کے اسلام کی غلط خبر پا کر اپنے وطن واپس آئے تو حضرت عثمانؓ بھی آئے، بیان اگر

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۳۸۷ ۲۔ اصحابہ جلد ۲، ذکرہ رقیہ

معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے اس بنا پر بعض صحابہ پھر ملک حبش کی طرف لوٹ گئے، مگر حضرت عثمانؓ پھر نہ گئے،

دینی کی طرف ہجرت | اسی اثنا دین مدینہ کی ہجرت کا سامان پیدا ہو گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام اصحاب کو مدینہ کی ہجرت کا ایسا دیکھا تو حضرت عثمانؓ بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ تشریف لی گئے اور حضرت اوس بن ثابتؓ کے مہمان ہوئے اور آپ نے انہیں اور حضرت اوس بن ثابتؓ میں برادری قائم کر دی، اس مواخات سے دونوں خاندانوں میں جہد و محبت اور یگانگت پیدا ہو گئی تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت پر حضرت حسان بن ثابتؓ تمام عمر سو گوار رہے اور ان کا نہایت بڑا دشمن بن گیا،

بیرودہ کی خریداری | مدینہ آنے کے بعد ہاجرین کو پانی کی سخت تکلیف تھی، تمام شہر میں صرف بیرودہ ایک ایسا کنواں تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا، لیکن اس کا مالک ایک یہودی تھا اور اس نے اسکو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا، حضرت عثمانؓ نے اس عام مصیبت کو دفع کرنے کے لیے اس کنوین کو خرید کر وقف کر دینا چاہا، سچی بیخ کے بعد یہودی صرف نصف حق فروخت کرنے پر راضی ہوا، حضرت عثمانؓ نے بارہ ہزار درہم میں نصف کنواں خرید لیا، اور شرط یہ قرار پائی کہ ایک دن حضرت عثمانؓ کی باری ہوگی اور دوسرے دن اس یہودی کے لیے یہ کنواں مخصوص رہیگا، جس روز حضرت عثمانؓ کی باری ہوتی تھی اُس روز مسلمان اسقدر پانی بھر کر رکھ لیتے تھے کہ دو دن تک کے لیے کافی ہوتا تھا، یہودی نے دیکھا کہ اب اس سے کچھ نفع نہیں ہو سکتا تو وہ بقیہ نصف بھی

فردخت کرنے پر راضی ہو گیا، حضرت عثمانؓ نے آٹھ ہزار درہم میں اس کو خرید کر عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا، اس طرح اسلام میں حضرت عثمانؓ کے فیض کرم کا یہ پہلا ترشح تھا جس نے توحید کے تشنہ لبوں کو سیراب کیا، فخرِ اہل اللہ خیر البراء،

غزوات اور دیگر حالات

ہجرت مدینہ کے بعد بھی مشرکین نے مسلمانوں کو سکون و اطمینان سے بیٹھنے نہیں دیا اور اب تحقیر و تذلیل کے بجائے اسلام کی روز افزون ترقی سے خائف و ہراسان ہو کر تیر و تفنگ اور تیغ و سنان کی قوت سے اس کی ہچکچی پر آمادہ ہوئے چنانچہ سہ ہجری سے فتح مکہ تک خونریز جنگوں کا سلسلہ قائم رہا، حضرت عثمانؓ اگرچہ فطرۃً سپاہیانہ کا مون کیلئے پیدا نہیں ہوئے تھے تاہم وہ اپنے محبوب ہادی طریقت کیلئے جان نثاری و فداکاری میں کسی سے پیچھے نہیں رہے،

غزوہ بدر | کفر و اسلام کی سب سے پہلی جنگی آویزش جو بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی، حضرت عثمانؓ اس میں ایک اتفاقی حادثہ کے باعث شریک ہونے سے مجبور تھے، یعنی آپ کی اہلیہ عترمہ اور رسول اکرمؐ کی نوزیستہ حضرت رقیہؓ بیمار ہو گئیں، انہیں حضورؐ پر نوز نے اُن کو مدینہ میں بیمار داری کیلئے چھوڑ دیا اور فرمایا تمکو شرکت کا اجرا و اِعمال نہ کرو، دو دنوں میں گئے اور خود تین سو سترہ قدوسیوں کے ساتھ بدر کی طرف تشریف لگے، حضرت رقیہؓ کا یہ مرض درحقیقت پیام موت تھا، ہنگسا رشوہر کی جانفشانی تین ہی سب کچھ کر سکتی تھی لیکن قضائے الہی کو کیونکر دکتی، مرض روز بروز بڑھتا گیا یہاں تک کہ

۱۔ استیعاب ج ۲ صفحہ ۲۸۸ ۲۔ بخاری کتاب المناقب باب مناقب عثمانؓ

عثمانؓ ان تمام مہمات میں شریک تھے، یہاں تک کہ سہ ماہ میں رسول اللہؐ نے زیارت کعبہ کا قصد فرمایا، حدیبیہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ مشرکین آمادہٴ پرخاش ہیں چونکہ رسول اللہؐ کو لڑنا مقصود نہیں تھا اسیلئے مصاحبت کے خیال سے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا،

سفارت کی خدمت | حضرت عثمانؓ سفارت کی خدمت پر مامور ہو کر مکہ پہنچے تو کفار قریش نے ان کو روک لیا، اور سخت نگرانی قائم کر دی تاکہ واپس جانے نہ پائیں، جب کئی دن گزر گئے اور حضرت عثمانؓ کا کچھ حال نہیں معلوم ہوا، تو مسلمانوں کو سخت فکر لاحق ہوئی، پھر اسی حالت میں افواہ پھیلی کہ وہ شہید کر دیے گئے، رسول اللہؐ صلعم نے یہ خبر سُن کر صحابہ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے ایک درخت کے نیچے بیعت لی اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے خود اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر بیعت کی، یہ حضرت عثمانؓ پر عطا اور وثوق کی وہ انتہا تھی، جو حضرت عثمانؓ کے تاجِ فخر کا طرہٴ شرف ہے، اسی بیعت کا نام بیعتِ رضوان ہے،

ایک دفعہ ایک خارجی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا کیا یہ سچ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بیعتِ رضوان نہیں کی، آپؓ نے جواب دیا کہ ہاں عثمانؓ اس وقت موجود نہ تھے، مگر اُس ہاتھ نے ان کی طرف سے قائم مقامی کی جس سے بہتر کوئی دوسرا ہاتھ نہیں ہے،

مشرکینِ قریش نے مسلمانوں کے جوش سے خائف ہو کر مصاحبت کرنی اور حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دیا، رسول اللہؐ صلعم اس سال بغیر عمرہ کیے اپنے فدا یوں کے ساتھ مدینہ واپس آئے،

۱۔ سیرت ابن ہشام ۲۷ ص ۱۶۶ آنحضرتؐ کے اس عوازلِ عطا فرمایا کا ذکر بخاری کتاب المناقب باب قب عثمان بن ہزار اور ۲۔ اوقات کی تفصیلات متفرق طور پر مختلف ابواب میں مذکور ہیں،

سہ مین معرکہ خیبر پیش آیا پھر سہ مین کہ فتح ہوا نیز اسی سال ہوازن کی جنگ ہوئی جو غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے حضرت عثمانؓ ان تمام معرکوں میں شرکت فرمائی۔

غزوہ تبوک | سہ مین یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، بہرگز جیش اللہ | چونکہ یہ زمانہ نہایت عمرت و تنگی کا تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت تشویش ہوئی، اور صحابہ کو جنگی سرد سامان کیلئے در و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی، اکثر لوگوں نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں، حضرت عثمانؓ ایک متول تاجر تھے، اور اس زمانہ میں ان کا تجارتی قافلہ مکہ شام سے نفع کثیر کے ساتھ واپس آیا تھا، اس لیے انھوں نے ایک تہائی فوج کو سرد سامان سے آراستہ کر دینے کا ذمہ لیا، ابن سعد کی روایت کے مطابق غزوہ تبوک کی مہم میں تیس ہزار پیادے اور دس ہزار سوار شامل تھے اس بنا پر غالباً حضرت عثمانؓ نے دس ہزار سے زیادہ فوج کو اپنے خرچ سے آراستہ کیا تھا، اور اس اہتمام کے ساتھ کہ اس کے لیے ایک ایک تسمہ تک ان کے روپے سے خریدا گیا تھا، اسکے علاوہ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور سامانِ رسد کے لیے ایک ہزار دینار پیش کیا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس فیاضی سے اس قدر خوش تھے کہ اشرفیون کو دست مبارک سے اُچھالتے تھے اور فرماتے تھے،

ما ضی عثمان ما عل بعد هذا اليوم یعنی آج کے بعد عثمان کا کوئی کام اسکو نقصان نہیں پہنچا

سنہ ۷ مین سید البئر نے آخری حج کیا جو حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے، حضرت عثمانؓ بھی ہر کا ب تھے، حج سے واپس آنے کے بعد ماہ ربیع الاول ۳۷ھ کی ابتداء میں سرور کائنات علیہ الصلوٰت بیمار ہوئے اور بارہویں ربیع الاول دو شنبہ کے دن گہرین ۳۷ھ میں مدینہ منورہ کے حاکم جلد ۳ ص ۱۰۲ و ترمذی ابواب المناقب باب مناقب عثمانؓ

عالم جاودان ہوئے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

رسول اللہ کی وفات کے بعد پیغمبر بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دست مبارک پر خلافت کی بیعت ہوئی، خلافت صدیقی میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ایک معتبر کن تھے، سواد دہر س کی خلافت کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی خلافت فرمائی، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وصیت اور عام مسلمانوں کی پسندیدگی سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دست مبارک پر خلافت ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اختلاف کا وصیت نامہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھ سے لکھا گیا تھا، اس سلسلہ میں ایک بات لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ وصیت نامہ کے دوران کتابت میں کسی کو خلیفہ نام زد کرنے کے قبل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر غشی طاری ہوئی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی عقل و فراست سے سمجھ کر اپنی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھ دیا اور عبارت پوری کر دی، حضرت ابو بکر کو ہوش آیا تو پوچھا کہ پڑھو کیا لکھا، انھوں نے سنا نا شروع کیا اور حسب عمر کا نام لیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے احتیاطاً رائد اکبر پکار رکھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس فہم و فراست کی بہت تعریف و توصیف کی

تقریباً دس برس کی خلافت کے بعد سترھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی سفر آخرت اختیار کیا، مرض الموت میں لوگوں کے اصرار سے عہدہ خلافت کیلئے چھ آدمیوں کا نام پیش کیا کہ ان میں سے کسی کو منتخب کر لیا جائے، ان کے نام یہ ہیں، علی رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ، سعد و قاصد رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف اور تائکید کی کہ تین دن کے اندر انتخاب کا فیصلہ ہو جانا چاہیے

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تجویز و تکفین کے بعد انتخاب کا سلسلہ پیش ہوا اور دو دن تک اس پر

لے ابن سعد جزو ۳ قلم اول تذکرہ ابو بکر، ۳۵ ابن سعد تذکرہ عثمان،

بحث ہوتی رہی لیکن کچھ فیصلہ نہ ہوا، آخر تیسرے دن حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا کہ وصیت کے مطابق خلافت چھ آدمیوں میں دار ہے، لیکن اسکو تین شخصوں تک محدود کرنا چاہیے اور جو اپنے خیال میں جسکو زیادہ مستحق سمجھتا ہو اس کا نام لے، حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ مرتضیٰ کی نسبت رائے دی، حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا نام لیا اور حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کو پیش کیا، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا میں اپنے حق سے باز آتا ہوں، اس لیے اب یہ معاملہ صرف دو آدمیوں میں منحصر ہے اور ان دونوں میں سے جو کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور سنت شیخین کی پابندی کا عہد کرے گا اسے ہاتھ پر بیعت کی جائیگی، اسکے بعد علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ دونوں اس کا فیصلہ میرے ہاتھ میں دیدیں اور جب ان دونوں اس پر اپنی رضامندی ظاہر کی تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور تمام صحابہ کرام مسجد میں جمع ہوئے، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ایک مختصر لیکن نوثر تقریر کے بعد حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کیسے ہاتھ بڑھایا، حضرت علیؓ کا بیعت کرنا تھا کہ تمام حاضرین بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے، غرض چوتھی محرم ۳۲ھ دو شنبہ کے دن حضرت عثمانؓ اتفاق عام کے ساتھ مسند نشین خلافت ہوئے اور دنیا سے ام کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی

خلافت اور فتوحات

فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد میں شام، مصر، اور ایران کو فتح کر کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا تھا، نیز ملکی نظم و نسق اور طریقہ حکمرانی کا ایک مستقل دستور العمل بنادیا تھا، اس لیے حضرت عثمانؓ کیلئے میدان صاف تھا، انھوں نے صدیق اکبرؓ کی نرمی و لطافت اور فاروق اعظمؓ کی سیاست کو اپنا شعار بنایا، اور ایک سال تک قدیم طریق نظم و نسق میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا، البتہ خلیفہ سابق کی وصیت کے مطابق حضرت سعد وقاصؓ کو مغیرہ بن شعبہ کی جگہ کوفہ کا والی بنا کر بھیجا، اور یہ پہلی تقرری تھی جو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئی،

۳۰ء میں بعض چھوٹے چھوٹے واقعات بھی پیش آئے، یعنی آذربائیجان اور آرمینیا پر فوج کشی ہوئی، کیونکہ وہاں کے باشندوں نے حضرت عمرؓ کی وفات سے فائدہ اٹھا کر خراج دینا بند کر دیا تھا، اس لیے رومیوں کی چھیڑ چھاڑ کی خبر سن کر حضرت عثمانؓ نے کوفہ سے سلمان بن ربیعہ کو چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ شام میں امیر معاویہؓ کی مدد کیلئے روانہ کیا،

اب تک مصر کے والی عمرو بن العاصؓ تھے، مصر کا تھوڑا سا علاقہ جو صمد کے نام سے مشہور ہے، وہ حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے عبداللہ بن ابی سرح کے متعلق تھا، مصر کے خراج کی جو رقم دربار خلافت کو بھیجی جاتی تھی، حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے اس کی کمی کے متعلق

مصری حکومت اور مدینہ کی مرکزی حکومت کے درمیان اختلاف تھا، حضرت عثمانؓ نے
 مصری خراج کے اضافہ کا مطالبہ کیا، عمرو بن العاصؓ نے کہلا بھیجا کہ اونٹنی اس سے زیادہ
 دودھ نہیں دے سکتی، اس پر حضرت عثمانؓ نے اُن کو معزول کر کے عبداللہ بن ابی سرحؓ
 کو پورے مصر کا گورنر بنادیا، عمرو بن العاصؓ جنگی تدبیر و سیاست کا لوہا رویوں نے
 مان لیا تھا، اُن کی برطرفی سے اُن کے دونوں میں مصر کے دوبارہ قبضہ کا خیال پیدا ہوا،
 ۲۵ھ میں ان کی شہ پاکرا سکندریہ کے لوگوں نے بغاوت کی، حضرت عثمانؓ نے خود
 مصر والوں کے مشورہ سے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لیے حضرت عمروؓ کو متعین کیا جنھوں نے
 نہایت حسن تدبیر اور مصلحت اندیشی سے اس بغاوت کو فرو کیا، حضرت عثمانؓ نے چاہا کہ
 فوج کا صیغہ عمرو بن العاصؓ کے پاس رہے اور مال و خراج کے صیغے عبداللہ بن ابی سرحؓ
 کے سپرد رہیں، مگر عمرو بن العاصؓ نے منظور نہ کیا، یعقوبی نے لکھا ہے کہ عمرو بن العاصؓ
 نے باغیوں کے اہل و عیال کو لونڈی غلام بنا ڈالا تھا، حضرت عثمانؓ اُن کی اس حرکت پر
 نہایت ناراض ہوئے، اور جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے اُن کو آزاد کرادیا، اُسکے
 بعد بھی دو برس تک عمرو بن العاصؓ مصر کے مال و خراج کے شعبوں کے افسر رہے،
 اسی سال عبداللہ بن ابی سرحؓ نے دربار خلافت کے حکم سے طرابلس دبیچولی،
 کی ہم کا انتظام کیا، نیز امیر معاویہؓ نے ایٹائے کوچک مین شامی سرحدوں کے قریب
 کے دورومی قلعے فتح کر لیے،

۲۶ھ میں سب سے اہم واقعہ حضرت سعد بن وقاصؓ کی معزولی ہے، معزولی
 کی وجہ یہ پیش آئی کہ حضرت سعدؓ وقاصؓ نے بیت المال سے ایک بڑی رقم قرض لی تھی

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مہتمم بیت المال نے تقاضا کیا تو انھوں نے اپنی ناداری ظاہر کی، اسپر دونوں میں بات بڑھی یہاں تک کہ یہ قضیہ دربار خلافت تک پہنچا، چونکہ یہ قیاعدہ کا رروائی تھی، جو ایک بڑے افسر کے لیے موزون نہ تھی، اس لیے حضرت عثمانؓ حضرت سعد بن وقاصؓ پر نہایت برہم ہوئے اور ان کو معزول کر کے ولید بن عقبہ کو والی کو فہم فرمایا، عبداللہ بن مسعودؓ پر بھی غلی ظاہر کی، لیکن چونکہ ان کی غلطی کی نوعیت صرف بے احتیاطی تھی اس لیے ان کو اپنے عہدہ پر برقرار رکھا،

سۃ ۲۷ میں مصر کی دو عملی میں اختلاف ہوا، یعنی عبداللہ بن ابی سرح اور عمر بن العاصؓ نے جو فوجی اور مالی صیغوں کے مستقل افسر تھے، باہم ایک دوسرے کے خلاف مرکزی حکومت میں شکایت کی، حضرت عثمانؓ نے تحقیقات کر کے عمرو بن العاصؓ کو معزول کر دیا، اور عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کے تمام صیغوں کا تنہا حاکم بنا دیا، عمرو بن عاصؓ اس فیصلہ سے نہایت ناراض ہوئے اور مدینہ چلے گئے، عمرو بن العاصؓ کے زمانہ میں مصر کا خراج ۲۰ لاکھ تھا عبداللہ بن ابی سرح نے کوشش کر کے چالیس لاکھ کر دیا، حضرت عثمانؓ نے خزیہ عمرو بن عاصؓ سے کہا دیکھو آخراؤٹنی نے دودھ دیا انھوں نے جواب دیا کہ ہاں دودھ تو دیا لیکن بچے بھوکے رہ گئے،

فتح طرابلس | مهم طرابلس کا اہتمام تو سلمہ ہی میں ہوا تھا لیکن باقاعدہ فوج کشی سۃ ۲۸ میں ہوئی، عبداللہ بن ابی سرح گورنر مصر افسر عام تھے، حضرت عثمانؓ نے دار الخلافہ سے بھی ایک لشکر جزائر ملک کے لیے روانہ کیا، اس میں عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں،

اسلامی فوجیں مدت تک طرابلس کے میدانوں میں معرکہ آرا رہیں یہاں تک کہ مسلمانوں کی شجاعت، جانبازی اور ثبات استقلال کے آگے اہل طرابلس کے پانوں اٹھ گئے، عبداللہ بن ابی سرح نے فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر تمام ملک میں بھلا دیے، طرابلس کے امرا نے دیکھا کہ اب مسلمانوں کا مقابلہ ممکن نہیں ہے تو عبداللہ بن ابی سرح کے پاس آ کر پچیس لاکھ دینار پر مصالحت کر لی

فتح افریقیہ سے مراد وہ علاقے ہیں جنکو بعد میں الجزار اور مراکش کہتے ہیں، یہ ممالک ۲۷ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی ہمت و شجاعت اور حسن تدبیر سے ہاتھ آئے، بڑے بڑے معرکے پیش آئے، اور بالآخر کاسیابی اسلامی فوج کو حاصل ہوئی،

اسپین پر حملہ | افریقیہ کی فتح کے بعد اسپین کا دروازہ کھلا ہوا تھا، ۲۸ھ میں حضرت عثمان نے اسلامی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، عبداللہ بن نافع بن عبد قیس اور عبداللہ بن نافع بن حصین دو صاحبوں کو اس کے لیے نامزد کیا، جنھوں نے کچھ فتوحات حاصل کیں، اور بقیہ پیش قدمی رک گئی، عبداللہ بن ابی سرح مصر واپس بھیجے گئے اور عبداللہ بن نافع بن عبد قیس افریقیہ کے حاکم مقرر ہوئے،

عبداللہ بن ابی سرح کو انعام | حضرت عثمان نے عبداللہ بن ابی سرح سے وعدہ کیا تھا کہ افریقیہ کی فتح کے صلہ میں خمس یعنی پانچواں حصہ تم کو انعام دیا جائیگا، اس لیے عبداللہ نے وعدہ مطابق اپنا پانچواں حصہ لے لیا، لیکن عام مسلمانوں نے اس فیاضی پر سخت ناپسندیدگی ظاہر کی، حضرت عثمان بن ابی سرح کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے عبداللہ بن ابی سرح سے اس رقم کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ میں نے بیٹک وعدہ کیا تھا لیکن مسلمان اسکو تسلیم نہیں کرتے، اس لیے

مجبوری ہے،

ایک اور روایت ہے کہ افریقہ کا خمس مدینہ بھیجا گیا تھا جو مدان کے ہاتھ پہنچا لاکھ
دینار میں بیچا گیا تھا، ابن اثیر نے ان دونوں روایتوں میں تطبیق دی ہے کہ عبداللہ بن ابی مرثدہ کو افریقہ کے
پہلے غزوہ (شاید طرابلس) کے مال غنیمت کا خمس دیا گیا تھا اور مروان کے ہاتھ پورے
افریقہ کی غنیمت کا خمس بیچا گیا تھا،

فتح قبرس قبرس جسکو اب سائپرس کہتے ہیں بحرِ روم میں شام کے قریب ایک نہایت زرخیز
جزیرہ ہے اور یورپ اور روم کی طرف سے مصر و شام کی فتح کا دروازہ ہے اور مصر و شام
کی حفاظت اسوقت تک نہیں ہو سکتی تھی اور نہ رومیوں کا خطرہ اسوقت تک دور ہو سکتا تھا
جب تک اس بحری ناکہ پر مسلمانوں کا قبضہ نہ ہوتا، امیر معاویہؓ نے عہد فاروقی میں اس پر
فوج کشی کی اجازت طلب کی تھی مگر حضرت عمرؓ بحری جنگ کے مخالف تھے اس لیے انکا
کر دیا اس کے بعد ۳۷ھ میں امیر معاویہؓ نے پھر حضرت عثمانؓ سے اصرار کے ساتھ قبرس
پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی اور اطمینان دلایا کہ بحری جنگ کو جتنی ضرورت ہو سکے سمجھا
جاتا ہے اس قدر خوفناک نہیں ہے حضرت عثمانؓ نے لکھا کہ اگر تمھارا بیان صحیح ہے
تو حملہ میں مضائقہ نہیں لیکن اس مہم میں اسی کو شریک کیا جائے جو اپنی خوشی سے آمادگی
تھا ہر کرے، غرض عبداللہ بن قیس حارثی کی زیریادت ایک بحری بیڑا قبرس پر حملہ کیا
روانہ ہوا، اور صحیح و سلامت قبرس پہنچ کر لنگر انداز ہوا، عبداللہ بن قیس امیر البحر ناگمانی
طور پر شہید ہوئے لیکن سفیان بن عوف ازدی نے علم نبھال کر اہل قبرس کو مغلوب کر لیا،
اور شرائط ذیل پر مصالحت ہوئی،

(۱) اہل قبرس ۷۰۰ دینار سالانہ خراج ادا کریں گے،

(۲) مسلمان قبرس کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے
 (۳) بحری جنگوں میں اہل قبرس مسلمانوں کے دشمنوں کی نقل و حرکت کی ان کو اطلاع
 دیا کریں گے؛

اہل قبرس عرصہ تک اس معاہدہ پر قائم رہے لیکن ۳۳ھ میں انھوں نے رومی جہازوں
 کو مدد دی، اس لیے امیر معاویہؓ نے نئے سرے سے اسپر فوج کشی کی اور فتح کر کے کامل
 طور پر مالک محروسہ میں شامل کر لیا؛ نیز منادی کر دی کہ اب یہاں کے باشندے رومیوں کے
 ساتھ کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں؛ یہاں تک کہ شادی بیاہ کا تعلق بھی قائم نہ ہونے پائے
 والی بصرہ کی معزولی | حضرت ابو موسیٰ اشعرؓی عہد فاروقی سے بصرہ کی ولایت پر مامور تھے،
 حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے زمانہ میں چھ برس تک ان کو اس منصب پر برقرار رکھا، لیکن
 یہاں ایک بڑی جماعت ہمیشہ حضرت ابو موسیٰ اشعرؓی کی مخالفت پر آمادہ رہتی تھی چنانچہ
 حضرت عمرؓ کے عہد میں بارہا ان کی شکایتیں پہنچیں مگر فاروقی رعب داب نے مخالفین کو
 ہمیشہ دبائے رکھا، حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو ان کو زیادہ آزادی کے ساتھ حضرت ابو موسیٰؓ
 کے خلاف سازش پھیلانے کا موقع مل گیا، اسی اثنا میں کردوں نے بغاوت کر دی
 حضرت ابو موسیٰؓ نے مسجد میں جہاد کا وعظ کیا، اور راہِ خدا میں پیادہ پا چلنے کے فضائل
 بیان کیے، اس کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے مجاہدین جھکے پاس گھوڑے موجود تھوڑے بھی پیادہ پا
 چلنے پر تیار ہو گئے، لیکن چند آدمیوں نے کہا کہ ہم کو جلدی نہ کرنا چاہیے، دکھیں ہمارا دلی
 کس شان سے چلتا ہے، غرض صبح کے وقت دارالامارت کے قریب مجاہدین کا مجمع ہوا،
 حضرت ابو موسیٰؓ اس شان کے ساتھ محل سے برآمد ہوئے کہ خود ایک نفیس ترکی نسل کے

گھوڑے پر سوار تھے اور چالیس خچرون پر اسباب و سامان بار تھا، لوگوں نے بڑھ کر باگ
 بکڑی اور کہا ”قول فعل بن یہ اختلاف کیسا؟ دوسروں کو جس چیز کی ترغیب دیتے ہو اس پر
 خود کیون عمل نہیں کرتے؟“ حضرت ابو موسیٰؓ اس کا کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے اور
 اور اس وقت ایک جماعت شکایت لیکر مدینہ پہنچی اور ان کی معزولی کا مطالبہ کیا، حضرت
 عثمانؓ نے ۹ھ میں ان کو معزول کر دیا اور عبداللہ بن عامر کو اس منصب پر مامور کیا،

طبرستان | ۱۰ھ میں عبداللہ بن عامر نصرہ کے نئے والی اور سعید بن عاص نے دو

مختلف راستوں سے حزامان اور طبرستان کا رخ کیا، سعید بن عاص کے ساتھ امام حسنؓ
 امام حسینؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمر بن العاصؓ، عبداللہ بن بکرؓ
 اور بڑے بڑے صحابہ کرام شریک تھے، ان لوگوں نے پیغمبری کر کے عبداللہ بن عامرؓ کے
 پہنچنے سے پہلے جرجان، خراسان اور طبرستان کو فتح کر لیا، اسی اثناء میں ولید بن عقبہؓ والی
 کوفہ کے خلاف ایک سازش ہوئی اور ان پر شراب خواری کا الزام لگایا گیا، حضرت
 عثمانؓ نے ان کو معزول کر کے سعید بن عاص کو ان کے نمایاں کارناموں کی بنا پر کوفہ کا
 والی مقرر کیا، اب عبداللہ بن عامر نے اس مہم کی تکمیل اپنے ہاتھ میں لی،

عبداللہ بن عامر نے ہرات، اکابل اور جہستان کو فتح کرتے ہوئے نیشاپور کا رخ کیا
 بہت، اشبد و رخ، خواف، اسبرائن، ارغیان وغیرہ فتح کرتے ہوئے خاص شہر نیشاپور کا بھی صرہ
 کر لیا، اہل نیشاپور نے چند مہینوں تک محصور ہو کر مدافعت کی لیکن پھر مجبور ہو کر سات لاکھ دینار
 سالانہ پر صلحت کر لی،

عبداللہ بن عامر نے نیشاپور کے بعد عبداللہ بن خازم کو سرخس کی طرف روانہ کیا،

اور خود ماوراء النہر کی طرف پیش قدمی کی، خس مطیع ہو گیا اور اہل ماوراء النہر نے بھی مصاحبت پر آمادگی ظاہر کی اور بہت سے گھوڑے، ریشمی کپڑے اور دوسرے انواع و اقسام کے تحائف لیکر حاضر ہوئے، عبداللہ بن عامر نے مصاحبت کرنی، اور قیس بن الہثیم کو قائم مقام کر کے تمام اسباب و سامان کے ساتھ دار الخلافہ کا رخ کیا،

ایک عظیم الشان بھڑی جنگ | اسیہ بن قیس روم نے ایک نہایت عظیم الشان جنگی بیڑا بہن تقریباً پانچ سو جہاز شامل تھے سو اہل شام پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا، بیان کیا جاتا ہے کہ رومیوں نے شروع سے اُس وقت تک کبھی ایسی عظیم الشان قوت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا، امیر معاویہ والی شام نے امیر المومنین کے ایماء سے عبداللہ بن ابی سرح امیر البحر کو حکم دیا کہ اسلامی بیڑے کو از سر نو مرتب کر کے سمندر ہی میں اس کا مقابلہ کریں، غرض سلامی سامان سے آراستہ ہو کر نہایت شان کے ساتھ بڑھا اور رومی جہازوں کا راستہ روک کر اکھڑا ہو گیا، رومیوں نے چیرہ دستی شروع کی تو اسلامی خلاصیوں نے نہایت تیز دستی کے ساتھ اپنے جہازوں کو رومیوں کے جہازوں سے ملا کر بانڈھ دیا، لیکن قبل اس کے کہ مسلمان حملہ کی ابتدا کریں رومی نرغہ کر کے اسلامی جہازوں میں گھس آئے، دونوں طرف سے تیغ و سنان کا رد و بدل شروع ہو گیا، ہزاروں کی لاشیں گرتی تھیں اور سمندر کی جھین اُچھال اُچھال کر دور بھینک دیتی تھیں، غرض نہایت گھمان کارن پڑا، رومیوں نے نہایت جوش کے ساتھ مقابلہ کیا، لیکن اسلامی خنجر خارشکاف نے سب کو کاٹ کر لقمہ ہنگشتا دیا، صرف کچھ تھوڑے سے جان بچا کر بھاگ سکے، اس صبح اسلامی بیڑا فنا خانہ شان و شوکت کے ساتھ نصرت و کامرانی کا پھریرا اڑاتا ہوا اپنے بندر گاہ میں واپس آ گیا،

متفرق فتوحات | قریس، طرابلس اور بصرستان کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں بہت سے دوسرے فتوحات بھی ہوئے، چنانچہ ۳۱ھ میں حبیب بن مسلمہ غری نے آرمینیا کو فتح کر کے اسلامی ممالک محروسہ میں شامل کر لیا، اسی طرح ۳۲ھ میں امیر معاویہؓ نے تنگناے قسطنطنیہ تک اپنے فتوحات کا دائرہ وسیع کر دیا، ۳۳ھ میں عبداللہ بن عامر نے مزور و دالقان، فاریاب اور جوزجان کو فتح کیا، ۳۳ھ میں امیر معاویہؓ نے ارضِ روم میں حصّہ المراءۃ پر حملہ کیا، نیز اسی سال اہل خراسان نے بغاوت کی، اس لیے عبداللہ بن عامر والی بصرہ نے اخف بن قیس کو بھیج کر اسکو فرو کر لیا، اسی طرح ۳۴ھ میں اہل طرابلس نے نقض امن کیا اور عبداللہ بن ابی سرح نے ایک لشکر حجاز کے ساتھ چڑھائی کر کے دوبارہ ملک میں امن و امان قائم کر دیا۔

انقلاب کی کوشش اور حضرت عثمانؓ کی شہادت

حضرت عثمانؓ کے دوازدہ سالہ خلافت میں ابتدائی چھ سال کامل امن و امان سے گزرے، فتوحات کی وسعت، مالِ غنیمت کی فراوانی، وظائف کی بیشمار زراعت اور تجارت کی ترقی اور حکومت کے عمدہ نظم و نسق نے تمام ملک میں قبولِ فراغِ البالی اور عیش و تنعم کو عام کر دیا، یہاں تک کہ بعض متعسف صحابہ ایامِ نبوت کی سادگی اور بے تکلفی کو یاد کر کے اس زمانہ کی ثروت اور سامانِ تعیش کو دیکھ کر حد درجہ غمگین تھے کہ اب مسلمانوں کے

اس دنیاوی رشک و حسد کا دور آگیا جسکی آنحضرت صلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ جن کو آنحضرت نے مسیح الاسلام کا خطاب دیا تھا، علانیہ اس کے خلاف مخط کیے تھے اور فرماتے تھے کہ ضرورت سے زیادہ دولت جمع کرنا ایک مسلمان کیلئے ناجائز ہے، خاتم کا ملک جسکے حاکم امیر معاویہؓ تھے، اور جو صدیوں تک رومی تعیش و منکلات کا گوارہ رہا۔
تھا وہ ان کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ یہ بُرائیاں پیدا ہو رہی تھیں، حضرت ابوذرؓ بڑا ان امرا اور دولتمندوں سے برسرِ پیکار رہتے تھے اور امیر معاویہؓ کی استدعا پر حضرت عثمانؓ نے اُن کو مدینہ بلوالیا، مگر مدینہ بھی وہ اگلا مدینہ نہیں رہا تھا، شہر کے باہر لوگوں کے بڑے بڑے محل اور قصر تیار ہو چکے تھے، اس لئے وہ یہاں سے بھی نل بڑاشتہ ہو کر مدینہ ایک گن مین جا کر قاتل کیلیں، حضرت عثمانؓ کے پچھلے زمانہ میں جو فتنہ و فساد برپا ہوا اسکی وجہ حقیقت یہی تھی کہ دولتمندی اور متول کی کثرت نے مسلمانوں میں اُس کے وہ لوازم بھی پیدا کر دیے جو ہر قوم میں ایسی حالت میں پیدا ہو جاتے ہیں، اور جو اُن کے ضعف اور انحطاط کے اسباب بن جاتے ہیں، اس لیے آنحضرت صلم مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے کہ لا اخاف علیکم الفقر بل اخاف علیکم الدینا، مجھے تمہارے فقر و فاقہ سے کوئی خوف نہیں ہے بلکہ تمہاری دنیاوی دولتمندی ہی کے خطرات سے ڈرتا ہوں، متول اور دولت کی کثرت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کل قوم کے فوائد کے مقابلہ میں ہر جماعت اور ہر شخص اپنے جماعتی اور شخصی فوائد کو ترجیح دینے لگتا ہے، اس طرح قومی وحدت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے باہم بغض و عناد پیدا ہو جاتا ہے، اور انحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے،

لیکن اس کے علاوہ اس فتنہ و فساد کی پیداویش کے اور بھی وجوہ تھے،

(۱) سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کی وہ نسل جو فیض نبوت سے براہِ راست

ستفیض ہوئی تھی ختم ہو چلی تھی جو موجود تھے وہ اپنی کبرسی کے سبب سے گوشہ نشین ہو رہے تھے اور اب اُن کی اولاد سوروشی حیثیت سے اُن کی جگہ لے رہی تھی، نیز جو ان زہد و اتقا، عدل و انصاف، حق پسندی اور راستبازی میں اپنے بزرگوں سے کتر تھے، اس بنا پر رعایا کیلئے ویسے فرشتہ رحمت ثابت نہ ہوئے، جیسے اُن کے اسلاف تھے،

(۲) حضرت ابو بکرؓ کے مشورہ اور مسلمانوں کی پسندیدگی سے امامت خلافت کیلئے

قریش کا خاندان مخصوص کر دیا گیا، بڑے بڑے عہدے بھی زیادہ تر انھیں کو ملتے تھے،
نوجوان قریشی اسکو اپنا موروثی حق سمجھ کر دوسرے عرب قبیلوں کو اپنا محکوم سمجھنے لگے، عام
عرب قبائل کا دعویٰ تھا کہ ملک کی فتوحات ہماری تلواروں کی کمائی ہے اس لیے
دخالت میں منسوب اور عہدوں میں بھی قریش اور غیر قریش میں مساوات چاہیے

(۳) اس وقت کابل سے لیکر مراکش تک اسلام کے زیر نگین تھا، جہین سیکڑوں
قویم آباد تھیں، جو محکوم اور مفتوح ہو چکی تھیں، اس محکومی اور مفتوحی نے کھلے انتقام کی
صورت نہ دیکھ کر سازشوں کا جال بھیلایا جن میں سب سے آگے مجوسی اور یہودی تھے،
(۴) حضرت عثمان بن فطرۃ نیک، ذی مروت اور نرم تھے، عموماً لوگوں سے سختی کا
برتاؤ نہیں کرتے تھے، اکثر جرم کو بردباری اور حلم سے ٹال دیا کرتے تھے، اس سے شرین کی
ہمت افزائی ہوئی،

(۵) حضرت عثمانؓ ناموسی تھے اور اس لیے فطرۃ اُن کے جذبات اپنے
اہل خاندان کے ساتھ خیر خواہ نہ تھے، اس لیے ان کو فائدہ پہونچانا چاہتے تھے ذاتی
طور سے امداد فرمایا کرتے تھے، شریب لوگ اسکو یوں ملک میں بھیلاتے تھے کہ حضرت عثمانؓ
سرکاری بیت المال سے اُن کو یہ دیتے ہیں،

(۶) ہر امام کے لیے ضرورت ہے کہ اس کے کارکن اور عمال اُس کے مطیع اور فرمان بردار ہوں، اسلام کی دوسری نسل جواب پہلی نسل کی جگہ لے رہی تھی، امین امام وقت کی اطاعت کا وہ مذہبی جذبہ نہ تھا، جو اول الذکر میں موجود تھا، ایسی حالت میں خاندانی عصبیت سے کام لینا پڑا، اور بنو امیہ کے افراد میں سے فوج اور خراج کے افسانے زیادہ لیے گئے، تاکہ حکومت کے نظم و نسق اور کاروبار میں فرق نہ آنے پائے،

(۷) مختلف محکوم قوموں کے شورش پسند اشخاص انقلاب کے اس لیے خواہاں تھے کہ شاید اس سے اُن کی حالت میں کوئی فرق پیدا ہو،

(۸) غیر قوم کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے، یا مسلمانوں نے غیر قوموں کی لڑکیوں سے جو شادیاں کر لی تھیں یا وہ باندیاں بنی تھیں، ان کی اولاد میں بہت کچھ فتنہ کا باعث بنیں،

الغرض اس فتنہ و فساد کے حقیقی اسباب تھے جنکی بنا پر ملک کے مختلف طبقوں میں مختلف وجوہ سے ناراضی پیدا ہو رہی تھی، ان مختلف انجیال جماعتوں کے اغراض اور مقاصد پر ایک نظر ڈالو،

۱۔ بنو ہاشم بنو امیہ کے عروج و ترقی کو پسند نہیں کرتے تھے اور خلافت کے مناسب اور عہدوں کا سب سے زیادہ اپنے کو مستحق جانتے تھے،

۲۔ عام عرب قبائل، مناسب اور عہدوں اور جاگیروں کے استحقاق میں اپنے کو قریشیوں سے کم نہیں سمجھتے تھے، اس لیے وہ قریشی افسروں کے غرور و تکبر کو توڑنا اور اپنا جائز استحقاق اور مساوات حاصل کرنا چاہتے تھے،

۳۔ مجوسی چاہتے تھے کہ حکومت ایسے خاندان میں منتقل ہو جو اُن کی مدد سے

اُسکو حاصل کرے تاکہ وہ اس سے بہتر سے بہتر حقوق اور مراعات حاصل کر سکیں اور عام عربوں کے مقابلہ میں اُن کا استحقاق کم نہ قرار پائے،

۴۔ یہودی چاہتے تھے کہ اسلام کے مذہب میں ایسا افتراق پیدا کر دیا جائے کہ یہ قوتِ پاش پاش ہو جائے،

یہ اغراض مختلف تھیں اور ہر جماعت اپنی غرض کیلئے کوشش میں مصروف تھی، اس کے لیے خنیہ ریشہ دو انیان شروع ہوئے، عمال کے خلاف سازشیں ہونے لگیں اور خود امیر المومنین کو بدنام کرنے کی کوشش شروع ہوئی، حضرت عثمانؓ نے ان فتنوں کو دبانا چاہا، لیکن یہ آگ ایسی لگی تھی جس کا بجھانا آسان نہ تھا، فتنہ پردازوں کا دائرہ مسلسل روز بروز وسیع ہوتا گیا، یہاں تک کہ تمام ملک میں ایک خنیہ جماعت پیدا ہو گئی، جس کا مقصد فتنہ و فساد تھا،

کوفہ کی انقلاب پسند جماعت میں اشتر نخعی، ابن ذی الجبکہ، جندب، صمصمہ، ابن الکوار، کیل اور عمیر بن ضبابی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، ان لوگوں کا خیال تھا کہ امارت و ریاست قریش کی مخصوص وراثت ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، عام مسلمانوں نے ممالک فتح کیے ہیں وہ سب اُس کے ستحق ہیں، سعید بن عامر والی کوفہ اس جماعت کو خاص طور پر ہدایت دیتا تھا، اُن کو بدنام کرنے کے لیے روز ایک نئی تدبیر اختراع کی جاتی تھی، اور قریش کے خلاف ملک کو تیار کرنے کے لیے طرح طرح کے وسائل کام میں لائے جاتے تھے، اشتر بن کوفہ نے ان مقصد پر دازیوں سے تنگ آ کر امیر المومنین سے التجا کی کہ خدا کے لیے جلد ان فتنہ جو اشخاص سے کوفہ کو نجات دلائے، حضرت عثمانؓ نے تقریباً

رس آدیون کو جو اس جماعت کے سرگروہ تھے ملک شام کی طرف جلا وطن کر دیا، ایسٹ
بصرہ میں بھی ایک فتنہ پرداز جماعت پیدا ہو گئی تھی، حضرت عثمانؓ نے یہاں سے
بھی کچھ آدیون کو ملک بدر کر دیا لیکن فتنہ کی آگ اس حد تک بھڑک چکی تھی کہ یہ معمولی
چھینٹے اسکو بجھانہ سکے، بلکہ یہ انتقال مکانی اور بھی ان خیالات کی اشاعت کے اسباب
بن گئے،

مصر سازش کا سب سے بڑا مرکز تھا، عبداللہ بن سبائے جو یہودی النسل
نوسلم تھا اپنی حیرت انگیز سازش نہ تو تِعل سے مختلف الخیال مفسدون کو ایک مرکز پر
متحد کر دیا اور اس کو زیادہ موثر کرنے کے لیے اُس نے مذہب میں دست اندازی کر کے
عجیب و غریب عقائد اختراع کیے اور خفیہ طور پر ملک میں اس کی اشاعت کی، موجودہ
شیعی فرقہ دراصل انھیں عقائد پر قائم ہوا،

مفسدین کی جماعت تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی لیکن حبشہ کا اوپر گزر چکا ہے
ہر ایک کا طمع نظر مختلف تھا، پھر آئندہ خلیفہ کے انتخاب میں بھی ہر ایک کی نظر الگ الگ
شخصیتوں پر تھی، اہل مصر حضرت علیؓ کے عقیدت کیش تھے، اہل بصرہ حضرت طلحہؓ کے طرفدار
تھے، اہل کوفہ حضرت زبیرؓ کو پسند کرتے تھے، اور بعض اہل عراق تو تمام قریش سے عداوت
رکھتے تھے، اور بعض سرے سے عربوں ہی کے دشمن تھے، لیکن امیر المومنین حضرت عثمانؓ
کی معزولی اور بنو امیہ کی بیخ کنی پر سب باہم متفق تھے عبداللہ بن سبائے حکمت علیؓ کے
ساتھ تمام اختلافات سے قطع نظر کر کے صرف اسی ایک مقصد پر سب کو متحد کر دیا اور
تمام ملک میں اپنے داعی اور سفیر بھیلادے کہ ہر طرف فتنہ کی آگ بھڑکا کر بد امنی پیدا

کرین اور مقصد برآری کیلئے حسب ذیل طریقوں کو طرزِ عمل بنانے کی خاص طور پر ہدایت کی

(۱) بظاہر شقی و پرہیزگار بننا اور لوگوں کو وعظ و پند سے اپنا معتقد بنانا،

(۲) اعمال کو دق کرنا اور ہر ممکن طریقے سے اُن کو بدنام کرنے کی کوشش کرنا،

(۳) ہر جگہ امیر المومنین کی کنبہ پروری اور نا انصافی کی داستان سنانا،

مذکورہ بالا طریقوں پر نہایت مستعدی کے ساتھ عمل کیا گیا ولید بن عقبہ والی کو فہرہ شرا بخاری کا الزام قائم کیا گیا اور حد بھی جاری کی گئی لیکن درحقیقت یہ ایک بہت بڑی سازش تھی، اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ والی بصرہ کی معزولی بھی انھیں ریشہ دو اینوں کا نتیجہ تھی

۳۳۰ء میں جبکہ قیصر روم نے پانچ سو جنگی جہازوں کے عظیم الشان بیڑے سے اسلامی سواحل پر حملہ کر کے مسلمانوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کر دیا تھا، اس وقت بھی یہ انقلاب پسند اپنے سامعی سے باز نہیں آئے، محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکرؓ نے جو مقدین کے دامنِ نزویر میں بھنس چکے تھے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو جو اسلامی بیڑے کے امیر البحر مقرر ہوئے تھے ہر طرح وق کیا، نماز میں بے موقع تکبیر میں بلند کر کے براہی پیدا کرتے، عبداللہ بن سعد کی علانیہ مذمت کرتے، اور مجاہدین سے کہتے کہ تم رومیوں کے مقابلہ میں جہاد کرنے جاتے ہو، حالانکہ اسلام کو خود مدینہ میں مجاہدین کی ضرورت ہے، لوگ تعجب سے پوچھتے کہ مدینہ میں کیا ضرورت ہے تو وہ حضرت عثمانؓ کا نام لیتے اور کہتے کہ اس ظالم امیر کو معزول کرنا اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے، اُس نے سنتِ شیخین کو چھوڑ دیا ہے، کبار صحابہ کو معزول کر کے اپنے اعزہ و اقارب

سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا ہے، غرض ہر قسم کی فریب کا ریون سے لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کی گئی، اسلامی بیڑا و دیون کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا تو محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکرؓ نے ایک کشتی پر سوار ہو کر چند قطبی ملاحوں کی اعانت سے بیڑے کا تعاقب کیا اور جہان جہازات لنگر انداز ہوتے وہ اپنی کشتی کو قریب لجا کر اپنے خیالات کی اشاعت کرتے، مجاہدین رومی بیڑے کو شکست دیکر منظر و منظر روپس آئے تو چند آدمیوں نے محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن ابی حذیفہؓ کو جہاد سے پہلو ہتی کرنے پر ملاست کی، اُنھوں نے کہا کہ ہم اُس جہاد میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں جس کا انتظام عثمانؓ کے ایماء سے ہوا، اور عبد اللہ بن سعدؓ میراث قرار دیا، اس کے بعد جب رسول حضرت عثمانؓ کے سوا اور بڑیوں کی طویل داستان شروع کر دی، عبد اللہ بن سعد نے دیکھا کہ یہ دونوں کسی طرح اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے، اور اُن کے سموم خیالات آہستہ آہستہ اثر پھیلا رہے ہیں تو نہایت سختی سے اُن کو منع کیا اور کہا کہ خدا کی قسم اگر امیر المومنین کا خیال ہوتا تو تمھیں اس مفسدہ پر دازی کا مزہ کھانا دیتا،

مدینہ بھی مفسدین سے خالی نہ تھا لیکن کبار صحابہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ تھے، اسیلے علانیہ اس جماعت کا کوئی اثر نہ تھا، البتہ اخیر عہد یعنی ۳۵ھ میں جس سال حضرت عثمانؓ شہید ہوئے مفسدین مدینہ نے بیرونی مفسدین کی اعانت سے اپنی سرگرمی کا ثبوت دیا اور اس قدر بیاک ہو گئے کہ خود امیر المومنین پر بھی دستِ تم دراز کرنے سے نہیں جھجکتے تھے، ایک دفعہ جمعہ کے روز حضرت عثمانؓ منبر پر خطبہ دے رہے تھے اور ابھی حمد و ثنا ہی شروع کی تھی کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا ”عثمان! کتاب اللہ کو اپنا طرزِ عمل بنا لیکن صبر و تحمل کے

اس پکیرنے نرمی سے کہا بیٹھ جاؤ، دوسری مرتبہ پھر کھڑے ہو کر اُس نے اُسی جگہ کا اعلان کیا، حضرت عثمانؓ نے پھر بیٹھنے کو کہا، غرض تین دفعہ اُس نے اسی طرح خطبہ کے درمیان برہمی پیدا کی اور ہر بار اُس کے جواب میں نرمی سے بیٹھنے کو کہا گیا، لیکن دہرودہ سازش ہو چکی تھی، ہر طرف سے مفیدین نے زور کر لیا اور اس قدر سنگریزوں اور پتھروں کی بارش کی کہ نائبِ رسول زخمیوں سے چور چور ہو کر منبر سے فرشِ خاک پر گر پڑا مگر صبر و تحمل کا یہ عالم تھا کہ اس بے ادبی پر بھی جذبہِ غیظ و غضب کو ہیجان نہ ہوا۔

غرض تمام دنیا سے اسلام پر آشوب تھی، ہر طرف مضبوطی اور فتنہ سازی کا بازار گرم تھا، مفیدین نے خفیہ ریشہ دوانیوں سے ایک عظیم الشان انقلاب کا سامان ہم ہو بچا لیا تھا، اور فترا پر دازیوں اور کذب بیانیوں سے اس طرح حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی تھی،

اس طویل مدت کے بعد اس زمانہ میں بھی بہت سے تعلیم یافتہ حضرات جو واقعات کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے انھیں غلط بیانیوں اور فریب کاریوں سے متاثر نظر آتے ہیں، اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر تمام اعتراضات کو قلب بند کر کے اصل افعال کو بے نقاب کر دیں۔

اس وقت تک حضرت عثمانؓ پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) کبار صحابہ مثلاً حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، خیرہ بن خثعمہؓ، عمرو بن عاصؓ، عمار بن یاسرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن ارقمؓ کو معزول کر کے خاص اپنے کنبہ کے نااہل اور ناجزبہ کار افراد کو مامور کیا،

(۲) بیت المال میں بیجا تصرف کیا اور مسرفانہ طریقے پر اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ سخاوت کا اظہار کیا، مثلاً حکم بن العاص جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں جلاوطن کر دیا تھا اسکو مدینہ آنے کی اجازت دی اور بیت المال سے ایک لاکھ درہم عطا کیا اور اُسکے لڑکے حارث کو اختیار دیا، کہ بازار میں جو فروخت ہو اس کی قیمت سے اپنے لیے عشر وصول کرے، مروان کو افریقہ کے مال غنیمت کا خمس دیا گیا، اسیطح عبد اللہ بن خالد کو تین لاکھ درہم کا گران قدر عطیہ مرحمت کیا، اور خود اپنی صاحبزادیوں کو بیت المال کے قیمتی جواہرات عنایت فرمائے حالانکہ فاروق اعظمؓ نے نہایت شدت کے ساتھ اس قسم کے تصرفات سے احتراز کیا تھا، یہاں تک کہ ایک دفعہ اُن کے ایک صاحبزادہ نے مال غنیمت میں سے ایک انگوٹھی اٹھالی تو اس سے عجمین کو بیت المال میں داخل کر دیا، اسکے علاوہ اپنے لیے ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا اور مصارف کا تمام بار بیت المال پر ڈالا، عبد اللہ بن ارقم اور مصعب مہتممان بیت المال نے اس اسراف پر اعتراض کیا تو اُن کو معزول کر کے زید بن ثابتؓ کو یہ عہدہ تفویض کیا گیا،

ایک دفعہ بیت المال میں وظائف تعین ہونے کے بعد ایک لاکھ درہم پس انداز ہوئے حضرت عثمانؓ نے بوجہ زید بن ثابتؓ کو اس گرانقدر رقم کے لینے کی اجازت دی (۳) عبد اللہ بن مسعودؓ اور ابی ثعلبہؓ کے روزیے بند کر دیے،

(۴) مدینہ کے اطراف میں بقیع کو سرکاری چراگاہ قرار دیا اور عوام کو اُس سے استفادہ ہونے سے روک دیا،

(۵) مدینہ کے بازار میں بعض اشیاء کی خرید و فروخت اپنے لیے مخصوص کر لی اور حکم دیا کہ کھجور کی گٹھلیاں امیر المومنین کے ایجنٹ کے سوا کوئی دوسرا نہیں خرید سکتا،

(۶) اپنے حاشہ نشینوں اور قرابت داروں کو اطراف ملک میں نہایت وسیع قطعاً زمین مرحمت فرمائے حالانکہ اس سے پہلے کسی نے ایسا نہیں کیا تھا،

(۷) بعض کبار صحابہ کی تذلیل کی گئی اور ان کو جلا وطن کیا گیا، مثلاً ابوذر غفاریؓ، عمار بن یاسرؓ، جندب بن جنادہؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبادہ بن عباسؓ کے ساتھ نہایت نامنصفانہ سلوک ہوا،

(۸) زید بن ثابتؓ کے تیار کردہ مصحف کے سوا تمام مصاحف کو جلا دیا،

(۹) حدود کے اجراء میں تغافل سے کام لیا،

(۱۰) فرائض وغیرہ میں تمام امت کے خلاف روایات مشاذہ پر عمل کیا گیا حالانکہ شیخین جب تک روایات کی اچھی طرح توثیق نہیں کر لیتے تھے اسکو قبول نہیں کرتے تھے،

(۱۱) مذہب میں بعض نئی بدعتیں پیدا کیں جنکو اکثر صحابہ نے ناپسند کیا، مثلاً حج کے موقع پر منیٰ میں دو رکعت نماز کے بجائے چار رکعت نماز ادا کی، حالانکہ خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد شیخین نے کبھی دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی،

(۱۲) مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی گئی جس کا نتیجہ حضرت عثمانؓ کی شہادت

کی صورت میں ظاہر ہوا،

مذکورہ بالا واقعات میں حضرت عثمانؓ کے فرد قرار دیا د جرم کو زنگ آمیزی کے ساتھ نہایت اہم اور خوفناک بنایا گیا ہے، لیکن ہکو جلد بازی کے ساتھ کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے ہر ایک الزام تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر جانچنا چاہیے کہ اس میں صداقت کا کتنا شائبہ ہے؟

سب سے پہلا الزام جو بجائے خود متعدد الزامات کا مجموعہ ہوا اسکی تفصیل حسب ذیل ہے:

- (۱) کبار صحابہؓ کو ذمہ داری کے عہدوں سے معزول کر دیا،
 (۲) نااہل اور ناتجربہ کار افراد کو رعایا کی قسمت کا مالک بنا دیا،
 (۳) اپنے خاندان کو توقیت دی

امراؤں کی نسبت تحقیقی فیصلہ سے قطع نظر کر کے پہلے دیکھنا چاہیے کہ اگر یہ الزام ہے تو اسلام کے سب سے عادل اور مدبر خلیفہ فاروق اعظمؓ پر جس کا عدل و انصاف اور تدبیر دنیائے اسلام کے لیے قیامت تک مایہ ناز رہیگا ایسی الزام عائد ہو سکتا ہی نہیں؟ جس نے خلیفہ سیف اللہ پیغمبر بن شعبہؓ اور سعد وقاصؓ فاتح ایران کو معزول کر دیا تھا، یا شیر خدا علیؓ کرم اللہ وجہہ اسی اعتراض کے مورد ہو سکتے ہیں یا نہیں جنھوں نے عنان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی تمام حال عثمانی کو یک قلم موقوف کر دیا، جن کی قوت بازو نے طرابلس آرمینیا اور قبرس کو زیر نگین کیا تھا، حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی قسم کے واقعات کسی خاص وقتی سبب کی بنا پر ایک شخص کیلئے موجب مدح اور دوسرے کے لیے موجب ذمہ بنا دیے جاتے ہیں اور اس پر ایسی ملمع سازی کی جاتی ہے کہ کسی کو تحقیق و تنقید کا خیال تک نہیں آتا،

حضرت عثمانؓ کبار صحابہ میں سے جن لوگوں کو معزول کیا تھا ان میں سے عمرو بن العاصؓ سعد وقاصؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کی معزولی کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے اس سے تھیں معلوم ہوا ہوگا کہ عمرو بن العاصؓ والی مصر نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے میں ذمیون کے ساتھ نہایت ناسفغانہ سلوک کیا تھا اور ان کو لونڈی غلام بنا لیا تھا، نیز نئی نہروں کے جاری ہو جانے کے باوجود وہ مصر کے مالیات میں کچھ اضافہ نہ کر سکے اور آخر عبداللہ بن ابی سرح کی تقرری کے بعد اس سے کمین زیادہ ہو گیا، اس طرح

سیدہ صفوی
جلد ۲
صفحہ ۱۸۹

کرنے کا الزام ایک حد تک قابلِ غور ہے، اس میں شک نہیں کہ شیخین نہایت محتاط تھے اور ہر ایک شک و شبہ کے موقع سے بچتے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ خلافت کے معاملات میں اپنے اعزہ و اقارب کے لیے ہمیشہ کوتاہ دست رہے، لیکن حضرت عثمانؓ ایک سادہ طبع اور نیک نفس بزرگ تھے، مزاج میں استقدائش بینی نہ تھی، نیز اپنے اختیارات سے اپنے اہل قرابت کو فائدہ پہنچانا صلہ رحمہ جانتے تھے، ایک دفعہ جب لوگوں نے اس طرزِ عمل کی علانیہ شکایتیں کیں تو حضرت عثمانؓ نے صحابہ کو جمع کیا اور خدا کا واسطہ دیکر پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو تمام اہل عرب پر ترجیح نہیں دیتے تھے؟ اور کیا قریش میں سے بنو ہاشم کا سب سے زیادہ خیال نہیں رکھتے تھے؟ لوگ خاموش رہے تو ارشاد فرمایا کہ اگر میرے ہاتھ میں جنت کی کنجی ہوتی تو تمام بنو امیہ کو اس میں بھر دیتا، بہر کیف یہ امامِ وقت کی ایک اجتہادی رائے تھی، ممکن ہے کہ عام لوگ اس سے متفق نہ ہوں، لیکن اس سے حضرت عثمانؓ کے فضل و کمال کا دامن و اخدار نہیں ہو سکتا،

دوسرا الزام بیت المال میں سرفارہ تصرف کا ہے لیکن ثبوت میں جن واقعات کا کام لیا گیا ہے وہ یا تو سرتاپا غلط ہیں یا رنگ آمیزی کر کے ان کی صورت بدلدی گئی ہے، ہم ذیل میں تفصیل کے ساتھ ہر ایک واقعہ کو اس کی اصلی صورت میں دکھاتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ مفسدین نے کس طرح واقعات کی صورت کو مسخ کر کے حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی،

تحقیق واقعات سے قطع نظر کہ ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ذاتی طور پر حضرت عثمانؓ کی مالی حالت کیسی تھی؟ تاکہ اندازہ ہو سکے کہ وہ اپنی ذاتی دولت سے اس قسم کی

فیاضی اور جو دو کرم پر قادر تھے یا نہیں؟

عام طور پر تاریخوں سے ثابت ہے کہ حضرت عثمانؓ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ

درویش اور سادہ دل تھے، اس کے علاوہ اس سے یہ بھی کہا ہے کہ ہرگز ہرگز پلے بیرون

کی خریداری پر صرف کیے، ایک بیش قرار رقم سے مسجد نبویؐ کی توسیع کی اور لاکھوں روپے سے حبش عسکر کو ہر استہ کیا اب سوال یہ ہے کہ عام طور پر راہ خدا میں جسکے جو دو سخا کا یہ حال ہو وہ اپنی دولت سے ذوی القربی کے ساتھ کچھ صلہ رحم نہیں کر سکتا تھا؟

حضرت عثمانؓ نے ایک موقع پر حسب ذیل تصریحات کے ساتھ اس الزام کو دفع

کیا تھا،

لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان! لون سے محبت

رکھتا ہوں اور ان کے ساتھ فیاضی کرتا ہوں لیکن میری

محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا ہے بلکہ میں

صرف ان کے واجب حقوق اور کرتا ہوں، اس طرح فیاضی

بھی اپنے ہی مال تک محدود رہے مسلمانوں کا مال

میں اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کیلئے

میں رسول اللہؐ اور ابو بکرؓ کے عہد میں بھی اپنے

مال سے گرانقدر عطیے دیا کرتا تھا حالانکہ میں اس زمانہ میں

بخیل و حریص تھا اور اب جبکہ میں اپنی خاندانی عمر کو

پہنچ چکا ہوں زندگی ختم ہو چکی ہے اور اپنا تمام

سراپہ اپنے اہل و عیال کے سپرد کر دیا ہے تو محمد بن

قاسم بن ابی اہل بیت و

اعطیہمنا ما حبی فانہ لم علی معہم علی

جس دلیل احمل الحقیق علیہم و ما

اعطائے ہمہ فانی ما اعطیہم من مالی

ولا استغنی اموال المسلمین لغنی ولا لاحد

من الناس ولقد کنت اعطی اعطیۃ الکثیر

الرخیۃ من صلب مالی ازمان رسول اللہ

والی بکر و عمر رضی اللہ عنہما وانا بقرین

شہر یس الخیین انیت علی اسنان

اہل بیت و غنی عمری و ودعت الذی

لی فی اہلی قال الملحد و ما قال

و اِنِّی وَاَللّٰهُ مَا حَمَلْتُ ایسی باتیں مشہور کرتے ہیں، خدا کی قسم میں نے
 مَصْرَمَ لَا مَصْرَافَ فِیْهِمْ ذَا لَکَ کسی شہر پر خراج کا کوئی بار ایسا نہیں ڈالا ہے
 لَمَنْ قَالَهُ وَ لَقَدْ رَدَدْتَهُ کہ اس قسم کا الزام دینا جائز ہو اور جو کچھ وصول ہوا
 عَلَیْهِمْ وَمَا قَدَّمْ عَلَی الْاِخْمَاسِ انہیں لوگوں کے رخا وہ بہود پر صرف ہوا، میرے
 وَلَا یَحِلُّ لَیْ مِنْهَا شَئٌ فِی الْاَسْمٰوِنَ پس صرف خمس آتا ہے اور اس میں سے بھی اپنے
 وَ ضَعْفًا فِی الْاَهْلِ اَدْنٰی لیے کچھ لینا جائز نہیں ہمارے لوگوں نے اسکو میرے مشوہ
 وَلَا یَتَلَفُ مِنْ مَّالِ اللّٰهِ فِیْ سُلٰسٍ کے بغیر سختی میں صرف کیا، خدا کے مال میں ایک
 مَا فَوْقَهُ وَمَا تَلْفَظُ مِنْهُ پیرہ کا بھی صرف نہیں کیا جاتا، میں اس سے کچھ
 مَا اَکَلَ اِلَّا مِنْ مَّائِیۃٍ نہیں لیتا ہوں یہاں تک کہ کھاتا بھی ہوں اپنے

ہی مال سے،

مذکورہ بالا تصریحات کے بعد اب ہم کو ان واقعات کی طرف رجوع کرنا چاہیے جن کی بنا پر ذوالنورینؑ کی تابشِ ضیاء کو غبارِ آلود کہا جاتا ہے

اس میں شک نہیں کہ حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کو جلا وطن کر دیا تھا لیکن اخیر عہد میں حضرت عثمانؓ کی سفارش سے مدینہ آنے کی اجازت دیدی تھی چونکہ شیخین کو ذاتی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوری کا علم نہیں تھا، اس لیے انھوں نے مدینہ آنے کی اجازت نہیں دی جب حضرت عثمانؓ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لی تو اپنے ذاتی علم کی بنا پر ان کو مدینہ بلا لیا، اور ان کے مروان سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر دیا اور صلہ رحم کے طور پر حبیبِ حناص سے حکم کو ایک لاکھ درہم عطا فرمائے، نیز مروان کو ۲۹۵۲، سے صاحبِ صابہ اور اسد لغابہ دونوں نے علم کے حالات میں اس اجازت کا ذکر کیا ہے

جہیز میں ایک لاکھ درہم کا عطیہ مرحمت کیا، یہ ہے اصل واقعہ جسکو مفیدین نے رنگ آمیزی کر کے کچھ سے کچھ کر دیا،

طرابلس کے مال غنیمت سے مروان کو خمس لانے کا واقعہ سراسر بہتان ہے، اس کی صحیح کیفیت یہ ہے کہ مروان نے اسکو خرید لیا تھا، چنانچہ مورخ ابن خلدون لکھتا ہے،

دارسل ابن زبیر بالفتح والجنس فاشترى
مروان بن حکم نجس مائتہ الف دنیا
وبعض الناس ليقول اعطاه اجالا
ولا يصح وانما اعطى ابن ابی سرح
خمس الخمس من الفزدة الاولى
یعنی ابن زبیر نے فتح کا غزوہ اور پانچواں حصہ دار الخلاء کو لے لیا تھا جسکو پانچ لاکھ نیا درہم مروان نے خرید لیا اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ مروان کو دیدیا گیا یہ صحیح نہیں ہے بلکہ پہلے معرکہ کے مال غنیمت کے خمس کا خمس ابن ابی سرح کو دیدیا تھا،

اب یہ اعتراض رہ جاتا ہے کہ کسی غزوہ کے مال غنیمت کا کوئی حصہ ابن ابی سرح کو دینے کا کیا حق تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ طرابلس کی جنگ کے قبل حضرت عثمانؓ نے ابن ابی سرح سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس معرکہ میں کامیاب ہوئے تو مال غنیمت کے پانچواں حصہ کا پانچواں حصہ تم کو دیا جائیگا، چنانچہ فتح کے بعد حسب وعدہ ان کو دیدیا، اس سے عام مسلمانوں کو شکایت پیدا ہوئی اور انھوں نے حضرت عثمانؓ سے آکر شکایت کی تو انھوں نے اسکو واپس لے لیا، طبری کے یہ الفاظ ہیں،

فان رضيتهم فقد جازوا من مخطمتهم فهدود
قالوا انما مخططه قال فهدود وكتب
حضرت عثمانؓ نے کہا، کہ اگر تم لوگ اس پر راضی ہو تو ان کا ہو چکا اور اگر تمھاری مرضی کے خلاف ہے تو

اَلِیْ عَبْدِ اللّٰهِ بِرَدِّ ذَا لَکَ ۝

واپس ہے لوگوں نے کہا ہم راضی نہیں ہیں فرمایا

واپس ہو اور عبد اللہ کو واپس کر نیکاً حکماً لکھ دیا،

عبد اللہ بن خالد کو تین لاکھ کا عطیہ مرحمت فرمایا گیا لیکن اس کی نسبت خود حضرت

عثمانؓ نے مصری معترضین سے فرمایا تھا کہ میں نے بیت المال سے یہ رستم بصورتِ

قرض لی ہے،

حارث بن حکم کو بازاردینہ سے عشر وصول کرنے کا اختیار دینا محض خلاف عقل اور

بالکل بے بنیاد ہے، ایسی طرح اپنی صاحبزادیوں کو میرے جواہرات دینے کا قصہ صرف

ابن اسحاق نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کیا ہے اور چونکہ درمیانِ راوی مبہول ہے،

اس لیے قابلِ استناد نہیں،

بیت المال کے صرف سے اپنے لیے محل تعمیر کرانے کا قصہ محض کذب صریح ہے جو

فیاض طبع اپنے ابرکرم سے دوسروں کو سیراب کرتا ہوا درجہ اپنا مقررہ وظیفہ بھی بیت المال

سے لیتا پسند نہ کرتا ہوا، وہ اپنے لیے عام مسلمانوں کا شرمندہ احسان ہونا کس طرح گوارا کرتا،

زید بن ثابتؓ مہتمم بیت المال کو ایک لاکھ درہم دینے کی روایت بالکل بے بنیاد ہے

اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بیت المال میں اخراجات کے بعد ایک معقول رقم پس انداز

ہوئی، حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ اسکو کسی رفاد عام کے کام پر صرف کوئیں

چنانچہ اُنھوں نے اُس کو مسجد کی توسیع اور تعمیر میں صرف کر دیا، انشاء اللہ اس کا تفصیلی بیان

تعمیرات کے سلسلہ میں آئیگا،

(۳) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابی بنہ کے دُعا ئف کا بند کرنا کوئی قابلِ

امرنہیں ہے امام وقت کو سیاسی وجوہ کی بنا پر اس قسم کے اختیارات حاصل ہیں، حضرت عثمانؓ کو ان دونوں بزرگوں کی طرف سے کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی اس لیے انھوں نے کچھ دنوں کیلئے وظیفہ روک دیا تھا، چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے وفات پائی تو غایت انصاف سے کام لیکر جب قدر وظیفہ بیت المال کے ذمہ باقی تھا جو تخمیناً بیس چوبیس ہزار تھا ان کے درخت کے حوالہ کر دیا،

(۴) اچھا اعتراض بالکل بے معنی ہے، فوجی گھوڑوں اور زکوٰۃ کے اونٹوں کیلئے چراگاہیں بنوانا خلیفہ وقت کا منصبی فرض ہے، خود رسول اللہؐ نے مقام بقیع کو چراگاہ قرار دیا تھا، حضرت عمرؓ نے تمام ملک میں وسیع چراگاہیں تیار کرائی تھیں، عبداللہ بن مسعودؓ گھوڑوں اور اونٹوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا، یہاں تک کہ صرف ایک چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے اس لیے سرکاری چراگاہوں کا وسیع پیمانہ پر انتظام کرنا ضروری تھا اور چونکہ یہ تمام چراگاہیں سرکاری خرچ سے تیار ہوئی تھیں اس لیے عوام کو اس سے مستفید ہونے کا کوئی حق نہ تھا،

البتہ اگر الزام کی یہ صورت ہو کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ذاتی گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے مقام بقیع کی چراگاہ کو مخصوص کر لیا تھا تو اس کے متعلق انھوں نے خود جن الفاظ میں اپنی بریت ظاہر کی ہے وہ اس بحث کے فیصلہ کے لیے کافی ہے،

فتا لوان حمیت حمی وانی واللہ ما
حمیت حمی قبلی واللہ ما حمواشیاً
لاحد الا ما غلبہ علیہ
وگ کہتے ہیں کہ تو نے مخصوص چراگاہیں بنائی ہیں حالانکہ
مذاکلہ قسم میں نے اسی کو مخصوص چراگاہ قرار دیا ہے جو مجھ سے پہلے
مخصوص ہو چکی تھی اور مذاکلہ قسم ان لوگوں سے ہی مخصوص

اہل المدینہ

مخصوص چراگاہین تیار کر لین جن پر نام اہل مدینہ غالب کئے،

اس کے بعد چرانے سے کسی کو نہیں روکا اور اسکو

مسلمانوں کے مدت پر محدود کر دیا ان کو اس لیے

چراگاہ بنایا تاکہ وہ اپنی مدت اور کسی کے دوسان نزاع

نہ واقع ہو پھر کسی کو نہ منع کیا نہ اس سے ہٹایا پھر اس کے

جس نے بطور رشوت کے کوئی درہم دیا،

شتم لم يمنعوا من رعیتہ احدا

و اقتصر الصدقات المسلمین یحییٰ

لئلا یمکن بلین من یلیہا و بین احد

متنازع شتم ما منعوا و اخوا منها احد

الا من ساق درہما،

ومالی من بغیر غیر احلتین

ومالی شاغیہ ولا راعیۃ وانی

قد ولیت وانی اکثر العرب بعیرا

و شاء فغالی المیوم شاة ولا بعیر

غیر بعیرین لہی

میرے پاس اس وقت دو اونٹوں کے سوا اور کچھ نہیں

حالانکہ جو وقت میں نے خلافت کا بارگراں اپنے سر لیا،

تو تین عرب میں سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا ہک

تھا اور آج ایک اونٹ اور ایک بکری تک نہیں ہرگز

مج کیلئے دو اونٹ لگے ہیں

(۵) بازار میں بعض اشیاء کی خرید و فروخت کو اپنے لیے مخصوص کر لینے کا قصہ

بافل غلط ہے، اگر اسکو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو نائب رسول اور ایک جفاکار بادشاہ میں کوئی

فرق نہیں رہ جاتا، البتہ کجور کی گٹھلیوں کو زکوٰۃ کے اونٹوں کی خوراک کے لیے خریدنے کا

انتظام کیا گیا ہوگا، لیکن اس سے کوئی الزام نہیں عائد ہو سکتا،

(۶) اپنے حاشیہ نشینوں اور اہل قرابت کو اطراف ملک میں وسیع قطعات زمین

مرحمت فرمانے کا جو الزام قائم کیا گیا ہے اس کی صحیح کیفیت یہ ہے،

عہد عثمانی میں بہت سے اہل مین گھر بار اور جائیداد چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تھے،

حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کی راحت اور سہولت کے خیال سے اراضی نزول
اُن کی یمن کی جائداد سے تبادلہ کر لیا تھا، مثلاً حضرت طلحہؓ کو ایک قطعہ زمین دیا تو اس کے
معاوضہ میں کندہ یمن ان کی ملکہ کو جائداد پر قبضہ کر لیا، انتظامی حیثیت سے اس قسم کا
رد و بدل ناگزیر تھا،

عراق میں بہت سی زمین غیر آباد پڑی ہوئی تھی، جن لوگوں نے اس کو قابلِ زراعت
بنا یا حضرت عثمانؓ نے من احيى ارضاً ممتیة فہی لہ پر عمل کر کے اُن کو اس کا مالک قرار دیا،
ملک کو آباد اور قوم کو مرفہ الحال کرنے کے لیے اس قسم کی ترغیب و تحریص نہ صرف جائز
بلکہ ضروری ہے

۷، اگر حضرت عثمانؓ نے اخلاقی یا سیاسی مصالح کی بنا پر کسی صحابی کی تادیب
کی تو اس سے اسکی تذلیل نہیں ہوئی، حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب پر کوڑا اٹھایا، عیاض
بن غنم کا کرتہ اتر دیا، بکر بن ہریرہ کو دین اور سعد و قاص کو دتے مارے تو کسی نے
اسکو تذلیل پر محمول نہیں کیا،

حضرت ابو ذرؓ کو حضرت عثمانؓ نے جلاوطن نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود تارکِ دنیا
ہو گئے تھے، چنانچہ جب حضرت عثمانؓ نے تحقیقات کے لیے طلب کیا اور حضرت ابو ذرؓ
در بارِ خلافت میں حاضر ہوئے تو حضرت عثمانؓ نے پہلے فرمایا کہ آپ میرے پاس رہیے،
آپ کے اخراجات کا میں کفیل ہوں لیکن آنھوں نے یہ کہہ کر اسکا رد کیا کہ تمھاری دنیا کی
مجھ کو ضرورت نہیں ہے

اسی طرح عبادہ بن صامتؓ کے ساتھ بھی کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا بلکہ انکی جلاطنی

روایت کے برخلاف ایک مستند روایت موجود ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے آخری عہد
 شام بن تقیم غنیمت کے عہدہ پر مامور تھے، البتہ عمار بن یاسرؓ، جندب بن جنادہؓ اور
 عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ کچھ سختیاں ہوئیں لیکن اس سے اُن کی تذلیل نہیں ہوئی،
 ایک مصحف کے سوا تمام مصاحف کے جلادینے کا الزام صرف ان لوگوں کے
 نزدیک قابلِ وقعت قرار پاسکتا ہے جن کے دل بصیرت سے اور آنکھیں بصارت سے
 محروم ہیں، حضرت عثمانؓ نے خود کوئی صحیفہ ترتیب دیکر پیش نہیں کیا بلکہ فتنہ کے ظہور سے
 پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی حضرت ابو بکرؓ نے مصحف تیار کرایا تھا، اُسی کی
 نقلیں حضرت عثمانؓ نے مختلف اصصار و دیار میں بھجوا دیں اور اسی کی تسلیم پر تمام امت کو
 متفق کر دیا، یہ آپ کا وہ کارنامہ ہے جسکے بارِ احسان سے امت محمدیہ کبھی سبکدوش
 نہیں ہو سکتی،

(۹) اس میں شک نہیں، جو کہ حضرت عثمانؓ نہایت رحمدل اور رقیق القلب تھے،
 لیکن شرعی حدود کے اجراء میں اُنھوں نے کبھی تساہل سے کام نہیں لیا، جن اُتعات کی
 بنا برائے کو اجراء حدود میں تغافل شعار بنایا جاتا ہے اُن کی تفصیل یہ ہے،

(۱) عبید اللہ بن عمرؓ سے ہرمزان کا قصاص نہیں لیا گیا،

(۲) ولید بن عقبہؓ پر شراب خوری کی حد جاری کرنے میں غیر معمولی تاخیر ہوئی،

ہرمزان کا واقعہ یہ ہے کہ جب فاروق اعظمؓ کو ابو لوط مجوسی نے شہید کیا تو عبید اللہ
 بن عمرؓ نے غضبناک ہو کر قاتل کی لڑکی اور ہرمزان کو جو ایک نو مسلم ایرانی تھے قتل کر دیا کیونکہ
 ان کے خیال میں یہ سب سازش میں شریک تھے، حضرت عثمانؓ نے عنانِ خلافت
 ہاتھ میں لی تو سب سے پہلے یہی مقدمہ پیش ہوا، صحابہ سے اس کے متعلق رائے طلب کی،

تو حضرت علیؑ نے عبید اللہ بن عمر کو ہرمزان کے قصاص میں قتل کرنے کا مشورہ دیا بعض
 مہاجرین نے کہا عمر کل قتل کیے گئے اور ان کا لوط کا آج مارا جائیگا، عمرو بن عاصؓ نے
 کہا امیر المومنین اگر آپ عبید اللہ کو معاف کر دیں گے تو امید ہے کہ خدا آپ سے باز پرس
 نہ کرے گا، غرض اکثر صحابہ عبید اللہ کے قتل کرنے کے خلاف تھے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا چونکہ
 ہرمزان کا کوئی وارث نہیں ہے اس لیے حیثیت امیر المومنین میں اس کا دلی ہون
 اور قتل کے بجائے دیت پر راضی ہون اُسکے بعد خود اپنے ذاتی مال سے دیت کی رقم دیدی،
 حضرت عثمانؓ نے جس عمدگی کے ساتھ اس مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے اس سے بہتر نہیں
 ہو سکتا تھا کیونکہ قبیلہ عدی کبھی ہرمزان کے قصاص میں عبید اللہ بن عمر کے قتل کو پسند
 کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور درحقیقت اسی وقت فتنہ و فساد کی آگ شعل ہو جاتی،

ولید بن عقبہ والی کوفہ نے بادہ نوشی کی تو حضرت عثمانؓ نے فوراً معزول کر دیا،
 لیکن حد کے اجرا میں اسوجہ سے تاخیر ہوئی کہ حضرت عثمانؓ کو گواہوں پر کامل اطمینان نہیں
 تھا، جب کافی ثبوت ہم پہنچ گیا تو پھر حد کے اجرا میں پس و پیش نہیں کیا گیا،
 (۱۰) یہ خیال کہ حضرت عثمانؓ نے موثق روایات کو چھوڑ کر روایات شاذہ پر عمل
 کیا قطع غلط ہے، البتہ اجتہادی مسائل میں اختلاف آرا ہوا اور یہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ
 مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام صحابہ میں اس قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے،

(۱۱) مذہب میں اختراع بدعات کا الزام نہایت نامنصفانہ ہے، اعتبارِ سنت
 حضرت عثمانؓ کا مقصد حیات تھا، امتی میں دو کے بجائے چار رکعت نماز ادا کرنا بھی دراصل
 ایک نص شرعی پر مبنی تھا چنانچہ جب صحابہ نے اسکو بدعت پر محمول کر کے اپنی ناپسندگی

کا اظہار کیا تو خود حضرت عثمانؓ نے ایک مجمع میں اپنے چار رکعت نماز پڑھنے کی حسبِ نیت وجہ بیان کی

یا ایہا الناس انی تاہلت بکلمۃ منذ
قد مت وانی سمعت رسول اللہ ﷺ
علیہ وسلم یقول من تاہل فی بلد
فلیس صلوٰۃ الملتئمۃ
صاحبو! جب میں کہہ بوجھا تو بیانِ اقامت کی نیت
کر لی اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے
کہ جو کسی شہر میں اقامت کی نیت کرے اُسکو تیمم
کی طرح نماز پڑھنا چاہیے،

(۱۲) بارہوان الزام مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کا ہے، چونکہ اس کی تفصیلی بحث
حضرت عثمانؓ کی شہادت کے موقع میں آئے گی اس لیے اسکو بیانِ نظر انداز کرتے ہیں،
غرض یہی حقیقت ہے اُن تمام الزامات کی جنگی بنا پر سازش، فتنہ پر داری اور
انقلاب کی عمارت قائم کی گئی تھی اور اس حد تک مکمل ہو چکی تھی کہ اس کا انہدام
تقریباً ناممکن ہو گیا تھا تاہم حضرت عثمانؓ نے شورشِ رفع کرنے کے لیے اصلاح اور رفع
شکایت کی ایک آخری کوشش کا ارادہ کر لیا اور تمام عمال کو دار الخلافہ میں طلب
کر کے اس کے متعلق ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کی، شرکاء مجلس میں امیر معاویہ، عبداللہ بن
ابی سرح، سعید بن العاص اور عمرو بن العاص خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں

رفعِ فتنہ کی آخری کوشش | حضرت عثمانؓ نے ایک مختصر تقریر کے بعد موجودہ شورش کو رفع کرنے کے
متعلق ہر ایک سے رائے طلب کی، عبداللہ بن عامر نے کہا امیر المومنین! میرا خیال ہے
کہ اس وقت کسی ملک پر فوج کشی کر دی جائے لوگ جہاد میں مشغول ہو جائیں گے
تو فتنہ و فساد کی آگ خود بخود سرد ہو جائیگی،

سعید بن العاص نے کہا، موجودہ شورش صرف ایک مخصوص جماعت کی وجہ سے ہے اس کے سرگردہ اگر قتل کر دیے جائیں تو مفسدین کا شیرازہ بکھر جائیگا اور ملک میں کامل امن و امان پیدا ہو جائیگا،

امیر معاویہ نے کہا! ہر ایک عامل اپنے صوبہ میں امن و امان قائم رکھنے کا ذمہ لے میں ملک شام کا ضامن ہوں،

عبد اللہ بن سعد نے کہا! شورش پسند گردہ حریص و طماع ہے اس لیے مال و زر کا فیضان عام ان کو امن پسند بنا سکتا ہے،

عمرو بن العاص نے کہا! امیر المومنین! آپ کی بے اعتدالیوں نے لوگوں کو احتجاج حق پر آمادہ کیا ہے، اس لیے اب صرف دو ہی صورتیں ہیں، عدل و انصاف یا خلافت سے کنارہ کشی، اگر یہ دونوں ناپسند ہوں تو پھر جو چاہیے کیجیے، حضرت عثمانؓ نے تعجب سے عمرو بن العاص کی طرف دیکھا اور فرمایا افسوس! کیا تم میری نسبت ایسی رائے رکھتے ہو؟ عمرو بن العاص خاموش رہے لیکن جب مجمع منتشر ہو گیا اور تنہا حضرت عثمانؓ رہ گئے تو کہا امیر المومنین! آپ مجھے بہت زیادہ محبوب ہیں، مجمع عام میں میں نے جو رائے دی وہ صرف ناشی تھی تاکہ مفسدین مجھے ہتھیال سمجھ کر اپنا رازدار بنائیں، اور اس طرح آپ کو ان کے خیر و شر سے مطلع کرتا رہوں، اگرچہ یہ اہمیت ڈار بجائے خود دلنشین اور قابل تعریف نہ تھا تاہم حضرت عثمانؓ خاموش ہو گئے۔

عمال کی مجلس شوریٰ نے اگرچہ بیش قیمت رائیں دیں لیکن ان سے اصل مرض کا ازالہ نہیں ہو سکتا تھا اس لیے اصلاح ملک کا کوئی مکمل دستور عمل تیار نہ ہو سکا، حضرت

حضرت عثمانؓ نے تمام عمال کو واپس کر دیا اور خود ایک مکمل اسکیم سوچنے میں مصروف ہو گئے۔
 مفیدین کو نہ کی رضا جوئی پہلے گزر چکا ہے کہ مفیدین کو فہ سعید بن العاص سے خاص بغض
 و عناد رکھتے تھے چنانچہ جب وہ مجلس شوریٰ میں شریک ہونے کے لیے مدینہ گئے تو انھوں نے
 باہم عہد کیا کہ اب ان کے کو فہ واپس آنے میں بزدل مزاحم ہوں گے، اس لیے جب سعید
 بن العاص مدینہ سے کو فہ کی طرف روانہ ہوئے تو حسب قرار داد مفیدین نے شہر سے باہر
 نکل کر مقام جرمہ میں مزاحمت کی اور مدینہ واپس جانے پر مجبور کیا، حضرت عثمانؓ نے
 ان لوگوں کی خواہش کے مطابق سعید کو معزول کر کے ابوموسیٰ اشعریؓ کا تقرر کیا اور باوجود
 کے پاس لکھ بھیجا، کہ میں نے تمھاری خواہش کے مطابق تقرر کر دیا اور آخر وقت تک
 تمھاری اصلاح میں جدوجہد کر دوں گا، اور کسی وقت صبر کا دامن ہاتھ سے نہ
 چھوڑ دوں گا،

تحقیقاتی وفد | حضرت عثمانؓ اصلاح ملک کی فکر میں تھے لیکن کوئی مناسب تدبیر
 سمجھ میں نہیں آتی تھی، حضرت طلحہؓ نے مشورہ دیا کہ مختلف حصص ملک میں عام حالات
 کی تحقیقات کیلیے وفد روانہ کیے جائیں، چنانچہ یہ راسے پسند آئی اور سترہ سالہ محمد بن
 کو فہ، اسامہ بن زید، بصرہ، عمار بن یاسر، مصر، عبداللہ بن عمرؓ شام اور بعض دوسرے
 صحابہ دیگر صوبہ جات کی طرف تفیش حال کیلیے روانہ کیے گئے، نیز تمام ملک میں گشتی
 اعلان جاری کیا کہ میں عموماً حج کے موقع پر تمام عمال کو جمع کرتا ہوں اور جس کسی کو علیٰ عمل
 سے شکایت ہوتی ہے تو پیش کرنے پر فوراً تحقیقات کر کے تدارک کرتا ہوں لیکن باوجود اسکے
 معلوم ہوا ہے کہ بعض عمال بیوجہ لوگوں کو مارتے ہیں، مالی دیتے ہیں اور دوسرے طریقوں سے

ظلم و تعدی کرتے ہیں اس لیے اعلان عام ہے کہ جسکو مجھ سے بائبرے کسی عامل سے شکایت ہو وہ حج کے موقع پر بیان کرے میں کامل تدارک کر کے ظالم سے مظلوم کا حق دلاؤں گا،

انقلاب کی کوشش | دربار خلافت میں نو اصلاحات کی تجویز میں پیش ہو رہی تھیں لیکن دوسری طرف ملک میں ایک عظیم الشان انقلاب کی سازش مکمل ہو چکی تھی، بصرہ، کوفہ، اور مصر کے فتنہ پردازوں نے باہمی قرارداد کے بعد اپنی اپنی جگہ سے حاجون کی وضع میں مہینہ کا فتنہ کیا کہ بزور اپنے مطالبات تسلیم کرائیں،

مفسدین نے مدینہ کے قریب پہونچ کر شہر سے دو تین میل کے فاصلہ پر طرح اقامت ڈالی، اور چند آدمی جو اس جماعت کے سرگروہ تھے باری باری حضرت علیؑ حضرت زبیرؓ حضرت سعد و قاصؓ اور حضرت علیؓ کے پاس گئے کہ اپنی وساطت سے معاملات کا تصفیہ کر دیں لیکن سب نے اس جھگڑے میں پڑنے سے انکار کیا،

حضرت عثمانؓ کو فتنہ و فساد کا دبانہ اور لوگوں کی صحیح شکایات کا رفع کرنا بھراں منظور تھا، انھوں نے جب مفسدین کی اجتماع کی خبر سنی تو حضرت علیؓ کو بلا کر کہا کہ آپ اس جماعت کو راضی کر کے واپس کر دیجئے میں جائز مطالبات کے تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوں، غرض حضرت علیؓ کی وساطت سے مفسدین واپس گئے، حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے روز مسجد میں خطبہ دیا اور تفصیل کے ساتھ اصلاحی اسکیم اور اپنے آئندہ طرز عمل کی توضیح کی، لوگ خوش ہوئے کہ اب منازعات کا خاتمہ ہو گیا، جدید اصلاحات کے اجرا سے ایک طرف تو بنو امیہ کا زور ٹوٹ جائیگا دوسری طرف باغ اسلام میں جسکو مسلسل پانچ سال

فتنہ و فساد اور سازش و فتنہ پردازی کی بادخزان نے بے روفی کو یا ہے پھر تازہ بہ تازہ آجائگی لیکن یہ غیظہ سرور بھی اچھی طرح کھلا بھی نہ تھا کہ مرجھا گیا، مدینہ کی گلیوں میں کبیر کے نعروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے شوقیہات برپا ہو گیا، کبار صحابہ گھبرا کر گھروں سے نکل آئے دیکھا تو مسندین کی جماعت بھڑو آپس آگئی ہے اور انتقام، انتقام کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں حضرت علیؓ نے بڑھ کر واپس آنے کا سبب دریافت کیا تو مصریوں نے کہا کہ راہ میں دربار خلافت کا ایک قاصد ملا، جو نہایت تیزی و عجلت کے ساتھ مصر جا رہا تھا، اُسکی مشتبہ حالت سے بدگمانی پیدا ہوئی اور خیال ہوا کہ ضرور ہم لوگوں کے تعلق والی مصر کے پاس احکام جارہے ہیں تلاشی لی گئی تو حقیقت ایک ایسا فرمان برآمد ہوا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ہم لوگوں کی گردن مار دی جائے چنانچہ اب ہم اس بد عہدی اور فریب کاری کا انتقام لینے آئے ہیں

خلافت سے کنارہ کشی کا مطالبہ | حضرت عثمانؓ کو واقعہ اطلاع دی گئی تو انہوں نے حیرت کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کی اور قسم کھا کر کہا کہ مجھے مطلقاً اس خط کی اطلاع نہیں ہے حضرت عثمانؓ کے حلیفہ انکار پر لوگوں نے قیاس کیا کہ یقیناً مروان کی شرارت ہے مصریوں نے کہا بہر حال کچھ بھی ہو جو خلیفہ اس قدر غافل ہو کہ اس کی لاعلمی میں ایسے اہم امور پیش آجائیں اور اُسے خبر نہ ہو کسی طرح خلافت کے لیے موزوں نہیں ہو سکتا، غرض مصریوں نے مسند خلافت سے کنارہ کش ہو جائیکا مطالبہ کیا، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ جب تک مجھ میں رفق جان باقی ہے میں اس خلعت کو جو خدا نے مجھے پہنا یا ہے خود اپنے ہاتھ سے نہیں اتار دوں گا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق میں اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک صبر کرونگا

۱۔ جبری صفحہ ۹۵۸ ۱۰۱ بن سعد ذکر عثمانؓ، ۲۔ ابن سعد ذکر عثمانؓ

محاصرہ | حضرت عثمانؓ کے انکار کرنے پر مفسدین نے نہایت شدت کے ساتھ کاغذ خلافت کا محاصرہ کر لیا، جو چالیس دن تک مسلسل قائم رہا، اس عرصہ میں اندر پانی تک پہنچنا حرم تھا، ایک دفعہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے ساتھ کھانے پینے کی چیز لیکر حضرت عثمانؓ تک پہنچنے کی کوشش کی مگر مفسدین کے قلوب نور ایمان سے خالی ہو چکے تھے، ان سب کا رد نے رسول اللہؐ کے حرم محترم کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا، اور بے ادبی کے ساتھ مزاحمت کر کے واپس کر دیا، ہمسایہ گھروں سے کبھی کبھی رسد اور پانی کی امداد پہنچ جاتی تھی، مفسدین کی ناشنوائی اور صحابہ کی بے احترامی اتنی بڑھ گئی کہ بڑے بڑے اکابر صحابہ مثلاً عبداللہ بن سلامؓ، ابو ہریرہؓ، سعد قاصؓ اور زید بن ثابتؓ کی کسی نہ سنی اور ان کی توہین بھی کی حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے بھانے پر ان کے گھر کے اندر جانا چاہا تو لوگوں نے اُن کو روک دیا اور آخر مجبور ہو کر اپنا سیاہ عمامہ اُٹار کر قاصد کو دیدیا اور کہہ دیا کہ جو حالت ہے وہ دیکھ لو، اور کہہ دو، بہت سے صحابہ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تھے، حضرت عائشہؓ نے سفر حج کا ارادہ کیا، اکابر صحابہ نے ایسی حالت میں گوشہ نشینی ہی اس فتنہ کے زمانہ میں مناسب سمجھی، ذمہ دار صحابہ میں اس وقت تین صاحب موجود تھے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، اور حضرت زبیرؓ یہ اصحاب نہ تو بے تعلق رہ سکتے تھے اور نہ واقعات پر قدرت رکھتے تھے، تینوں صاحبوں نے کچھ کوششیں کیں مگر اس ہنگامہ میں کوئی کسی کی نہیں سننا تھا، بالآخر یہ تینوں اصحاب عملاً علیحدہ رہے مگر اپنے اپنے جگر گوشوں کو خلیفہ وقت کی حفاظت کیلئے بھیج دیا، حضرت امام حسنؓ دروازہ پر پہرہ دے رہے تھے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو حضرت عثمانؓ نے گھر میں جو جان نثار موجود تھے انکی افسری پر

متعین کیا،

باغبون کو حضرت عثمانؓ کی فمائش | باغی جو گھر کو گھیرے تھے ان کو سعد و دوفہ حضرت عثمانؓ نے سمجھانے کی کوشش کی اور ان کے سامنے موڑ تقریریں کیں، حضرت ابی بن کعبؓ نے تقریر کی مگر ان لوگوں پر کوئی چیز مؤثر نہ ہوئی، حضرت عثمانؓ نے چھت کے اوپر سے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ آنحضرت صلیم جب مدینہ آئے تو یہ مسجد تنگ تھی، آپ نے فرمایا کہ کون اس زمین کو خرید کر وقف کرے گا کہ اس کو اس سے بہتر جگہ جنت میں ملے گی، تو میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی تو کیا اسی مسجد میں تم مجھے نماز نہیں پڑھنے دیتے؟ تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں، بتاؤ کیا تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلیم جب مدینہ تشریف لائے تو اس میں اردوہ کے سوا بیٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا، آپ نے فرمایا کہ اس کو کون خرید کر عام مسلمانوں پر وقف کر دیتا ہے اور اس سے بہتر اس کو جنت میں لے گا، تو میں ہی نے اس کی تعمیل کی تو کیا اسی کے پانی پینے سے مجھے محروم کر دیا ہے، کیا تم جانتے ہو کہ عسرت کے لشکر کو میں ہی نے ساز و سامان سے آراستہ کیا تھا، سب نے جواب میں کہا، خداوند یہ سب باتیں سچ ہیں، مگر تنگ دلوں پر اس کا اثر بھی نہ ہوا، پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا، تم کو قسم دیتا ہوں تم میں کسی کو یاد ہے کہ ایک دفعہ آپ بہار پر چڑھے تو بہار ٹپنے لگا، آپ نے بہار کو پانیوں سے بھٹو کر مار کر فرمایا، اسے حرار ابھڑ جا، کہ تیری بیٹھ پر اس وقت ایک بنی اور ایک صدیق اور ایک شہید ہے اور میں آپ کے ساتھ تھا، لوگوں نے کہا ”یاد ہے“ پھر فرمایا ”خدا کا واسطہ دیتا ہوں بتاؤ کہ حدیبیہ میں مجھے آپ نے مکہ سفیر بنا کر بھیجا تو کیا خود اپنے ایک دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار نہیں دیا اور میری طرف سے خود ہی

بیعت نہیں کی سب نے کہا سچ ہے،

آخر باغی یہ دیکھ کر کہ حج کا موسم چند روز میں ختم ہوتا ہے اور اُس کے ختم ہوتے ہی لوگ مدینہ کا رخ کریں گے اور موقع نکل جائیگا آپ کے قتل کے مشورے کرنے لگے، جسکو خود حضرت عثمانؓ نے اپنے کانوں سے سنا اور مجمع کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، لوگو! آخر کس جرم پر تم میرے خون کے پیاسے ہو، اسلام کی شریعت میں کسی کے قتل کی ممانعت تین ہی صورتیں ہیں یا اُس نے بدکاری کی ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے، یا اس نے بالارادہ کسی کو قتل کیا، تو وہ قصاص میں مارا جائیگا، یا وہ مرتد ہو گیا ہو تو وہ قتل کیا جائے گا، میں نے نہ تو جاہلیت میں اور نہ اسلام میں کبھی بدکاری کی نہ کسی کو قتل کیا اور نہ اسلام کے بعد مرتد ہوا اب بھی گو اہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد اُس کے بندہ اور رسول ہیں، باغیوں پر ان میں سے کوئی تقریر کا رگہ نہ ہونی،

بعض جان نثاروں نے مختلف مشورے دیے، مغیرہ بن شعبہ نے اگر کہا، امیر المؤمنین! تین باتیں ہیں، ان میں سے ایک قبول کیجئے، آپ کے طرفداروں اور جان نثاروں کی ایک طاقتور جماعت یہاں موجود ہے، اُس کو لیکر نکلیے اور ان باغیوں کا مقابلہ کر کے ان کو باہر نکال دیجیے، آپ حق پر ہیں، وہ باطل پر، لوگ حق کا ساتھ دیں گے، یہ نہیں تو یہ کیجئے کہ صدر دروازہ کو چھوڑ کر دوسری طرف سے دیوار کو توڑ کر اس محاصرہ سے نکلے اور سوار یوں برہنہ کر کے معظّمہ چلے جائے، وہ حرم ہے، وہ لوگ رُطوبت سکیں گے، یا یہ کہ شام چلے جائے، وہاں کے لوگ وفادار ہیں اور وہاں معاویہ موجود ہیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا، یہ کہ میں باہر نکل کر ان سے

جنگ کروں تو میں وہ پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا جو امت محمدی کی خونریزی کئے اگر کہ معظمہ چلا جاؤں تو امید نہیں کہ یہ جرم الہی کی توہین نہ کریں اور جنگ سے باز آجائیں اور میں آپ کی پیشینگوئی کے مطابق وہ شخص نہیں بننا چاہتا جو کہ جا کر اُس کی بے حرمتی کا باعث ہوگا اور شام بھی نہیں جاسکتا کہ اپنے ہجرت کے گھر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر نہیں چھوڑ سکتا،

حضرت عثمانؓ کا گھر بہت بڑا اور وسیع تھا دروازہ اور گھر میں صحابہ اور عام مسلمانوں کی خاصی جمعیت موجود تھی، جبکی تعداد سات سو تھی، اور جس کے سردار حضرت زبیرؓ کے بہادر صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے، وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ امیر المؤمنین! اس وقت گھر کے اندر ہماری خاصی تعداد ہے اجازت ہو تو میں ان باغیوں سے لڑوں، فرمایا اگر ایک شخص کا بھی ارادہ ہو تو میں اس کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ میرے لیے اپنا خون نہ بہائے،

گھر میں اس وقت بیتِ غلام تھے اُن کو بھی بلا کر آزاد کر دیا، حضرت زید بن ثابتؓ نے اُکر کہا یا امیر المؤمنین! انصار دروازہ پر کھڑے ہیں کہ اجازت ہو تو ہم دوبارہ اپنے کارنامے دکھائیں، فرمایا اگر لڑائی مقصود ہے تو اجازت نہ دوں گا یہ بھی اسی حالت میں فرمایا کہ اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو میری ممانعت میں تلوار نہ اٹھائے، حضرت ابو ہریرہؓ نے اجازت مانگی تو فرمایا اسے ابو ہریرہؓ کیسا محنتیں پسند آئے گا کہ تم تمام دنیا کو اور ساتھ ہی مجھ کو بھی قتل کرو، عرض کی نہیں تو فرمایا کہ

۱۷ ابن جنبل جلد اول صفحہ ۶، ۱۸ ابن سعد قسم اول صفحہ ۴۹، ۱۹ ابن سعد قسم اول صفحہ ۴۹، ۲۰ ابن سعد قسم اول صفحہ ۴۹

۲۱ ابن جنبل جلد اول صفحہ ۶، ۲۲ ابن سعد قسم اول صفحہ ۴۸، ۲۳ ابن سعد قسم اول صفحہ ۴۸

اگر تم نے ایک شخص کو بھی قتل کیا، تو گویا سب قتل ہو گئے (یہ سورہ بقرہ ۵۶ کی آیت کی نظر اشارہ ہے، ابو ہریرہؓ یہ سن کر لوٹ آئے،

شہادت کی تیاری | حضرت عثمانؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے مطابق یہ یقین تھا کہ ان کی شہادت مقدر ہو چکی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد دفعہ حضرت عثمانؓ کو اس سانحہ سے باخبر کیا تھا، اور صبر و استقامت کی تاکید کی تھی، حضرت عثمانؓ اس وصیت پر پوری طبع قائم تھے، اور ہر لمحہ ہونے والے واقعہ کے منتظر تھے، جس دن شہادت ہونے والی تھی، آپ صبح سے تھے، جمعہ کا دن تھا، خواب میں دیکھا کہ آنحضرت اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تشریف فرما ہیں، اور ان سے کہہ رہے ہیں کہ عثمانؓ جلدی کرو، تمہارے فطاری کے منتظر ہیں، بیدار ہوئے تو حاضرین سے اس خواب کا تذکرہ کیا، اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میری شہادت کا وقت آگیا، باغی مجھے قتل کر ڈالیں گے، انھوں نے کہا امیر المومنین ایسا نہیں ہو سکتا، فرمایا میں یہ خواب دیکھ چکا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ خواب میں یہ دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ عثمانؓ آج جمعہ میرے ساتھ پڑھنا، پھر یا نجباء جسکو کبھی نہیں پہنا تھا، اُس کو منگوا کر پہنا، اپنے بیس غلاموں کو بلا کر آزاد کیا اور قرآن مجید کھول کر اس کی تلاوت میں مصروف ہوئے،

شہادت | حضرت امام حسنؓ جو دروازہ برتتے تھے مافعت میں مضروب ہوئے، چار باغی دروازہ چھوڑ کر دیوار پھانڈ کر چھت پر چڑھ گئے، آگے آگے محمد بن ابی بکرؓ تھے جو حضرت ابوبکرؓ کے چھوٹے صاحبزادہ تھے اور حضرت علیؓ کی آغوش تربیت میں پلے تھے، کسی

۱۔ ابن سعد ۲ صفحہ ۸۸ ۳۔ ابن جنبل جلد اول صفحہ ۶۶ ۴۔ ابن سعد ج ۳ صفحہ ۵۳ اور حاکم ج ۳ صفحہ ۹۹ ۵۔

میں یہ دونوں خواب مذکور ہیں اور ابن جنبل میں صریح پہلے خواب کا ذکر ہے ۱۔ ابن جنبل جلد ۱ صفحہ ۷۲

بڑے عمدہ کے طلبگار تھے جس کے نہ ملنے سے حضرت عثمانؓ کے دشمن بن گئے تھے، انھوں نے آگے بڑھ کر حضرت عثمانؓ کی ریش مبارک پکڑی اور زور سے پھینچی، حضرت عثمانؓ نے کہا، بھتیجے! اگر تمھارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو یہ نظر پسند نہ آتا، یہ سن کر حضرت محمد بن ابی بکرؓ شرمنا کر پیچھے ہٹ گئے، کنانہ بن بشر نے آگے بڑھ کر پیشانی مبارک پر روہے کی ایک لاٹ سے اس زور سے مارا کہ پہلو پر گر پڑے اور زبان سے اس وقت بھی بسم اللہ تو کلت علی اللہ کے الفاظ نکلے، سودان بن حمران مرومی نے دوسری ضرب لگائی جس سے بالکل نیم مر ہو گئے اور خون کا فوارہ جاری ہو گیا، عمرو بن الحمق گستاخی کر کے سینہ پر کود کر چڑھ بیٹھا اور جسم کے مختلف حصوں پر نیزوں کے نوزخم لگائے کسی شقی نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا، وفادار بیوی حضرت نائکہ جو پاس بیٹھی تھیں ہاتھ پر رو کا، تین انگلیاں کٹ کر الگ ہو گئیں، تلوار نے ذوالنورینؓ کی شمع حیات بھجادی، اس سبکی کی موت پر عالم امکان نے ماتم کیا، کائنات ارضی و سماوی نے اس خون ناحق پر آنسو بہائے، کارکنان قضا و قدر نے کہا کہ جو خون آسمان تلوار آج بے نیام ہوئی ہے وہ قیامت تک بے نیام رہیگی، اور فتنہ و فساد کا جو نزو ازہ کھلا ہے وہ حشر تک کھلا رہیگا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

حضرت عثمانؓ چونکہ تلامذت فرما رہے تھے، قرآن مجید سامنے کھلا تھا، اس خون ناحق نے جس آیت کو خون ناب کیا وہ یہ ہے

فَسَيَكْفِيكُمْ ٱللّٰهُ وَهُوَ ٱلْعَلِیْمُ ٱلْحَكِیْمُ، خذ ٱلْمَالَ كُوسٍ ۖ وَوَدَّ ٱلْجَانُّ ٱلْءَاثَرَ ۖ وَٱلْءَاثَرَ ۖ وَٱلْءَاثَرَ ۖ

جمعہ کے دن عصر کے وقت شہادت حاصل کی، دو دن تک لاش بے گور و کفن پڑی رہی، حرم رسول میں قیامت برپا تھی، باغیوں کی حکومت تھی، اُن کے خون سے کسی نے علانیہ

لے صحیح ہماری کتاب الفتن میں اس کا اشارہ ہے

دفن و کفن کی ہمت نہ کی، جمعہ کا یہ واقعہ ہے، سینچر کا دن گذر کر رات کو چند مسلمانوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ادائے فرض کی ہمت کی غسل نہیں دیا گیا، اسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے کپڑوں میں چار آدمیوں نے لکر جنازہ اٹھایا اور کابل سے مراکش تک فرما کر جنازہ کی سترہ آدمیوں نے لکر ناز پڑھی، مسند ابن جنبل میں ہے کہ حضرت زینبؓ اور ابن سعدؓ میں ہے کہ حضرت جبرینؓ نے جنازہ پڑھائی اور جنتہ البقیع کے پیچھے خاک کھسکا۔ میں اس علم و بردباری کے محبہ اور یکسی و مظلومی کے پیکر کو سپردِ خاک کیا، بعد کو یہ تمام دیوار توڑ کر جنتہ البقیع میں اٹھ کر لیا گیا، آج بھی جنتہ البقیع کے سب سے آخر میں مزار موجود ہے،

حضرت عثمانؓ کا نام | صحابہ کرامؓ اور عام مسلمانوں میں سے کوئی اس سانحہ عظمیٰ کے سننے کے لیے تیار نہ تھا، اور کسی کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ یہ باغی اس حد تک جرات کریں گے اور امامِ وقت کے قتل کے مرتکب ہوں گے، اور حرمِ رسولؐ کی توہین کریں گے، اس لیے جس نے اس کو ٹھانگشتِ بدنمان رہ گیا، جو لوگ حضرت عثمانؓ کی طرزِ حکومت کے کسی قدر شاکی تھے، انھوں نے بھی اس بے کسی اور مظلومی کی موت پر آنسو بہائے، تمام لوگوں پر سناٹا چھا گیا، خود باغیوں کی پیاس بھی اس خون سے بجھ چکی تھی اور اب آلِ کار کو سوچ کر اپنی حرکت پر نادم تھے، تاہم دشمنوں نے اسلام کے لیے سازش کا جو جال بچھایا تھا اس میں وہ کامیاب ہو چکے تھے متحد اسلام، اسی شیعہ، خارجی اور عثمانی چار حصوں میں بٹ جانے کو تیار ہو گیا، اور وہ تفرقہ پڑا جو قیامت تک کیلئے قائم رہ گیا،

حضرت علیؓ مسجد سے نکل کر حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف آ رہے تھے کہ راہ میں شہادت کی اطلاع علیؓ حضرت علیؓ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا، خداوندِ مین عثمانؓ کے

خون سے بری ہوں سعید بن زید بن عمرو بن نفیل جو حضرت عمرؓ کے بہنوئی تھے انھوں نے کہا لوگو! اگر کوہ احد تھاری اس بد اعمالی کے سبب تم پر بھٹ لگ کر پڑے تو اس کو یہ حق ہے، حضرت حذیفہؓ جو صحابہ میں فتنہ و فساد کی پیشینگو یوں کے سب سے بڑے حافظ اور آنحضرت صلم کے محرم اسرار تھے، انھوں نے کہا آہ عثمان کے قتل سے اسلام میں وہ رخنہ پڑ گیا، جو اب قیامت تک بند نہ ہوگا، حضرت ابن عباسؓ نے کہا، اگر تمام حلقے عثمان کے قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح آسمان سے اُس پر پتھر برستے، ثمامہ بن عدی صحابی کو جو صنعا میں کے والی تھے اُس کی خبر پہنچی تو رو پڑے اور فرمایا کہ افسوس رسول اللہ صلم کی جانشینی جانی رہی، ابو حمید ساعدی صحابی نے قسم کھائی کہ جب تک جیونگا تنہی کا منہ نہ دیکھوں گا، عبد اللہ بن سلامؓ صحابی نے کہا ”آہ! آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہو گیا،“ حضرت عائشہؓ نے فرمایا عثمان مظلوم مارے گئے خدا کی قسم اُن کا نام نہ عمل دھلے کپڑے کی طرح پاک ہو گیا، حضرت زید بن ثابتؓ کی آنکھوں سے اس دن آنسو جاری تھے، حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ حال تھا کہ جب اس سانحہ کا ذکر آتا تو ڈاڑھیں مار مار کے روتے،

حضرت عثمانؓ کا خون سے رنگین کرتے، اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں شام میں امیر معاویہ کے پاس پہنچ گئیں، جب وہ کرتہ جمع عام میں کھولا گیا اور انگلیاں نکالی گئیں تو ماتم برپا ہو گیا، اور انتقام انتقام کی آوازیں آنے لگیں،

سلب یہ تمام الفاظ ابن سعد جلد ۲ قسم اول صفحہ ۵۵ و ۵۶ میں مذکور ہیں، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کا فقہ صحیح بخاری باب اسلام سعید بن زید میں بھی مذکور ہے، حضرت علیؓ کا فقہ حاکم نے مستدرک میں منہج نقل کیا ہے،

عثمانی کارنامے

فتوحات پر اجمالی نظر | اس میں شک نہیں ہے کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے حسن تدبیر اور غیر معمولی سیاسی قوت عمل سے روم و ایران کے دفتر الٹ دیے، اور ان کی دولت و مملکت و فرزندانِ توحید کا ورثہ ہو گئی، دولت کی بانی صفحہ اہستی سے معدوم ہو گئی، اور تمام ایرانِ مسخر ہو گیا، شام مصر اور بحرِ زہرہ نے بھی سپردِ الدیے، لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ خارجِ قوم کا ایک ہی سیلابِ فتح اقوام کے احساسِ جد و جہد کو فنا کر دے؟ اور کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہو کہ ایک ہی شکست نے کسی قوم کی حریت و آزادی کے جذبہ کو معدوم کر دیا ہو، اور اُس کے قوائے عملی بیکار ہو گئے ہوں؟ سکندر نے تمام دنیا کو مسخر کر لیا، لیکن اُس کے جانشینوں نے کتنے دنوں تک حکومت قائم رکھی؟ چنگیز و تیمور نے بھی عالم کو تہ و بالا کر دیا، لیکن انکی فتوحات کیون نقشِ بر آب ثابت ہوئیں؟ حقیقت یہ ایک تاریخی نکتہ ہے، کہ جب اولو العزم فاتح کا جانشین ویسا ہی اولو العزم اور عالی حوصلہ نہیں ہوتا، تو وہ فتوحات اس تماشا گاہِ عالم میں صرف ایک وقتی نمائش ہوتی ہیں، اس بنا پر جانشینِ فاروق کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ممالکِ مفتوحہ میں حکومت و سلطنت کی بنیادِ مستحکم کی، اور مفتوح اقوام کے جذبہِ سرکشی کو رفتہ رفتہ اپنے حسن تدبیر اور سیاسی حکمتِ عملی سے اس طرح مردہ کر دیا کہ مسلمانوں کی باہمی کشمکش کے موقعوں میں بھی انھیں سرتابی کی ہمت نہ ہوئی،

تم نے فتوحات کے سلسلہ میں پڑھا ہو گا کہ حضرت عثمانؓ کو نہایت کثرت کے ساتھ بغاوتیں فرو کرنا پڑیں، مصر میں بغاوت ہوئی، اہل آرمینیا اور آذربائیجان نے خراج دینا

بند کیا، اور اہل خراسان نے سرکشی اختیار کی، یہ تمام بغاوتیں درحقیقت اسی جذبہ کا
 نتیجہ تھیں جو مفتوح ہونے کے بعد بھی اقوام کی جدوجہد کو براہِ نیغہ کرتا رہتا ہے، لیکن
 حضرت عثمانؓ نے تمام بغاوتوں کو نہایت اولوالعزمی کے ساتھ فرو کیا، اور آہستہ آہستہ تشدد
 و تلطف کی مجموعی حکمت عملی سے مفتوحہ ممالک کی عام رعایا کو اطاعت اور انقیاد پر مجبور کر دیا،
 فتوحات کی وسعت | عہد عثمانی میں ممالک محروسہ کا دائرہ بھی نہایت وسیع ہو گیا، افریقہ میں
 طرابلس، برقہ، اور مراکش (افریقہ) مفتوح ہوا، ایران کی فتح تکمیل کو پہنچی، ایران کے متصلہ
 علاقوں میں سے افغانستان، خراسان اور ترکستان کا ایک حصہ زیرِ نگین ہوا، دوسری طرف
 ارمینیا اور آذربائیجان مفتوح ہو کر اسلامی سرحد کوہ قاف تک پھیل گئی، اسی طرح ایشیائے کوچک
 کا ایک وسیع خطہ ملک شام میں شامل کر لیا گیا،

بحری فتوحات کا آغاز خاص حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت سے ہوا، اس سے پہلے
 حضرت عمرؓ نے بھی اسکی ہمت نہ کی، اذوالنورینؓ کی اولوالعزمی نے حضرات سے بے پروا
 ہو کر ایک عظیم الشان بیڑا تیار کر کے جزیرہ قبرس، دسائپرس، پراسلامی پھر رابلند کیا، نینسز
 قیصر روم کے بیڑے کو شکست دی، چین پہنچ سو جنگی جہاز شامل تھے، تعجب ہوتا ہے کہ
 عرب کے صحرائیوں نے بحری فن جنگ اور ہزارانی میں کہاں مہارت پیدا کی تھی،
 کہ رومی بیڑے کو جس سے تمام دنیا تھرتاتی تھی ایسی شکست فاش دی کہ پھر اسکو اسلامی حمل
 کی طرف رخ کرنے کی ہمت نہ ہوئی،

نظامِ خلافت | اسلامی حکومت کی ابتدا جمہوریت سے ہوئی، فاروقِ عظیمؓ نے اسکو زیادہ
 مکمل اور منظم کر دیا، حضرت عثمانؓ نے بھی اس نظام کو اپنے ابتدائی عہد میں قائم رکھا،
 لیکن اخیر میں بنو امیہ کے استیلاء نے اس میں برہمی پیدا کر دی، مردان بن حکم نے حضرت

عثمانؓ کے اعتبار سے ناجائز فائدہ اٹھا کر خلافت کے کاروبار میں پورا رسوخ پیدا کر لیا تھا، تاہم جب کبھی حضرت عثمانؓ کو کسی معاملہ کی طرف توجہ دلائی جاتی تھی تو وہ سرگرمی کے ساتھ اس کے انداز کی سعی کرتے، اور جو کوئی نیک مشورہ دیتا تھا اس کو مستبول کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے تھے، دیدن عقبہ کی بادہ نوشی کی طرف توجہ دلائی گئی تو تحقیق کے بعد انھوں نے فوراً معزول کر دیا، اور شرعی حد جاری کی، اسی طرح جب حضرت طلحہؓ نے ملک کی عام حالت دریافت کرنے کے لیے وفود بھیجنے کا مشورہ دیا تو فوراً اس کی ضرورت تسلیم کر لی،

حکومت جمہوری کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور حکام کے طریق عمل پر نکتہ چینی کرنے کا حق حاصل ہو، حضرت عثمانؓ کے اخیر عہد میں اگرچہ مجلس شوریٰ کا باقاعدہ نظام درہم دبر ہم ہو گیا تھا، تاہم یہ حقوق مجنبہ باقی تھے، چنانچہ ایک دفعہ مجمع عام میں ایک شخص نے تمام عمال کو اپنے ہی خاندان سے منتخب کرنے پر بلند آہنگی کے ساتھ اعتراض کیا، اسی طرح حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کو طرابلس کے مال غنیمت سے خمس کا پانچواں حصہ دیدیا تو بہت سے آدمیوں نے صدے احتجاج بلند کی اور ان کو واپس کرانا پڑا،

عمال کی مجلس شوریٰ ملکی و انتظامی معاملات میں حکام وقت دوسرے غیر ذمہ دار شخص سے نسبتاً بہتر اور صائب رائے قائم کر سکتے ہیں، چنانچہ اب تمام مہذب حکومتوں میں عمال و حکام کی ایک مجلس شوریٰ ہوتی ہے، لیکن عثمانؓ ذوالنورینؓ نے تیرہ سو برس پہلے اس ضرورت کو محسوس کر کے عمال کی ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی تھی، اس مجلس کے ارکان سے عموماً تحریری رائے طلب کی جاتی تھیں، کوفہ میں پہلے پہلے جب فتنہ و فساد

کی ابتدا ہوئی تو اس کی بجائے کے متعلق تحریر ہی کے ذریعہ سے رائیں طلب کی گئی تھیں، کبھی کبھی دار الخلافہ میں باقاعدہ جلسے بھی ہوتے تھے، چنانچہ ۳۳۵ھ میں مصلحات ملک پر غور کرنے کے لیے جو جلسہ ہوا تھا اس میں تمام اہل الرائے اور اکثر عمال شریک تھے صوبوں کی تقسیم | نظام حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلا کام صوبہ جات اور اضلاع کی مناسب تقسیم ہے، حضرت عمرؓ نے ملک شام کو تین صوبوں میں تقسیم کیا تھا، یعنی دمشق اردن اور فلسطین علیحدہ علیحدہ صوبے قرار پائے تھے، حضرت عثمانؓ نے سب کو ایک والی کے ماتحت کر کے ایک وسیع صوبہ بنادیا، اور یہ نہایت سودمند ثابت ہوا کیونکہ جب والی خوش تدبیر اور ذمی ہوش ہو تو ملک کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دینے سے اس کا ایک ہی مرکز سے وابستہ رہنا زیادہ مفید ہوتا ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آخر عہد میں جب تمام ملک سازش اور فتنہ پردازی کا جولا نگاہ بنا تھا تو تمام اضلاع جو شام سے ملحق کر دیے گئے تھے اس سے پاک و صاف رہے،

دوسرے صوبہ جات بحینہ باقی رکھے گئے، البتہ جدید مفتوحہ ممالک یعنی طرابلس،

قبرس، آرمینیا اور طبرستان علیحدہ علیحدہ صوبے قرار پائے،

اختیارات کی تقسیم | حضرت عثمانؓ نے عہدہ داروں میں افسر فوج کا ایک جدید عہدہ ایجاد کیا، اس سے پہلے والی یعنی حاکم صوبہ یا نظام ملک کے ساتھ فوج کی افسری بھی کرتا تھا، چنانچہ یعلیٰ بن مینہ صنعا کے حامل ہوئے تو عبد اللہ بن ربیعہ فوج کی افسری پر مامور ہوئے، اسی طرح معزول ہونے سے قبل عمرو بن العاص والی بصرہ تھے، لیکن فوج کی باگ عبد اللہ بن ابی سرح کے ہاتھ میں تھی

حکام کی نگرانی | خلیفہ وقت کا سب سے اہم فرض حکام اور عمال کی نگرانی ہے حضرت عثمانؓ اگرچہ طبعاً نہایت نرم دل تھے بات بات پر رقت طاری ہو جاتی تھی اور ذاتی حیثیت سے تحمل بردباری تساہل اور حشمت پوشی آپ کا خاص شیوہ تھا تاہم ملکی معاملات میں انھیں تشدد، احتساب اور کٹہہ چینی کو اپنا طرز عمل بنانا پڑا، سعد وقاصؓ نے بیت المال سے ایک نہایت بیش فرار رقم قرض لی، اور بھرا دیا نہ کر سکے حضرت عثمانؓ نے نہایت سختی سے باڈپرس کی اور معزول کر دیا، ولید بن عقبہ نے بادہ نوشی کی تو معزول کر کے علانیہ حد جاری کی، ابو موسیٰ اشعرمیؓ نے امیرانہ مطرات اختیار کیا تو انھیں بھی ذمہ داری کے عہدہ سے سبکدوش کر دیا، اسی طرح عمرو بن عاصؓ دلی مصردہان کے خراج میں اضافہ نہ کر سکے تو ان کو علحدہ کر دیا،

نگرانی کا عام طریقہ یہ تھا کہ دریافت حال کے لیے دربار خلافت سے تحقیقاتی وفد روانہ کیے جاتے تھے جو تمام ممالک محروسہ میں دورہ کر کے عمال کے طرز عمل اور رعایا کی حالت کا اندازہ کرتے تھے محمد بن مسلمہؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور اسامہ بن زیدؓ عموماً اس خدمت پر مامور کیے جاتے تھے، یہ وہ افراد ہیں جو صحابہ میں خاص حیثیت سے ممتاز تھے، چنانچہ مشن میں ملک کی عام حالت دریافت کرنے کے لیے جو وفد روانہ کیے گئے تھے، ان میں یہی حضرات تھے،

ملکی حالات سے واقفیت پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ حضرت عثمان بن حنیہ کے روز منبر پر شریف لے جاتے تو خطبہ شروع کرنے سے پہلے لوگوں سے اطراف ملک کی خبریں پوچھتے اور نہایت غور سے سنتے، نیز تمام ملک میں اعلان عام تھا کہ جس کسی کو

کسی والی سے شکایت ہو وہ حج کے موقع پر بیان کرے، چونکہ لازمی طور پر تمام اعمال اس موقع پر طلب کیے جاتے تھے اس لیے بالموافقہ شکایتوں کی تحقیقات کر کے تدارک فرماتے،

ملکی نظم و نسق | فاروق اعظمؓ نے ملکی نظم و نسق کا جو دستور العمل مرتب کیا تھا، حضرت عثمانؓ اس کو بعینہ باقی رکھا، اور مختلف شعبوں کے جبقدر محکمے قائم ہو چکے تھے اُن کو منضبط کر کے ترقی دی، چنانچہ یہ اسی عہد نظم و نسق کا اثر تھا کہ ملکی محاصل میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا، عہد کے عہد میں مصر کا خراج ۲۰ لاکھ دینار تھا، لیکن عہد عثمانی میں اس کی تعداد چالیس لاکھ تک پہنچ گئی،

بیت المال | جدید فتوحات کے باعث ملک وسیع ہوا، اور ملکی محاصل نے غیر معمولی ترقی کی تو لازماً خزانہ عامرہ یعنی بیت المال پر بھی اس کا اثر پڑا، اہل وظائف کے وظیفوں میں ایک ایک سو درہم کا اضافہ ہوا، حضرت عمرؓ رمضان میں اہمات المؤمنین کو دو دو درہم اور عوام کو ایک ایک درہم روزانہ بیت المال سے دلاتے تھے لیکن حضرت عثمانؓ نے اس کے علاوہ لوگوں کا کھانا بھی مقرر کر دیا،

تعمیرات | حکومت کا دائرہ جبقدر وسیع ہوتا گیا اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھ گیا، تمام صوبیات میں مختلف وفاترکے لیے عمارتیں تیار ہوئیں، رفاہ عام کے لیے سڑک، پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں، مسافروں کے لیے مہمان خانے بنائے گئے، پہلے کوفہ میں کوئی مہمان خانہ نہ تھا، اس سے مسافروں کو سخت تکلیف ہوتی تھی، حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے عقیل اور ابن ہبار کے مکانات خرید کر ایک نہایت عظیم الشان

نہان خانہ بنوادیا،

دارالمخلانہ کو اطراف ملک سے جو خاص تعلق تھا اُس کے لحاظ سے ضرورت تھی کہ تمام راستوں کو سہل اور آرام دہ بنادیا جائے، حضرت عثمانؓ نے اس کی طرف بہت کافی توجہ کی اور موقع موقع سے چوکیاں، سرالین اور چٹے تیار کرادیے، چنانچہ نجد کی راہ میں مدینہ سے چوبیس میل کے فاصلہ پر ایک نہایت نفیس سرائے تعمیر کی گئی اُسکے ساتھ ایک مختصر بازار بھی بسایا گیا، نیز شیرین پانی کا ایک کنواں بنایا گیا جو ہر اس ایک نام سے مشہور ہے،

بند مزدور | خیبر کی طرف سے کبھی کبھی مدینہ میں نہایت ہی خطرناک سیلاب آیا کرتا تھا اور اس سے شہر کی آبادی کو سخت نقصان پہنچتا تھا، نیز مسجد نبویؐ کو اس سے صدہا پہنچنے کا احتمال تھا اس لیے حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر مدری کے قریب ایک بند بندھوا دیا اور نہر کھود کر سیلاب کا رخ دوسری طرف پھیر دیا، اس بند کا نام بند مزدور ہے اور درحقیقت رفاہ عام کے تعمیرات میں خلیفہ ثالثؓ کا سب سے روشن کارنامہ ہے،

مسجد نبویؐ کی تعمیر توسیع | مسجد نبویؐ میں حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ کا ہاتھ سب سے زیادہ نمایاں ہے، ابتداً عہد نبویؐ میں جب مسلمانوں کی کثرت کے باعث مسجد کی وسعت نا کافی ثابت ہوئی، تو حضرت عثمانؓ نے قریب کا قطعہ زمین خرید کر بارگاہ نبوت میں پیش کیا کہ اس سے مسجد کو وسعت دیجائے، پھر حضرت عثمانؓ نے خود اپنے عہد میں اہتمام کے ساتھ اس کو تعمیر کرایا، اس سے اس کی رونق دو بالا ہو گئی، تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت

عثمانؓ نے ۲۲ مسجداں میں مسجد نبویؐ کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، لیلین گردو پیش میں جن لوگوں کے مکانات تھے وہ کافی معاوضہ دینے پر بھی اس قریب سے دست کش ہونے کے لیے راضی نہ تھے، حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو راضی کرنے کے لیے مختلف تدبیریں کیں، لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوتے تھے، یہاں تک کہ پانچ سال تک اس ارادہ کو معرض التواء میں رکھنا پڑا، بالآخر ۳۹ھ میں صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے روز ایک نہایت مؤثر تقریر کی اور نمازیوں کی کثرت اور مسجد کی تنگی کی طرف توجہ دلائی، اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں نے خوشی سے اپنے مکانات دیدیے اور نہایت اہتمام کے ساتھ تعمیر کا کام شروع ہوا، مگر ان کی سب سے زیادہ غصہ یہ تھا کہ مال طلب کیے گئے اور غوث شب و روز مصروف کار رہے، غصہ یہ تھا کہ سلسلہ جدوجہد کے بعد اینٹ چوہہ اور تھچہ کی ایک نہایت خوشنما اور مستحکم عمارت تیار ہو گئی، استحکام اور خوشنمائی کے ساتھ وسعت میں بھی اضافہ کیا گیا، یعنی طول میں پچاس گز کا اضافہ ہوا، البتہ عرض میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا،

فوجی انتظامات | حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں جس اصول پر فوجی نظام قائم کیا تھا، حضرت عثمانؓ نے نہ صرف اس کو باقی رکھا بلکہ ترقی دی، فوجی خدمات کے صلہ میں جن لوگوں کے وظائف مقرر کئے گئے تھے، حضرت عثمانؓ نے اس میں ایک سودرہم کا اضافہ کیا، اور فوجی صیغہ کو انتظامی صیغوں سے الگ کر کے تمام صدر مقامات میں علیحدہ مستقل افسروں کے ماتحت کر دیا، اس عہد کے مکمل فوجی انتظامات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امیر معاویہؓ کو حدود شام میں رومیوں کے مقابلہ کے لیے فوجی کمک کی ضرورت ہوئی تو ایران اور

آرمینہ کی فوجیں حیرت انگیز عجلت کے ساتھ بروقت پہنچ گئیں، اسی طرح عبدالمدین ابی
سرج کو طرابلس میں بغاوت فرو کرنے کے لیے ایک زبردست فوجی طاقت کی ضرورت
پیش آئی تو شام عراق کی ملک نے عین وقت پر مساعت کی افریقہ کی فتح میں یہ د
پیش آئی اور مصری فوج ناکافی ہوئی تو مدینہ سے ملک روانہ کی جس کے افسر حضرت
عبدالمدین زبیر تھے، اور جو وقت پر پہنچی اور جس نے معرکہ کو کامیابی کے ساتھ ختم کیا،
عہد فاروقی میں جو مقامات فوجی مرکز قرار پائے تھے عہد عثمانی میں ان کے علاوہ طرابلس، قبرس
طرستان اور آرمینہ میں بھی فوجی مرکز قائم کئے گئے، اور اضلاع میں چھاؤنیان بنائی گئیں جہاں تھوڑی
تھوڑی فوج ہمیشہ متعین رہتی تھی،

تمام ملک میں گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش برداشت کے لیے نہایت وسیع
چراگاہیں بنوائی گئیں، خود دار الخلافہ کے اطراف و نواح میں متعدد چراگاہیں تھیں،
سب سے بڑی چراگاہ مقام ربذہ میں تھی جو مدینہ سے چار منزل کے فاصلہ پر واقع ہے
یہ چراگاہ دس اسل لمبی اور اسی قدر چوڑی تھی، دوسری چراگاہ مقام نعیج میں تھی جو مدینہ
سے بیس میل دور ہے، اسی طرح ایک چراگاہ مقام ضربہ میں تھی جو دست میں ہر طرف
سے چھ چھیل تھی، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب گھوڑوں اور اونٹوں کی کثرت ہوئی تو
ان چراگاہوں کو پہلے سے زیادہ وسیع کیا گیا، اور ہر چراگاہ کے قریب چشے تیار کرائے گئے،
چنانچہ مقام ضربہ میں بنی صیبہ سے پانی کا ایک چشمہ خرید کر چراگاہ کے لیے مخصوص کیا گیا، اور
جب یہ بھی ناکافی ثابت ہوا تو حضرت عثمانؓ نے خود اپنے اہتمام سے ایک دوسرا چشمہ
تیار کرایا اور منتظمین چراگاہ کے لیے مکانات تعمیر کرائے، عہد عثمانی میں اونٹوں اور گھوڑوں
کی جو کثرت تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف ضربہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش ہتے تھے،

امارت بحریہ | اسلام میں بحری جنگ اور بحری فوجی انتظامات کی ابتدا خاص حضرت

عثمانؓ کے عہد خلافت سے ہوئی، اس سے پہلے یہ ایک نہایت خطرناک کام سمجھا جاتا تھا مگر افسوس ہے کہ تاریخوں سے تفصیلی انتظامات کا پتہ نہیں چلتا، صرف اس قدر مذکور ہے کہ امیر معاویہؓ کے توجہ دلانے پر بارگاہ خلافت سے ایک جنگی بیڑا تیار کرنے کا حکم ہوا، اور عبداللہ بن قیس حارثی امیر البحر مقرر ہوئے، لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ایک نہایت زبردست بحری قوت پیدا ہو گئی تھی، اور امارت بحریہ کا نظام اس طرح مکمل ہو گیا تھا کہ آسانی کے ساتھ قبرس، زیرنگین ہو گیا، اور رومیوں کے عظیم الشان جنگی بیڑے کو اس طرح شکست ہوئی کہ پھر اس نے اسلامی سواحل کی طرف رخ کرنے کی ہمت نہ کی،

مذہبی خدمات | نائب رسولؐ کا سب سے اہم فرض مذہب کی خدمت اور اسکی اشاعت و تبلیغ ہے خلیفہ ثالث یعنی حضرت عثمانؓ ذوالنورین کو اس فرض کے انجام دینے کا بھڑکے خیال رہتا تھا، اشاعت اور تبلیغ اسلام کا یہ حال تھا کہ جہاد میں جو قیدی گرفتار ہو کر آتے تھے ان کے سامنے خود اسلام کے حاسن بیان کر کے اس دین متین کی طرف دعوت دیتے تھے، ایک دفعہ بہت سی رومی لونڈیاں گرفتار ہو کر آئیں، حضرت عثمانؓ نے خود ان کے پاس جا کر تبلیغ اسلام کا فرض انجام دیا چنانچہ دو عورتوں نے متاثر ہو کر کلمہ توحید کا اقرار کیا اور دل سے مسلمان ہوئیں،

اشاعت اسلام کے بعد سب سے بڑی خدمت خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم تلقین ہوا حضرت عثمانؓ خود بالمشافہ مسائل فقہیہ بیان کرتے تھے اور عملاً اس کی تعلیم دیتے تھے ایک دفعہ خود وضو کر کے بتایا کہ میں نے رسول اللہؐ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا تھا، جس مسئلہ میں

شبهہ ہوتا تھا یا اس کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتے تھے، تو دوسرے صحابہ سے استفسار کرتے تھے اور عوام کو بھی ان کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتے تھے، ایک دفعہ سفر حج درپیش تھا، راہ میں ایک شخص نے ایک پرندہ کا گوشت پیش کیا جو شکار کیا گیا تھا، کھانے کے لیے بیٹھے تو شبهہ ہوا کہ حالت احرام میں اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت علیؑ بھی ہمسفر تھے، اُن سے استصواب کیا تو انھوں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا، حضرت عثمانؓ نے اسی وقت کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا،

مذہبی انشغالات کی طرف بھی کافی توجہ کی، مسجد نبویؐ کی تعمیر کا حال گزر چکا، شہر کی آبادی اس قدر ترستی کر گئی تھی کہ جمعہ کے روز ایک اذان کافی نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے ایک اور موزن کا تقرر کیا جو مقام زوراء میں اذان دیکر لوگوں کو نماز کے وقت سے مطلع کرتا تھا، نماز میں صفوں کے برابر ورسیدھی رکھنے کا یہ اہتمام تھا کہ خاص اس خدمت پر متعذر اشخاص متعین تھے، جو خطبہ ختم ہونے کے ساتھ ہی مستعدی کے ساتھ صفیں برابر کرتے تھے،

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ قرآن مجید کو اختلاف و تحریف سے محفوظ کرنا اور اس کی عام اشاعت ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ فتح آرمینیا اور آذربائیجان میں شام، مصر، عراق اور تمام اطراف ملک کی فوجیں مجتمع ہو کر شریک کارزار تھیں، اور وہ زیادہ تر نو مسلم اور عجمی النسل تھیں جن کی مادری زبان عربی نہ تھی، حضرت حذیفہ بن یمانؓ بھی شریک جہاد تھے، انھوں نے دیکھا کہ اختلاف قرات کا یہ حال ہے کہ اہل شام کی قرات اہل عراق سے بالکل جدا گانہ ہے، اسی طرح اہل نجد کی قرات

کو اہل کوفہ کی قرات سے کوئی مناسبت نہیں، اور پھر ہر ایک ملک والے اپنی قرات کو صحیح اور دوسری کو غلط سمجھتے ہیں، حضرت حذیفہؓ کو ان اختلافات سے اس قدر خلجان ہوا کہ جہاد سے واپس آئے تو سیدے بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور مفصل واقعات عرض کر کے کہا: "امیر المومنین! اگر جلد اصلاح کی فکر نہ ہوئی تو مسلمان عیسائیوں اور رومیوں کی طرح خدا کی کتاب میں شدید اختلافات پیدا کر لیں گے،" حضرت حذیفہؓ کے فوجہ دلانے پر حضرت عثمانؓ کو بھی خیال ہوا، اور انھوں نے ام المومنین حضرت حفصہؓ سے عہد صدیقی کا مرتب و مدون کیا ہوا نسخہ لیکر حضرت زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور سعید بن العاصؓ کو نقل کرنے پر مامور کیا اور تمام ملک میں اس کی اشاعت کی، نیز تمام مختلف مصاحف کو جن لوگوں نے بطور خود مختلف املاؤں سے لکھا تھا ان کو صفحہ ہستی سے معدوم کر دیا، ظاہر ہے کہ ان اختلافات کو رفع کرنے کی کوشش نہ کی جاتی تو آج قرآن کا بھی وہی حال ہوتا جو توریت و انجیل اور دیگر معصوم آسمانی کا ہوا،

فضل و کمال

نوشتہ خواند | حضرت عثمانؓ ان صحابہ میں تھے جو اسلام سے پہلے ہی نوشتہ خواند جانتے تھے، اسلام کے بعد اس ملک میں اور زیادہ ترقی ہوئی،

کتابتِ وحی | چنانچہ تحریر و کتابت میں جو خاص مہارت ان کو تھی اسی کی بنا پر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کتابتِ وحی پر مامور کیا تھا، اور جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو ان کو بلا لکھوایا کرتے تھے، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ شب کے وقت وحی نازل

ہوئی، عثمانؓ موجود تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کا حکم دیا تو انھوں نے اسی وقت تمبیل ارشاد کی۔

اسلوبِ تحریر | اسلوبِ تحریر کا اندازہ فرامین و خطوط سے ہو سکتا ہے، جواب تک کتابوں میں محفوظ ہیں، افسوس ہے کہ الفاظ کی فصاحت اور کلام کی بلاغت کا لطف ترجمہ میں قائم نہیں ہو سکتا، بیعتِ خلافت کے بعد تمام ملک میں جو مختلف فرامین بھیجے ہیں ان میں سے ایک کے چند فقرے یہ ہیں:

انا بلغتم ما بلغتم بالامانة قتدا و الامانة
فلا تلتفتنكم الدنيا عن امركم
فان امر هذه الامنة صار الى الامانة
بعد اجتماع ثلث فيكم تكامل النعم
و بلوغ اى لادكم من السبايا و قرعة الاحرار
والاعاجم الفان فان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم
عليه وسلم قال الكفر في العجم فان
استجمع عليهم امر تكلفوا وابتدعوا

اتباع اور اطاعت ہی سے تم کو یہ درجہ حاصل ہوئے
بے دنیا طلبی تم کو موجودہ حالت سے برگشتہ نہ کرنے پائے
کیونکہ حسبِ میل تین اسباب کے مجتمع ہو جانے کے بعد
برعات کا سلسلہ شروع ہو جائیگا، دوت کی بہتات
نویزیوں سے دلاؤ کی کثرت، اعراب و طوائف کا قرآن
پڑھنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ غرجمیت میں ہے
کیونکہ جب وہ کوئی بات نہیں سمجھ سکتے ہیں تو خواہ مخواہ
تکلف کر کے نئی نئی باتیں گڑھ لیتے ہیں

ایک فرمان میں عمال کو تحریر فرماتے ہیں

لیو شکر انکم من یصیر واجباة ولا یکنوا
رعاة فاذا عاذاکذا لا تظلموا لعلکم و الامانة
والوفاء لان عدل السیوف تنظر فی السلیف
وفیما علیہم فتعطيهم ما لہم و تلخذو

قریب ہے کہ تمھارے نگہبان ہونے کے بجائے مروت
تحصیل اور ہو جائیں جب ایسی حالت ہو جائیگی تو حیا
امانت اور وفاداری ناپید ہو جائیگی، ان ابتر
طریقہ یہ ہے کہ تم مسلمانوں کو نفع، نقصان کا خیال نہ کرو

بالذی علیہ السلام

ان کا حق ان کو دلو، جو ان کو لینا چاہئے ان کے وصول کرو

تقریر | برجستہ تقریر و خطابت کا ملکہ نہ تھا، چنانچہ سندھینی خلافت کے بعد پہلے پہلے
ممبر پر تشریف لائے تو زبان نے یاری نہ کی اور صرف یہ لکھ کر اتر آئے کہ ”ابو بکر و عمر پہلے
اس کے لیے تیار ہو کر آتے تھے میں بھی آئندہ تیار ہو کر آؤں گا، لیکن تم کو تقریر کرنے والے
امام سے زیادہ کام کرنے والے امام کی ضرورت ہے“ اُسکے بعد حسب معمول خطبہ دینے لگے۔
ایک خطبہ کے چند ابتدائی فقرے یہ ہیں:

ایکھا الناس ان بعض المطمع	لوگو! بعض حرص و طمع احتیاج محض ہو اور بعض ناامیدی
فقد روان بعض الیاس غنی و انکم	تو نگری جو بے نیازی کے مراد ہے، تم ایسی چیزیں جمع کرتے
بجمعون مالا کون و ثمالون	جو جس سے تمتع نہیں ہو سکتے اور ایسی اُمیدیں باندھتے
مالا تدرون و انتم من جہلون	ہو جو پوری نہیں ہو سکتی ہیں تم لوگ اس دھوکے کے گھر
فی دار غن و	میں ایک وقت مقرر تک کیلے چھوڑے گئے ہو،

قرآن پاک | حضرت عثمان بن رواست کرتے تھے کہ قرآن کا پڑھنا اور پڑھانا سب سے فضل ہے،
غالباً اسی لیے ان کو قرآن شریف سے عجیب شغف تھا، دوسرے اکابر صحابہ کی طرح وہ بھی
قرآن مجید کے حافظ تھے، اور چونکہ کاتبِ وحی بھی رہ چکے تھے، اس لیے ہر آیت کی شان
نزول اور اس کے حقیقی مفہوم سے واقف تھے، کہتے ہیں کہ عہدِ نبوت میں اُنھوں نے
بھی ایک مصحف جمع کیا تھا، آیاتِ قرآنی سے استدلال، استنباط احکام اور تفریع مسائل
میں وہ خاص ملکہ رکھتے تھے، قرآن پاک کو نو مسلم تو مومن کی تحریف سے بچانا، اسکا اُچارنا
ہے، اور یہ بھی اُن کی فضیلت کا ایک باب ہے کہ عین اس وقت جب وہ دشمنوں کے

لے یہ تمام عبارتیں ماری منہ سے یہ منقول ہیں لے ابنِ صنبل ر س، ۵۷ سے نہایت ابراہیم قلی صوفی رحمہ اللہ

نرخے میں تھے اور قابل تیغ بکھٹ اُن کے سامنے تھے وہ قرآن کی تلاوت میں مصروف تھے،
 حدیث شریف | سلسلہ احادیث میں دوسرے صحابہ کی بہ نسبت حضرت عثمانؓ سے
 مرفوع احادیث بہت کم مروی ہیں آپ کی کل روایات کی تعداد ۴۶۶ ہے جن میں
 تین متفق علیہ ہیں یعنی بخاری، مسلم، دونوں میں موجود ہیں اور آٹھ صرف بخاری اور پانچ صرف
 مسلم میں اس طرح صحیحین میں آپ کی کل ۱۶ حدیثیں ہیں

ان کی روایات کی قلت کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس معاملہ میں حد درجہ محتاط تھے، فرمایا
 کہ ”انحضرت صلعم سے حدیث بیان کرنے میں جو چیز ناہوتی ہے وہ یہ ہے کہ شاید دیگر صحابہ
 زیادہ میرا حافظہ قوی نہ ہو، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو یہ کہتے
 سنا ہے کہ جو میری طرف وہ منسوب کرے گا جو میں نے نہیں کہا ہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنا لے گا
 اسی لیے وہ حدیث کی روایت میں سخت احتیاط کرتے تھے، عبدالرحمن بن حاطب بھی
 کہتے ہیں کہ میں نے کسی صحابی کو حضرت عثمانؓ سے زیادہ پوری بات بیان کرنے والا
 نہیں دیکھا، لیکن وہ حدیث بیان کرتے ڈرتے تھے،

فقہ اجتہاد | حضرت عثمانؓ اگرچہ ابو بکر و عمر اور حضرت علی مرتضیٰؓ کی طرح اکابر مجتہدین
 میں داخل ہیں تاہم وہ شرعی اور مذہبی مسائل میں ایک مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے چنانچہ دیگر مجتہدین
 صحابہ کی طرح اُن کے اجتہادات اور فیصلے بھی کتبِ آثار میں مذکور ہیں لوگ اُن کے
 قول و عمل سے استناد کرتے تھے خصوصاً حج کے ارکان اور مسائل کے علم میں اُن کا
 پایہ بہت بلند تھا، اس علم میں اُن کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا درجہ تھا، شیخین کے

۱۔ مسند ابن جنبل جلد اول صفحہ ۶۵ ۲۔ ابن سعد جلد ۳ قسم اول صفحہ ۴۹ ۳۔ بخاری کتاب الخصال ابن جنبل
 جلد صفحہ ۶۰۷ وغیرہ ۴۔ ابن سعد جلد ۳ قسم اول صفحہ ۴۱

عمر خلافت میں بھی حضرت عثمانؓ سے فتوے پوچھے جاتے تھے اور پیچیدہ مسائل میں اُن کی رائے دریافت کی جاتی تھی

ایک دفعہ حضرت عمرؓ مکہ میں آئے اور اپنی چادر ایک ایسے شخص پر ڈال دی جو خانہ کعبہ میں کھڑا ہوا تھا، اتفاق سے اس پر ایک کبوتر بیٹھ گیا، اُنھوں نے اس خیال سے کہ چادر کو اپنی سیٹ سے گندہ نہ کر دے اس کو اڑا دیا، اور کبوتر اڑ کر دوسری جگہ جا بیٹھا، وہاں اُسکو ایک سانپ نے کاٹا اور وہ اسی وقت مر گیا، حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو اُنھوں نے کفارہ کا فتویٰ دیا، کیونکہ وہ اس کبوتر کو ایک محفوظ مقام سے غیر محفوظ مقام میں پہنچانے کے باعث ہونے لگے تھے،

بیت خلافت کے بعد حضرت عثمانؓ کے سامنے ہرمزان کے قتل کا مقدمہ پیش ہوا، حضرت عبید اللہ بن عمرؓ مدعا علیہ تھے، اس مقدمہ میں جو فیصلہ ہوا وہ بھی درحقیقت ایک اجتہاد پر مبنی ہے، یعنی مقتول کا اگر کوئی وارث نہ ہو تو حاکم وقت اس کا ولی ہوتا ہے، چونکہ ہرمزان کا کوئی وارث نہ تھا، اس لیے حضرت عثمانؓ نے حیثیت امیر المومنین ولی ہو کر قصاص کے بجائے دیت لینا قبول کیا، اور وہ رقم بھی اپنے ذاتی مال سے دیکر بیت المال میں دھل کر دی

حضرت عثمانؓ کے اجتہاد نے بعض معاملات میں سہولت پیدا کر دی، مثلاً دیت میں اونٹ دینے کا رواج تھا، حضرت عثمانؓ نے اس کی قیمت بھی دینی جائز قرار دی، اور اس کے علاوہ اور بھی چند مسائل ہیں جن کے احصاء کی یہاں ضرورت نہیں۔ ان کے بعض مسائل سے دوسرے مجتہدین صحابہ کو اختلاف بھی تھا، تاہم حضرت عثمانؓ

جو کہ اپنی رائے کو صحیح سمجھتے تھے، اس لیے اُنھوں نے اپنے اجتہاد سے رجوع نہیں کیا، مثلاً حضرت عثمانؓ کو حج تمتع یعنی حج اور عمرہ کے لیے علیحدہ علیحدہ نیت کرنے سے اس بنا پر رد کئے تھے کہ اُس کے جواز کی علت اب باقی نہیں رہی یعنی کھار کا خوف، لیکن حضرت علیؓ اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اسی طرح حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ اگر کوئی حج کے موقع پر اقامت کی نیت کر لے تو منیٰ میں بھی پوری چار رکعت نماز ادا کرنا چاہیے، حضرت علیؓ منیٰ میں قصر کرنا ضروری سمجھتے تھے، حضرت عثمانؓ حالت احرام میں نکاح کو ناجائز قرار دیتے تھے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مانعت اُنھوں نے نہیں سنی لیکن حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ اُس کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے، حضرت عثمانؓ اس زن مطلقہ کو بھی جسکو طلاق بائن دی گئی ہو حالت عدت میں وارث قرار دیتے تھے، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ جب تک عدت پوری نہ ہو جائے اُس کا رشتہ ایک قسم کا قائم ہے، حضرت علیؓ کو اس سے اختلاف تھا، حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ اگر کوئی حالت عدت میں کسی عورت سے نکاح کر لے تو مستوجب سزا ہے کہ قرآن نے اس کی ممانعت کی ہے، چنانچہ ایک شخص اُن کے عہد میں اس کا مرتکب ہوا تو اُنھوں نے اسکو جلاوطن کر دیا، حضرت علیؓ اُس کو کسی حد شرعی کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، جمہور کے خلاف بعض دیگر صحابہ کی طرح غسل جنابت کی فرضیت کے لیے وہ خروج منیٰ کو ضروری کہتے تھے، بعض اسی طرح بعض اور رسائل میں بھی حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کرام کو اختلاف تھا، لیکن اس سے یقین سمجھنا چاہیے کہ یہ اختلاف کسی نفسانیت پر مبنی تھا، بلکہ اُن بزرگوں کی رواداری اور صفائی قلب کا یہ حال تھا کہ جب امت عثمانؓ نے منیٰ میں دو رکعت کے بجائے پوری

چار رکعت نماز ادا کی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا اگرچہ میرے خیال میں قہر ضروری ہے، لیکن میں علما ایزلمونین کی مخالفت نہیں کروں گا چنانچہ دو کے بجائے پوری چار رکعت پڑھی اسی طرح حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا کہ بعض مسائل میں دوسرے صحابہ کو اختلاف ہے تو فرمایا کہ ہر شخص کو اختیار ہے جو حق نظر آئے اس پر عمل کرے میں کسی کو اپنی رائے ماننے پر مجبور نہیں کرتا، بعض نادان قہنون نے حضرت عثمانؓ کے کسی مسئلہ پر اعتراض کیا تو فرمایا ہم لوگ خدا کی قسم سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، ہم بیمار ہوتے تو آپ عیادت کرتے، ہمارے جنازوں کی پیچھے چلتے، ساتھ ہم کو لیکر جہاد کرتے تھے، کم و بیش جو کچھ ہوتا اُسے ہماری غمخواری فرماتے، اب ایسے لوگ ہم کو آپ کی سنت بتانا چاہتے ہیں جہنون نے شاید آپ کی صورت بھی نہ دیکھی ہو،

علم الفرائض | حضرت عثمانؓ کو چونکہ تجارتی کاروبار سے ہمیشہ سابقہ پڑتا تھا، اس لیے یقیناً ان کو علم حساب سے خاص دلچسپی ہوگی، اسی بنا پر فرائض یعنی علم تقسیم ترکہ سے ان کو خاص مناسبت تھی، اس فن کی تدوین اور ترتیب میں حضرت زید بن ثابتؓ کے ساتھ ان کا ہاتھ بھی شامل ہے، قرآن شریف میں ذوی الفروض اور بعض عصابات کا ذکر ہے، حضرت عثمانؓ اور زید بن ثابتؓ نے اپنی مجتہدانہ قوت سے اسی کو بنیاد قرار دیکر موجودہ علم فرائض کی عمارت قائم کر دی، یہ دونوں اپنے زمانہ میں اس فن کے امام سمجھے جاتے تھے، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ بھی کرتے تھے، اور تمام مشکل عقدوں کو حل فرماتے تھے، بعض صحابہ کو بیان تک خوف تھا کہ ان دونوں کی وفات سے فرائض کا علم ہی جاتا رہے گا،

اخلاق و عادات

حضرت عثمانؓ فطرۃً عقیف، پارسا، دیانت دار اور راست باز پیدا ہوئے تھے،
 حیا، اور رحمدلی اُن کی خاص شان تھی، ایام جاہلیت میں جبکہ عرب کا ہر بچہ سب خراب
 تھا اس وقت بھی عثمانؓ ذوالنورینؓ کی زبان بادۂ گلگون کے ذائقہ سے نواشتا تھا کذب و
 افتراء، فسق و فجور کا لکیر تھا، لیکن آپ کا دامن اُس وقت بھی ان دہون سے آلودہ
 نہیں ہوا تھا، شرفِ ایمان نصیب ہوا تو رسول اللہؐ کی صحبت نے ان اوصاف کو اوری بھی
 چمکا دیا،

خوفِ خدا خوفِ خدا تمام محاسن کا سرچشمہ ہے جو دل خدا کی ہیبت و جلال سے لرزان
 و ترسان نہیں اُس سے کسی نیکی کی امید نہیں ہو سکتی حضرت عثمانؓ اکثر خوفِ خداوندی سے
 آبدیدہ رہتے، موت، قبر اور عاقبت کا خیال ہمیشہ دامنگیر رہتا، اسلئے سے خزاہ گزرتا
 تو کھڑے ہو جاتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے، مقبروں سے گزرتے تو
 اس قدر روتے کہ دائرہ ہی تر ہو جاتی لوگ کہتے کہ دوزخ و جنت کے تذکرہ سے تو آپ پر
 اس قدر رقت طاری نہیں ہوتی آخر مقبروں میں کیا خاص بات ہوتی ہے کہ آپ
 بے قرار ہو جاتے ہیں؟ فرماتے کہ آنحضرت صلیم کا ارشاد ہے کہ قبر آخرت کی سب سے پہلی
 منزل ہے اگر یہ مرحلہ آسانی سے طے ہو گیا تو پھر تمام منزلیں آسان ہیں اور اگر اس میں
 دشواری پیش آئی تو پھر تمام مرحلے دشوار ہوں گے،

حب رسول | حضرت عثمانؓ تقریباً تمام غزوات میں شریک رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فدویت جان نثاری کا حق ادا کیا،

محبت کا خاصہ ہے کہ محبوب کی تکلیف سے دل کی تڑپ بڑھ جاتی ہے اس بنا پر حضرت عثمانؓ اپنے محبوب آقا کی فقیرانہ اور زاہدانہ زندگی دیکھ کر سخت بیقرار رہتے، اور جب کبھی موقع پاتے تحائف کے ذریعہ سے اس عسرت کو کم کرنے کی کوشش کرتے، ایک دفعہ چار دن تک آل رسولؐ نے فروغ فاقہ سے بسر کیا، حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو آنکھوں سے آنسو نکل آئے، اور اسی وقت بہت سا سامان غور و فوش اور تین سو درہم لاکر بطور نذر کے پیش کیا،

رسول کا ادب | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام اسقدر ملحوظ تھا کہ جس ہاتھ سے بیعت کی پھر اس کو نجاست یا محل نجاست سے مس نہونے دیا کہ اس میں بھی شان بے ادبی تھی، آل رسولؐ اور ازواج مطہراتؓ کا خاص طور سے پاس و خیال تھا، اپنے عہد خلافت میں اصحاب و وظائف کے لیے رمضان کے روزے مقرر کیے تو ازواج مطہراتؓ کا روزینہ سب سے دونا مقرر کیا،

اتباع سنت | حضرت عثمانؓ کو جناب سرور کائناتؐ کی ذات پاک سے جو خصوصیات و محبت تھی اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ وہ اپنے قول و فعل بیان تک کہ حرکات و سکنات اور اتفاقی باتوں میں بھی اپنے محبوبؐ کی اتباع کو پیش نظر رکھتے تھے، ایک دفعہ وضو کر کے قیام ہوئے، لوگوں نے اس بے موقع قسم کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح وضو کر کے سنتے ہوئے دیکھا تھا، ایک دفعہ سنائے

جنازہ گزرا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ حضور بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے، ایک دفعہ عصر کے وقت سب کے سامنے وضو کر کے دکھایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح وضو فرمایا کرتے تھے، ایک بار مسجد کے دوسرے دروازہ پر بیٹھ کر بکری کا دست منگوایا اور کھایا اور بے تازہ وضو کیسے ہوئے نماز کو کھڑے ہو گئے، پھر فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی جگہ بیٹھ کر کھایا تھا اور اسی طرح کیا تھا، حج کے موقع پر وہ اور ایک صحابی طواف کر رہے تھے، طواف میں انھوں نے رکن یثربی کا بھی بوسہ لیا، حضرت عثمانؓ نے ایسا نہیں کیا تو انھوں نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر اس کا اسلام کرانا چاہا، حضرت عثمانؓ نے کہا کیا کرتے ہو، کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف نہیں کیا ہے؟ انھوں نے کہا، ہاں، تو دریافت کیا، کیا آپ کو اس کا اسلام کرتے تم نے دیکھا، کہا نہیں تو فرمایا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء مناسب نہیں؟ انھوں نے جواب دیا بیشک!

حیا، اُن کے اخلاق و عادات کے بیان میں مورخین نے حیا کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور خود حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے شرم و حیا کا پاس و لحاظ کرتے تھے، ایک دفعہ صحابہ کبار کا مجمع تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے تکلفی کے ساتھ تشریف فرما تھے، اور زانوے مبارک کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا، اسی حالت میں حضرت عثمانؓ کے حاضر ہونے کی اطلاع ہوئی تو سنبھل کر بیٹھ گئے اور زانوے مبارک پر کپڑا براہِ برکریا، لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے لیے اس اہتمام کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ عثمانؓ کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں اسی قسم کا ایک اور واقعہ حضرت عائشہؓ بھی بیان فرماتی ہیں، حضرت دو النورینؓ کی حیا کا یہ عالم تھا کہ تنہائی اور بند کرے میں بھی وہ برہنہ نہیں ہوتے تھے،

زہد حضرت عثمانؓ اگرچہ کچھ اپنی خلقی ناقوانی اور ضعف دپیری کے باعث اور کسی قدر اس سبب سے کہ اُھنوں نے ناز و نعمت کی زندگی میں پرورش پائی تھی بلکی غذا اور نرم پوشاک استعمال کرنے پر مجبور تھے، اور فاروقِ اعظمؓ کی طح موٹا جھوٹا کپڑا اور روکھا پھیکا کھانا نہیں کھا سکتے تھے، لیکن اس سے یہ قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت عثمانؓ عیش و تنعم کے گرویدہ تھے بلکہ اُھنوں نے باوجود غیر معمولی دولت و ثروت کے کبھی امیرانہ ٹھاٹھ نہیں جایا اور نہ کبھی صرف زیب و زینت کی چیزیں استعمال کیں، قرآن ایک فہم کار دمی کپڑا تھا جو نہایت خوش وضع اور عرب کا مطبوع عام لباس تھا، امراء و اموار متوسط درجے کے لوگ بھی اس کو پہننے لگے تھے لیکن حضرت عثمانؓ نے کبھی اس کو استعمال نہ فرمایا اور نہ اپنی بیویوں کو استعمال کرنے دیا،

تواضع اور سادگی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں بیسویں لونڈی اور غلام تھے لیکن اپنا کام آپ ہی کر لیتے اور کسی کو تکلیف نہ دیتے، رات کو تہجد کیلئے اُٹھتے اور کوئی بیدار نہ ہوتا تو خود ہی وضو وغیرہ کا سامان کر لیتے اور کسی کو جگا کر اسکی نیند خراب نہ فرماتے اور کوئی درشت کلامی کرتا تو آپ نرمی سے جواب دیتے، ایک دفعہ عمرو بن العاصؓ نے اشلہ گفتگو میں حضرت عثمانؓ کے والد کی شرافت پر طعنہ زنی کی، حضرت عثمانؓ نے نرمی سے جواب دیا کہ عہد اسلام میں زمانہ جاہلیت کا کیا تذکرہ ہے؟ اسے اس طرح ایک دفعہ جمعہ کے روز منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک طرف سے آواز آئی عثمانؓ! توبہ کرو اور اپنی بے اعتدالیوں سے باز آ، حضرت عثمانؓ نے اسی وقت قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھایا اور اللھم اِنی اَدِلْ تائب تائب یعنی اے خدا میں پہلا توبہ کرنے والا ہوں جس نے

تیری درگاہ میں رجوع کیا،

المیک،

ایثار اپنے ذاتی فائدہ پر دوسروں کے فوائد کو ترجیح دینا اخلاق انسانی کا منتہائے کمال ہے۔
حضرت عثمانؓ کی زندگی میں اس وصف کا مل کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ یہ ہے کہ
انھوں نے اپنے ایام خلافت میں ذاتی مصارف کیلئے بیت المال سے ایک جتہ نہیں لیا اور
اس طرح گویا اپنا مقررہ وظیفہ عام مسلمانوں کیلئے چھوڑ دیا،

حضرت عمرؓ کا سالانہ وظیفہ پانچ ہزار درہم سالانہ تھا، اس حساب سے حضرت عثمانؓ نے
اپنے دوازدہ سالانہ مدت خلافت میں ساٹھ ہزار درہم کی گران قدر رقم مسلمانوں کے لیے
چھوڑ دی جو درحقیقت ایثارِ نفس کا نہایت ہی اعلیٰ نمونہ ہے،

فیاضی حضرت عثمانؓ بن عرب میں سب سے زیادہ دولت مند تھے، اس کے ساتھ خدا نے
فیاض طبع بھی بنایا تھا اس لیے انھوں نے حدیم انظیر فیاضیان ظاہر کین اور اپنے مال دولت
سے اس وقت اسلام کو فائدہ پہنچایا جب کہ اس امت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر
موجود نہ تھا،

مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے تو پانی کی سخت تکلیف تھی اور تمام شہر میں صرف
بیر رومہ ایک ایسا کنواں تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا، لیکن اس کا مالک ایک یہودی
تھا جس نے اسکو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا، حضرت عثمانؓ نے رفاہ عام کے خیال سے
اسی کو بیس ہزار درہم میں خرید کر وقف کر دیا، اسی طرح جب مسلمانوں کی کثرت ہوئی اور
مسجد نبویؐ میں جذبہ کی تنگی کے باعث نازیوں کو تکلیف ہونے لگی تو حضرت عثمانؓ نے
ایک گران قدر رقم صرف کر کے انکی توسیع کی،

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے غزوہ تبوک کے موقع پر ہزاروں روپے کے صرف سے مجاہدین کو آراستہ کیا، یہ فیاضی ایسے وقت میں ظاہر ہوئی جبکہ عام طور پر مسلمانوں کو عسرت اور تنگی نے پریشان کر رکھا تھا اور دوسری طرف مقصر روم کی جنگی تیاریوں سے خود رسول اللہؐ کو تشویش دہانگی تھی،

مذکورہ بالا فیاضیوں کے علاوہ روزانہ جود و کرم اور صدقات و خیرات کا سلسلہ جاری رہتا تھا، ہر جمعہ کے روز ایک غلام آزاد کرتے تھے، بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کرتے تھے، مسلمانوں کی عسرت اور تنگ حالی سے ان کو دلی صدمہ ہوتا تھا، ایک دفعہ ایک مجاہدین ناداری اور مفلسی کے باعث مسلمانوں کے چہرے اُداس تھے اور اہل نفاق ہشاش بشاش ہر طرف اکر تے پھرتے تھے، اُسی وقت چودہ اونٹوں پر سامان خود بار کر کے آنحضرتؐ سلم کے پاس بھیجا کہ اس کو مسلمانوں میں تقسیم فرمادین،

اعزہ اور احباب کے ساتھ حسن سلوک | اعزہ اور احباب کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک فرماتے تھے، حکم بن ابی العاص حضرت عثمانؓ کے چچا تھے، رسول اللہؐ نے ان کو طائف کو جلاوطن کر دیا، حضرت عثمانؓ نے بارگاہ نبوت میں کوشش کر کے ان کی خطا معاف کر لی اور اپنے عہد میں مدینہ بلا یا اور حبیب خاص سے ان کی اولاد کو ایک لاکھ درہم مرحمت فرمائے، نیز ان کے لڑکے مروان سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر کے ہمیز میں ایک لاکھ درہم عطا فرمایا،

عبداللہ بن عامر، عبداللہ بن ابی سرح، عثمان بن ابی العاص، امیر معاویہ حضرت عثمانؓ کے نہایت قریبی رشتہ دار تھے اور ان کے عہد خلافت میں ممتاز عہدوں پر متعین رہے،

احبابِ مخلصین کے ساتھ بھی نہایت عمدہ برتاؤ تھا، ضرورت کے وقت بڑی بڑی رقمیں قرض دیتے تھے اور سب اوقات واپس نہیں لیتے تھے، ایک دفعہ حضرت طلحہؓ نے ایک بڑی رقم قرض لی، کچھ دنوں کے بعد واپس دینے آئے تو لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری قروت کا صلہ ہےؑ

صبر و تحمل | مصائب و آلام کو نہایت صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرتے تھے، شہادت کے موقع پر چالیس دن تک جس بردباری، ضبط اور تحمل کا اظہار ہوا وہ اپنی آپ نظیر ہے سیکرڈن و خاشعار غلام اور ہزاروں سعادوں و انصار سر فروشی کے لیے تیار تھے مگر اس ایوبِ وقت نے خوزبزی کی اجازت نہ دی اور اپنے اخلاق کریمانہ کا آخری منظر دکھا کر ہمیشہ کے لیے دنیا سے روپوش ہو گیا،

مذہبی زندگی | دن کے وقت ہمت، خلافت میں مصروف رہتے اور رات کا اکثر حصہ عبادت و ریاضت میں بسر کرتے تھے، کبھی کبھی رات بھر جاگتے اور ایک ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھےؑ

دوسرے تیسرے دن عموماً روزے رکھتے تھے، کبھی کبھی مہینوں روزے سے رہتے اور شب کے وقت صرف اس قدر کھا لیتے تھے کہ سدرِ حق کے لیے کافی ہو، ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے، اور خود امیر حج کے فرائض انجام دیتے تھے، خصوصاً آیامِ خلافت میں کوئی سال حج سے خالی نہیں گذرا، البتہ جس سال شہید ہوئے اس سال محصور ہونے کے باعث مجبور ہو گئے،

ذاتی حالات

سکن | ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت اوس بن ثابتؓ کے ہمان ہوئے اور غالباً عرصہ تک انھیں کے مکان میں مقیم رہے اُسکے بعد اپنے عہد خلافت میں مسجد نبویؐ کے قریب ایک نہایت عظیم الشان محل تعمیر کرایا جو عظمتِ شان میں مدینہ کی تمام عمارتوں سے ممتاز تھا، اور اب بھی سیدنا عثمانؓ کے نام سے مدینہ میں مشہور ہے اور کچھ حصہ مغربی حاجون کا زادیہ ہے اور وہاں کتب خانہ قائم ہے جس کا نام کتب خانہ سیدنا عثمانؓ ہے، مسجد نبویؐ کی پشت پر گلی کی دوسری طرف ایک مکان کے دروازے پر شہید سیدنا عثمانؓ کا کتبہ لگا ہے

وسائلِ معاش | معاش کا اہلی ذریعہ تجارت تھا، عرب میں کوئی ان سے بڑا اور دولت مند تاجر نہ تھا، چنانچہ اس غیر معمولی دولت و ثروت کے باعث ان کو غنی کا خطاب دیا گیا تھا،

جاگیر | فتحِ خیبر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو جو شریکِ معرکہ تھے جاگیر بن عطا کی تھیں حضرت عثمانؓ کے حصہ میں بھی ایک قطعہ زمین آیا تھا، اس کے علاوہ انھوں نے مختلف اوقات میں جاہلِ ادین خریدی تھیں مدینہ سے قریب مقامِ بقیع میں بھی ایک نہایت وسیع قطعہ خریدا تھا جسکو انھوں نے قبرستان کے لیے وقف فرما دیا تھا،

زراعت | جہاں تک معلوم ہے حضرت عثمانؓ خود زراعت نہیں فرماتے تھے، البتہ اپنی زمین کو بٹائی پر دیتے تھے کہ پیداوار میں سے دوثلث کا شتکار کو ملتا تھا اور صرف ایک ثلث

آپ کا حق ہوتا تھا،

غذا | ضعف اور پیری کے باعث غذا عموماً نرم، ہلکی اور زود ہضم تناول فرماتے تھے،
دستر خوان پر عموماً اعزہ و احباب کا مجمع رہتا تھا،

صفائی | مزاج میں بہت صفائی پسندی تھی، جب سے مسلمان ہوئے روزانہ غسل کیا کرتے تھے
(ابن جنبل ۱- ۶۷) ہمیشہ اچھے کپڑے پہنتے تھے، عطر ملتے تھے (ابن سعد)

لباس | ابن سعد نے آپ کے لباس کا خاص عنوان باندھا ہے گو آپ اچھے کپڑے استعمال فرماتے تھے لیکن اس میں بیودہ مکلفات کو دخل نہیں ہوتا تھا، خصوصاً ایسے کپڑوں سے نہایت پرہیز کرتے تھے جس سے مزاج میں غرور و تکبر اور خود بینی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے لفظ ایک خاص قسم کا ردی کپڑا تھا جو امراء عرب میں عموماً نہایت مطبوع تھا لیکن اٹھون نے کبھی اسکو استعمال نہیں کیا اور نہ اپنی بیویوں کو پہننے دیا، تمام عمر انھوں نے پاجامہ نہیں پہنا، صرف شہادت کے وقت ستر کے خیال سے پہن لیا، عموماً تہنبد باندھا کیے، ایک نامی روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے روز نمبر پران کو دیکھا تو جو موٹا تہنبد وہ پہنتے تھے اس کی قیمت پانچ درہم (ایک روپے) سے زیادہ نہ ملتی۔

علیہ | حضرت عثمان غنیؓ اور خوبصورت تھے، علیہ یہ تھا رنگ گندم گونق، جعد ناک بلند اور خم دار رخسارے پر گوشت اور آن پر چھپ کے ہلکے داغ، دائرہ گھنی اور طویل، سر کے بال گھنے اور بڑے بڑے یہاں تک کہ زلف کا نوں تک پہنچتی تھی، بعض روایات کے مطابق بالوں میں خضاب فرماتے تھے، دانت پیوستہ اور چکدار تھے جنکو سونے کے تار سے باندھ کر مضبوط کیا گیا تھا،

ازواج و اولاد | مختلف اوقات میں متعدد شایان کین، پہلی بیوی آنحضرت صلیم کی صاحبزادی

حضرت رقیہ تھیں، حبشہ کی ہجرت میں وہ آپ کے ساتھ تھیں، واپس آکر مدینہ منورہ کی ہجرت میں بھی شریک تھیں، یہاں ایک سال زندہ رہیں، ستم میں غزوہ بدر کے موقع پر وفات پائی، ان سے عبداللہ نام ایک فرزند تولد ہوا تھا، جس نے بچپن ہی میں وفات پائی،

اس کے بعد آنحضرت صلیم کی چھوٹی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے ستم میں نکاح ہوا، وہ نکاح کے بعد چھ سات برس زندہ رہیں، ستم میں وفات پائی، ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی،

اُس کے بعد حسب ذیل نکاح کیے،

فاطمہ بنت غزوآن ان کے بطن سے بھی ایک فرزند تولد ہوا، عبداللہ نام تھا، لیکن وہ بھی بچپن ہی میں فوت ہو گیا، ام عمرو بنت جندب، ان کے بطن سے عمرو، خالد، ابان، عمرو، مریم پیدا ہوئے، فاطمہ بنت ولید، یہ حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے ولید اور سعید کی ان ہیں، ام البنین بنت عینیہ، ان سے عبدالملک پیدا ہوئے، انھوں نے بھی بچپن ہی میں وفات پائی، رملہ بنت شیبہ، عائشہ، ام ابان اور ام عمرو ان کے بطن سے تولد ہوئیں، نائلہ بنت افراسہ شہادت کے وقت موجود تھیں، ان کے بطن سے مریم بنت عثمان پیدا ہوئیں، صاحبزادوں میں سب سے نامور حضرت ابانؓ ہوئے، انھوں نے بنو امیہ کے عہد میں

خاصہ اعزاز پایا،

رَضِیَ اللہ عَنْہُ

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

نام، نسب، خاندان | علی نام، ابو الحسن اور ابو تراب کینت، حیدرۃ، (شیر) لقب، امیر المومنین خطاب، والد کا نام ابو طالب اور والدہ کا نام فاطمہ تھیں، پورا سلسلہ نسب یہ ہے: علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی، چونکہ ابو طالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی اس لیے حضرت علی بنجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت صلم کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے،

خاندان ہاشم کو عموماً عرب اور خصوصاً قبیلہ اقریش میں جو وقت و عظمت حاصل تھی وہ محتاج اظہار نہیں، خانہ کعبہ کی خدمت اور اس کا اہتمام بنو ہاشم کا مخصوص طفرائے متبایز تھا اور اس شرف کے باعث ان کو تمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی،

حضرت علی مرتضیٰؑ کے والد ابو طالب کم کے ایک نہایت ذی اثر بزرگ تھے، آنحضرت صلم نے انھیں کی آغوش شفقت میں پرورش پائی تھی اور بعثت کے بعد انھیں کے زیر حمایت کم کے کفرستان میں بلند آہنگی کے ساتھ دعوت حق کا اعلان کیا تھا، ابو طالب ہر موقع پر سینہ سپر ہوئے، اور سرور کائنات صلم کو کفار کے بچہ و ظلم و ستم سے محفوظ رکھا، مشرکین قریش نے رسول اللہ صلم کی پشت پناہی اور حمایت کے باعث ابو طالب اور ان کے خاندان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، ایک گھاٹی میں محصور کر دیا، کاروبار دین دین بند کر دیا، شادی، بیاہ کے تعلقات منقطع کر لیے، غرض ہر طرح پریشان کیا مگر اس نیک طبیعت بزرگ نے

لے صبح صلم کتاب الجہاد باب غزوہ ذی قرد وغیرہا،

آخری لمحہ حیات تک اپنے عزیز بھتیجے کے سر سے دستِ شفقت نہ اٹھایا،

آنحضرت صلیم کی دلی خواہش تھی کہ ابوطالب کا دل فوراً ایمان سے منور ہو جائے اور اسطرح انھوں نے اپنی ذات سے دنیا میں جو کچھ مربوطی کی خدمت و حمایت کی ہے اُس کے معاوضہ میں نعمِ فردوس کی ابدی اور لامتناہی دولت سے شیعہ ہون، خصوصاً وفات کے وقت نہایت اصرار کے ساتھ کلمہ توحید کی دعوت دی، ابوطالب نے کہا عزیز بھتیجے اگر تجھے قریش کی طعنہ زنی کا خوف نہ تو نہایت خوشی سے بخاری دعوت قبول کر لیتا، قرآنِ ہشام میں حضرت عباسؓ سے یہی روایت ہے کہ نزع کی حالت میں کلمہ توحید اُن کی زبان پر تھا، مگر یہ روایت کمزور ہے، بہر حال ابوطالب نے گو علانیہ اسلام قبول نہیں کیا، تاہم انھوں نے حضور سرور کائنات صلیم کی جس طرح پرورش و پرداخت کی اور کفار کے مقابلہ میں جس ثبات اور استقلال کے ساتھ حمایت کا فرض انجام دیا اُس کے لحاظ سے اسلام کی تاریخ میں اُن کا نام ہمیشہ شکرگذاری اور احسانندی کے ساتھ لیا جائیگا،

حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد نے بھی حضرت آمنہؓ کے بعد مکہ کے اس یتیم معصوم کے ساتھ مان کی طرح شفقت و محبت ظاہر کی، مستند روایات کے مطابق وہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ گئیں، اُن کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلیم نے کفن کے بجائے اپنی قیص مبارک پہنائی، اور قبر میں لیٹ کر اس کو تبرک کیا، لوگوں نے اس خاص عنایت کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابوطالب کے بعد میں سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنون احسان ہوں۔

حضرت علیؓ آپ کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے تھے، ابوطالب نہایت کثیر العیال

تھے معاش کی تنگی نے نہایت پریشان کر رکھا تھا، تھا و خشک سالی نے اس مصیبت میں اور بھی اضافہ کر دیا، اس لیے رحمۃ اللعالمینؐ نے اپنے چچا کی حسرت سے متاثر ہو کر حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ہم کو اس مصیبت و پریشان حالی میں ابوطالب کا ہاتھ بٹانا چاہیے، حضرت عباسؓ نے حسب ارشاد، جعفرؓ کی کفالت اپنے ذمہ لی اور سرور کائناتؐ کی نگاہ انتخاب نے علیؓ کو پسند کیا، چنانچہ وہ اس وقت سے برابر حضور پُر نورؐ کے ساتھ رہنے لگے۔

اسلام حضرت علیؓ کا سن ابھی صرف دس سال کا تھا کہ ان کے شفیق مربی کو دربار بغداد مذی سے نبوت کا خلعت عطا ہوا، اور چونکہ حضرت علیؓ ہمیشہ ساتھ رہتے تھے اس لیے انکو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے، چنانچہ ایک روز آنحضرت صلم اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو مصروف عبادت دیکھا اس مؤثر نظارہ نے اثر کیا، طفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا آپ دونوں کیا کر رہے تھے؟ حضرت سرور کائناتؐ نے اپنے منصب گرامی کی خبر دی اور کفر و شرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی، حضرت علیؓ کے کان ایسی باتوں سے آشنا نہ تھے میجر ہو کر عرض کی کہ اپنے والد ابوطالب سے اسکے شعلق دریافت کر دوں گا، چونکہ سرور کائناتؐ کو ابھی اعلان عام منظور نہ تھا اس لیے فرمایا کہ اگر تمہیں تامل ہے تو خود غور کرو لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا، غرض اس کسن نوہال کے عرصہ خیال میں حق و باطل کی معرکہ آرائی شروع ہوئی، اور ایک شب دروز کی مسلسل جدوجہد نے حق کو فتح کیا، توفیق الہی فین ہوئی، اور اسی وقت بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے،

اس باب میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد سب سے پہلے کون ایسا شخص

روایات سے حضرت ابوبکرؓ کی بصری حضرت علیؓ کی اہمیت ظاہر ہوئی، ابو بصون کے خیال میں حضرت زید بن

حادثہ کا ایمان سب پر مقدم ہے لیکن محققین نے ان مختلف احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ عورتوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ مردوں میں حضرت زید بن جراحؓ غلاموں میں اور حضرت علیؓ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔
 مکہ کی زندگی | اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علیؓ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ منظمہ میں بسر ہوئے چونکہ وہ رات دن سرور کائناتؐ کے ساتھ رہتے تھے اس لیے مسودہ کی مجلسوں میں تعلیم و ارشاد کے مجموعہ میں کفار و شرکین کے مباحثوں میں اور مبعوث حقیقی کی عبادت و پرستش میں غرض ہر قسم کی صحبتوں میں شریک رہے۔

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے سرزمین مکہ میں مسلمانوں کے لیے علانیہ خدا کا نام لینا اور اس کی عبادت و پرستش کرنا تقریباً ناممکن تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھپ چھپ کر اپنے مبعوث حقیقی کی پرستش فرماتے تو حضرت علیؓ بھی ان غیر معمولی غلصانہ عبادتوں میں شریک ہوتے، ایک دفعہ وادی نخلہ میں جب معمول مصروف عبادت تھے، کہ اتفاق سے اس طرف ابوطالب کا گزر ہوا، اپنے مصوم بھتیجے اور نیک بخت بیٹے کو مصروف عبادت دیکھ کر پوچھا کیا کرتے ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ حق کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ اس میں کوئی ہرج نہیں لیکن مجھ سے نہیں ہو سکتا،

ایام حج میں مکہ کی سرزمین تمام قبائل عرب کا مرجع ہوتی تھی، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہمراہ لیکر عام مجموعہ میں تشریف لے جاتے تھے اور تبلیغ اسلام کا فرض ادا کرنے تھے، اس وقت حضرت علیؓ اگرچہ اپنی طفولیت کے باعث کوئی اہم خدمت انجام دینے کے قابل نہ تھے، تاہم کبھی کبھی ساتھ ہوتے تھے، کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

خانہ کعبہ تشریف لے جاتے اور بتوں کو ٹوڑ پھوڑ کر عیب دار کر دیتے تھے،

انتظامِ دعوت | منصبِ نبوت عطا ہونے کے بعد آنحضرتؐ نے تین برس تک علانیہ دعوتِ اسلام کی صدا بلند نہیں فرمائی بلکہ پوشیدہ طریقہ پر خاص خاص لوگوں کو اسکی ترغیب دیتے رہے، چوتھے سال حکم ہوا کہ اسلام کا عام اعلان کر دیں اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں سے ابتدا کریں چنانچہ یہ میت نازل ہوئی،

واخذ عشیرتک الاقرابین اپنے قریبی اعزاء کو (مذہبِ انہی سے ڈراؤ،

سرورِ کائناتؐ نے اس حکم کے موافق کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے سامنے دعوتِ اسلام کی صدا بلند کی لیکن مدت کا زنگ ایک دن کے مطلق سے نہیں دوہر سکتا تھا، ابولہب نے کہا تباہک، اسی لیے تو نے ہم لوگوں کو جمع کیا تھا، اس کے بعد آنحضرتؐ نے ایک مرتبہ پھر اپنے خاندان میں تبلیغِ اسلام کی کوشش فرمائی، اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو انتظامِ دعوت کی خدمت پر مامور کیا،

حضرت علیؓ کی عمر اس وقت شکل سے چودہ، پندرہ برس کی تھی لیکن انھوں نے اس کسی کے باوجود نہایت اچھا انتظام کیا، دسترخوان پر صرف بکری کے پائے اور دودھ تھا، دعوت میں تمام خاندان شریک تھا جنکی تعداد ۴۰ تھی، حضرت حمزہؓ، عباسؓ، ابولہب اور ابوطالب بھی شریک تھے، لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو آنحضرتؐ صلعم نے اُٹھ کر فرمایا دیا بنی عبدالمطلب! خدا کی قسم میں تمھارے سامنے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں، بولو، اتم میں سے کون اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا معاون و مددگار ہوگا، سب چپ رہے، لیکن غیر خدا علی مرتضیٰؓ نے اُٹھ کر کہا، گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں اور رگوں

مجھے آنسو بہ چشم کا عارضہ ہے اور میری ٹانگیں تپتی ہیں، تاہم میں آپ کا یاد اور دستِ بازو بنو گا، آنحضرتؐ نے فرمایا تم بیٹھ جاؤ اور یہ کھڑکھڑاؤ گون سے خطاب کیا لیکن کسی نے جواب نہیں دیا، حضرت علیؑ پھر اُٹھے، آنحضرتؐ صلعم نے اس دفعہ بھی اُن کو بٹھا دیا یہاں تک کہ جب دوسری دفعہ بھی اس بارگراں کا اٹھانا کسی نے قبول نہیں کیا اور حسب معمول اس مرتبہ بھی حضرت علیؑ نے جاننا زمی کے لہجہ میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا تو ارشاد ہوا کہ بیٹھ جا تو میرے بھائی اور میرا وارث ہے،

ہجرت | بعثت کے بعد تقریباً تیرہ برس تک رسول اللہ صلعم نے مکہ کی گھاٹیوں میں اسلام کی صدا بلند کی لیکن مشرکین قریش نے بلیک کنسنے کے بجائے اس کا جواب محض بغض و عناد دیا اور آپ کے خدیوون پر طرح طرح کے مظالم کیے، یہاں تک کہ رمتہ للعالمین نے اپنے جان نثاروں کا سیرنجہ جو ردِ جہاد لکھ کر آہستہ آہستہ سب کو مدینہ چلے جانے کا حکم دیا، چنانچہ چند نفوس قدسیہ کے علاوہ مکہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا، اس ہجرت سے مشرکین کو اندیشہ ہوا کہ اب مسلمان ہمارے جھپٹے اقتدار سے باہر ہو گئے ہیں، اس لیے بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی قوت مضبوط کر کے ہم سے انتقام لیں، چنانچہ اس خطرہ نے ان کو خود رسول مقبول صلعم کی جان کا دشمن بنا دیا اور ایک روز مشورہ کر کے رات کے وقت کا شانہ نبوت کی طرف چلے کہ مکہ چھوڑنے سے پہلے اس ذات اقدس کو دنیا سے رخصت کر دیں، لیکن مشیتِ الہی تو یہ تھی کہ ایک دفعہ تمام عالم حقانیت کے نور سے منور ہوا اور توحید کی روشنی شرک کی ظلمت کو کا فور کر دے، اس لیے اس مقصد کی تکمیل سے پہلے آفتاب رسالت کس طرح غروب ہو سکتا تھا، غرض وحیِ الہی نے مشرکین

سے طبری ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰

کے ارادوں سے اطلاع دی اور ہجرت مدینہ کا حکم ہوا، سرور کائناتؐ نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے فرشِ اطہر پر ستراحت کا حکم یا خود حضرتؐ کو مدینہؐ کو ساتھ لیکر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے،

فدویت و جان نثاری	حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ بائیس تیس برس کی تھی اس عفو انِ شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کیلئے
ایک عظیم المثال کا رنامہ	

بیٹھ کر نا فدویت و جان نثاری کا عظیم المثال کا رنامہ ہے، رات بھر مشرکین کا محاصرہ رہا، ہر طرف برہنہ تلواروں کی جھنکار اور چمک سے ظلمتِ شب میں رعد و برق کا دھوکا ہوتا تھا، لیکن یہ نوجوان اس سرت دہنسا دینِ اطمینان کے ساتھ فرشِ اطہر پر سبز چادر اوڑھے محو خواب تھا کہ اگر اس راہ میں جان گئی تو اس سے زیادہ اور کیا سعادت ہو سکتی ہے، غرض تمام رات مشرکین قریش اس دھوکے میں رہے کہ خود حضرتؐ سرور کائناتؐ آسمان سے فرماہیں، صبح ہوئی تو حسب قرار داد اپنے ارادہ کی تکمیل کیلئے اندر آئے لیکن یہاں یہ دیکھ کر ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ شہنشاہِ دو عالم کے بجائے آپ کا ایک جان نثار اپنے آقا پر فرما رہا ہے کہ یہ سرکوب سو رہا ہے، مشرکین اپنی غفلت پر سخت برہم ہوئے اور اس ندائی کو چھوڑ کر اصل مقصود کی تلاش و جستجو میں سرگردان پھرنے لگے،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لیجانے کے بعد دو یا تین دن تک کہ میں مقیم رہے، اس عرصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جن لوگوں سے کاروبار اور لین دین تھا حسب ہدایت اُن سے فراغت حاصل کی اور تیسرے یا چوتھے دن وطن کو خیر باد کہہ کر عازمِ مدینہؐ ہوئے اس زمانہ میں حضرت سرور کائناتؐ حضرت کلثوم بن ہزیم کے ہمان تھے، اس لیے حضرت

علیؑ بھی انہی کے مکان میں جا کر فروکش ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہم مہاجرین میں
بھائی چارہ کرایا تو ان کو اپنا بھائی بنایا،

تعمیر مسجد | مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا بلکہ یہ آزادی و حریت کی سرزمین
تھی یہاں ہر شخص علانیہ خدا کے واحد کی پرستش کر سکتا تھا اور احکام شرعیہ کا نہایت اطمینان
کے ساتھ پابند ہو سکتا تھا اس کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی گئی یہاں تک
کہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینے سرور کائنات کو ایک مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا،
چنانچہ اسکی بنیاد رکھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقاء کے ساتھ خود اسکی تعمیر میں حصہ لیا، تمام
صحابہ جو ش کے ساتھ شریک کار تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایںٹ اور گارالا لاکر
دیتے تھے اور جو ش کے ساتھ یہ رجز پڑھتے تھے؟

لا یستوی من یسجد المساجد جو مسجد تعمیر کرتا ہو، کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اس مشقت کو بردار
مید أب فیہ قائما وقاعدا کرتا ہو اور جو گردوغبار کے باعث اس کام سے جی چراتا ہو
ومن یری عن الغبار حامدا وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے،

غزوات اور دیگر حالات

غزوہ بدر | سلسلہ غزوات میں سب سے پہلا معرکہ غزوہ بدر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تین سو تر
جان نثار دن کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے آگے آگے دو سیاہ رنگ کے علم تھے،
ان میں سے ایک حیدر کرار کے ہاتھ میں تھا جب رزمگاہ بدر کے قریب پہنچے تو سرور کائنات
نے حضرت علیؑ کو چند منتخب جان باز دن کے ساتھ غنیم کی نقل و حرکت دریافت کرنے کیلئے

بھیجا، انھوں نے نہایت خوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی اور مجاہدین نے پہلے پہنچ کر اہم مقاموں پر قبضہ کر لیا، مگر عوین رمضان جمعہ کے دن جنگ کی ابتدا ہوئی، قاعدہ کے موافق پہلے تنہا تنہا مقابلہ ہوا، سب سے پہلے قریش کی صف سے تین نامی بہادر نکل کر مسلمانوں سے مبارز طلب ہوئے، تین انصاریوں نے ان کی دعوت کو لبیک کہا اور آگے بڑھے، قریش کے بہادروں نے ان کا نام و نسب پوچھا، اور جب یہ معلوم ہوا کہ وہ شیرب کے جوان ہیں تو ان کے ساتھ لڑنے سے انکار کر دیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بکار کر کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے مقابلہ میں ہمارے جوڑے آدمی بھیج، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے تین عزیزوں کے نام لیے، حمزہ علی اور عبیدہ تمیز، میدان میں آکر اپنے اپنے حرفیوں کے سامنے کھڑے ہوئے، حضرت علیؑ نے اپنے حرفی ولید کو ایک وار میں تر تیج کیا، اس کے بعد چھپٹ کر عبیدہ کی مدد کی اور ان کے حرفی شیبہ کو بھی قتل کیا، اس کے بعد عام مقابلہ شروع ہو گیا، اور مشرکین نے طیش میں آکر عام حملہ کر دیا، یہ دیکھ کر مجاہدین بھی غرہ بکیر کے ساتھ کفار کے نرغہ میں گم ہو گئے، شیر خدا نے بڑھ بڑھ کر صفین کی صفین اٹھ دیں اور ذوالفقار حیدر سنی بجلی کی طرح چمک چمک کر اعدائے اسلام کے خرمن ہستی کو جلادیا، مشرکین کے پاؤں اکٹھے ہو گئے اور مسلمان مظفر و منصور، بشار مال غنیمت اور تقریباً ستر قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آئے، مال غنیمت میں سے آپ کو ایک زرہ، ایک اونٹ اور ایک تلوار ملی تھی۔

حضرت فاطمہؑ سے نکاح | اسی سال یعنی ۳ھ میں حضرت سرور کائناتؐ نے ان کو دامادی کا شرف بخشا یعنی اپنی محبوب ترین صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراؑ سے نکاح کر دیا،

۱۰ دیکھو میرت ابن ہشام غزوہ بدر

حضرت فاطمہؑ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی لیکن آنحضرت صلیم نے کچھ جواب نہیں دیا، جب حضرت علیؓ نے خواہش کی تو آپ نے فرمایا بخارے پاس ہمارا کرنے کے لیے کچھ ہے، بولے ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ گھوڑا تو لڑائی کے لیے ہے البتہ زرہ کو ذیخوت کر ڈالو، غرض حضرت علیؓ نے اُس کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ جا رسوا اسی درہم میں بیچا، اور قیمت لاکر آنحضرت صلیم کے سامنے پیش کی، آنحضرت صلیم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو کی چیزیں خرید لائیں اور خود نکاح پڑھ دیا، اور دونوں میان بیوی پر دھوکا بانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا دے دی۔

رضعتی | نکاح کے تقریباً دس گیارہ ماہ بعد باقاعدہ رضعتی ہوئی، اس وقت تک حضرت علیؓ آنحضرت صلیم کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے جب رضعتی کا وقت آیا تو آنحضرت صلیم نے ان سے فرمایا کہ ایک مکان کرایہ پر لے لو، چنانچہ حارثہ بن النعمان کا مکان ملا اور وہ مکہ اجنت کو رخصت کرا کے اس میں لے آئے۔

جہیز | حضرت علی رضعتی کو سسرال سے یا حضرت سیدہ زہراؓ کو اپنے گھر سے جو سامان ملا وہ یہ تھا، ایک پٹنگ، ایک بستر، ایک چادر دو چلیان اور ایک مشکیزہ عجیب اتفاق ہے کہ یہ تمام چیزیں حضرت فاطمہؑ کی زندگی تک ان کی رفیق رہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اس میں کچھ اضافہ نہ کر سکے۔

دعوتِ ولیمہ | حضرت علیؓ کی زندگی نہایت فقیرانہ و زاہمانہ تھی خود رسول اللہ صلیم کے ساتھ رہتے تھے، ذاتی ملکیت میں صرف ایک اونٹ تھا جسکے ذریعہ سے اذخر ایک قسم کی گھاس،

صفحہ ۳۲۶
موضوع: حضرت علیؓ کی رضعتی

کی تجارت کر کے دعوتِ ولیمہ کے لیے کچھ رقم جمع کرنے کا ارادہ تھا لیکن حضرت حمزہؓ نے حالتِ نشہ میں اس اونٹ کو بھی کبابِ سیخ بنا دیا، اس لیے اب زہد و فقر کے اس بادشاہ کے پاس اُس رقم کے سوا جو زرہ کی قیمت میں سے مہر ادا کرنے کے بعد بچ رہی تھی اور کچھ نہ تھا، چنانچہ اسی سے دعوتِ ولیمہ کا سامان ہوا، دسترخوان پر صرف کھجور، جو کی روٹی، پنیر اور ایک خاص قسم کا شوربا تھا لیکن اس سادگی میں بھی اس زمانہ کے لحاظ سے تکلف تھا، حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اس سے بہتر ولیمہ نہیں ہوا،

غزوہٴ احد | سترہمین احد کا معرکہ پیش آیا، سوالِ ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی اور پہلے مسلمانوں نے باوجود قلتِ تعداد کے غنیمت کو بھگا دیا لیکن عقب کے محافظ تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ مشرکین پھر پیچھے سے یکایک ٹوٹ پڑے اس ناگہانی حملہ سے مسلمانوں کے اوساں جاتے رہے، اسی حالت میں سرورِ کائنات کو زخم لگاؤندانِ مبارک شہید ہوئے اور ایک خندق میں گر پڑے، حضرت مصعب بن عمیرؓ نے کفار کو مرکزِ نبوت تک جانے سے روکا اور لڑتے لڑتے شہید ہوئے، اس کے بعد حمید رِکراڑ نے بڑھ کر علم کو سمجھا لا اور بے جگری کے ساتھ دادِ شجاعت دی، ابو سعد بن ابی طلحہ مشرکین کے علمبردار نے مقابلہ کے لیے للکارا، شیر خدا کو کمان تاب تھی بڑھ کر ایسا ہاتھ مارا کہ فرشِ خاک پر تڑپنے لگا اور بدحواسی کے عالم میں بالکل برہنہ ہو گیا، حضرت علیؓ کو اس کی بے بسی اور بدحواسی پر رحم آگیا اور زندہ چھوڑ کر واپس آئے،

غرض جب مشرکین کا زور کم ہوا تو حضرت علیؓ چند صحابہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ پر

لے اس وقت شرابِ حرام نہیں ہوتی تھی بخاری میں منسل و اقوال مذکور ہے، سترہ زر قافی جلد ۲ صفحہ ۱۷۷

لائے، حضرت فاطمہؑ نے زخم دھویا اور حضرت علیؑ نے ڈھال میں بھر بھر کر اپنی گرایا اس سے خون بند نہ ہوا تو حضرت فاطمہؑ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے زخم کا منہ بند کیا، بنو نضیر غزوہ احد کے بعد سہ ماہ بنو نضیر کو ان کی بد عہدی کے باعث جلا وطن کیا گیا، حضرت علیؑ اس میں بھی پیش پیش تھے علم انہی کے ہاتھ میں تھا،

غزوہ خندق | سہ ماہ میں غزوہ خندق پیش آیا، کفار کبھی کبھی خندق میں گھس گھس کر حملہ کرتے تھے ایک دفعہ سواروں نے حملہ کیا، حضرت علیؑ نے چند جان بازوں کے ساتھ بڑھ کر وکوعہ بن عبدود سواروں کے سردار نے کسی کو تنہا مقابلہ کیسے بلایا، حضرت علیؑ نے بڑھ کر اپنے کو پیش کیا، اُس نے کہا میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا، شیر خدا نے کہا لیکن میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں وہ برہم ہو کر گھوڑے سے کودا اور مقابلہ میں آیا، تھوڑی دیر تک شجاعانہ مقابلہ کے بعد ذوالفقار حیدری نے اس کو دھواں میں جھنم کیا، اس کا مقتول ہونا تھا کہ دوسرے سوار بھاگ کھڑے ہوئے،

کفار بہت دنوں تک خندق کا محاصرہ کیے رہے لیکن بالآخر مسلمانوں کی پابندی اور استقلال کے آگے ان کے پانوں اکھڑ گئے، اس طرح یہ سرکہ بھی مجاہدین کرام کے ہاتھ رہا،

بنو قریظہ | غزوہ خندق سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کی طرف توجہ کی کیونکہ انھوں نے باوجود معاہدہ کے قریش کا ساتھ دیا تھا اور تمام قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھرا کا دیا تھا اس مہم میں بھی علم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد کے مطابق قلعہ یرقینہ کر کے اسکے صحن میں عصر کی نماز ادا کی

نوسد کی سرکوبی | سہ ماہ میں آنحضرت صلم کو معلوم ہوا کہ بنو سعد یہودی خبیث کی اعانت کیلئے مجتمع ہو رہے ہیں اس لیے حضرت علیؑ کو ایک سو کی جمعیت کے ساتھ اس قبیلہ کی سرکوبی پر مامور کیا، انھوں نے ماہ شعبان میں حملہ کر کے بنو سعد کو منتشر کر دیا اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکر لے کر مال غنیمت میں لائے؛

صلح حدیبیہ | اسی سال یعنی سہ ماہ میں رسول اللہ صلم نے تقریباً چودہ ہزار صحابہ کرام کے ساتھ زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا، مقام حدیبیہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ مشرکین کلمہ زحمت کر سکیں گے، حضرت عثمانؓ سفیر بنا کر بھیجے گئے، مشرکین نے ان کو روک رکھا، لیکن یہاں یہ خبر منہور ہوئی کہ وہ شہید کر دیے گئے اس لیے آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کے انتقام پر سب سے بیعت لی، حضرت علیؑ بھی اس بیعت میں شریک تھے، بعد کو جب معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی تو مسلمانوں کا جوش کسی قدر کم ہوا، اور طرفین سے مصالحت پر رضامندی ظاہر کی گئی، حضرت علیؑ کو صلح نامہ لکھنے کا حکم ہوا، انھوں نے حسب دستور ہذا ماقاضی علیہ محمد رسول اللہ کی عبارت سے عندئہ کی ابتدا کی، مشرکین نے ”رسول اللہ“ کے لفظ پر اعتراض کیا کہ اگر ہم کو رسول اللہ ہونا تسلیم ہوتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا، سرور کائناتؐ نے اس لفظ کو مٹا دینے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؑ کی غیرت نے گوارا نہ کیا اور عرض کی خدا کی قسم میں اس کو نہیں مٹا سکتا، غرض آنحضرتؐ نے خود اپنے دست مبارک سے مٹا دیا اس کے بعد سادہ صلح لکھا گیا اور اس سال زیارت کا ارادہ ملتوی کر کے مدینہ واپس تشریف لائے؛

فتح خیبر | سہ ماہ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی، یہاں یہودیوں نے بڑے بڑے مضبوط قلعے بنائے تھے جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا، پہلے حضرت ابو بکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کی تسخیر پر مامور ہوئے

لیکن کامیابی نہ ہوئی، حضرت سرور کائناتؐ نے فرمایا کل ایک ایسے بہادر کو علم و دن گا جو خدا کا اور رسول کا محبوب ہے اور اس کا فتح ہونا اسی کے ہاتھ سے مقدر ہے سمجھ ہوئی تو ہر شخص متنی تھا کہ کاش آج اس فخر و غرور کا تاج اس کے سر پہ ہوتا، لیکن یہ دولت گرا نا یہ حیدر کرار کے لیے مقدر ہو چکی تھی، صبح کو بڑے بڑے جان نثار اپنے نام سننے کے منتظر تھے کہ دفعۃً آپ نے علی کا نام لیا، یہ آواز غیر متوقع تھی کیونکہ مدوح آئندہ جہنم میں مبتلا تھے۔ آنحضرت صلعم نے ان کو بلا کر ان کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا اور نیکایت فوراً جاتی رہ گئی۔

مرحب! اسکے بعد علمِ محنت فرمایا، حضرت علیؑ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا میں لڑکر ان کو مسلمان بنا لوں؟ فرمایا نہیں، بلکہ پہلے اسلام پیش کرو، اور ان کو اسلام کے فرائض سے آگاہ کرو، کیونکہ اگر تمھاری کوششوں سے ایک شخص بھی مسلمان ہو گیا تو وہ تمھارے لیے بڑی سے بڑی نعمت سے بہتر ہے۔

لیکن یہودیوں کی قیمتِ بین اسلام کی عزت کے بجائے شکستِ ذلت اور یوانی لکھی تھی اس لیے انھوں نے آنحضرت صلعم کے اس حکم سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور ان کا معزز سردارِ محرب نہایت جوش و خروش سے یہ جہز پڑھتا ہوا نکلا،

قد علمت حنیس انی محرب شاکي السلاح بطل محرب

خبر مجھ کو جانتا ہے کہ میں محرب ہوں سلاح پوش ہوں بہادر ہوں تجربہ کار ہوں

اذ الحروب اقبلت تلہب

جبکہ لڑائی کی آگ بجڑکتی ہے

فارخ خیر اس لشکر نہ جہز کا جواب دیتے ہوئے بڑھا،

لہ بخاری کتاب المغازی عنہ خیر سے ایضاً

انا الذی سمنی امی حیدرہ کلیت غابات کریمہ المنظر

ادیفہمربا لصاع کلیل السندردہ

اور جھپٹ کر ایک ہی مار میں اس کا کام تمام کر دیا،

اس کے بعد حیدر کرار نے بڑھ کر قلعہ پر حملہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ اسکو سخر کر لیا۔
 مہم مکہ | رمضان ۱۰۲۰ھ میں مکہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں لیکن ابھی مجاہدین روانہ
 بھی نہ ہوئے تھے کہ معلوم ہوا کہ ایک عورت غنیم کو بیان کے تمام حالات سے مطلع کرنے کے
 لیے روانہ ہو گئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ زیر اور قنادر کو اس کی گرفتاری پر مامور کیا
 یہ تینوں نہایت تیز گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور خانہ کے
 باغ میں گرفتار کر کے خطا مانگا پہلے اس عورت نے لاعلمی ظاہر کی، لیکن جب ان لوگوں نے
 جامہ تلاشی کا ارادہ کیا تو اس نے حوالہ کر دیا، اور یہ لوگ خطا لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
 حاضر ہوئے، جب پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ خط مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے شریکین
 مکہ کے نام بھیجا تھا، اور اس میں بعض غفی حالات کی اطلاع تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی
 بلتعہ سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ حضور فر فر دادر داجرم لگانے کے قبل اصل حالات
 سن لیں، واقعہ یہ ہے کہ مجھ کو قریش سے کوئی نسبتی تعلق نہیں ہے، صرف اس کا علیف ہوں اور
 مکہ میں دوسرے مہاجرین کی فراہمیاں ہیں جو فتح مکہ کے وقت ان کے اہل و عیال کی
 حفاظت کرتے، میں نے اس خیال سے کہ اگر کوئی نازک وقت آئے تو میرے بچے بے یار و مددگار
 نہ رہ جائیں یہ خط لکھا تھا، حاشا وکلا اس سے مخبری یا اسلام کے ساتھ دشمنی مقصود نہیں تھی،
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عذر کو قبول فرمایا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ انھوں نے سچ

بیان کیا ہے، لیکن حضرت عمرؓ کی آتش غضب بھوک چکی تھی انھوں نے کہا یا رسول اللہ! جاتے دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں، آپ نے فرمایا کہ یہ بدری ہیں اور تم کو معلوم نہیں کہ بدریوں کے تمام گناہ معاف ہیں۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ رمضان ۳۳ھ کو مدینہ روانہ ہوئے اور ایک مرتبہ پھر اس محبوب سرزمین میں دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ داخل ہوئے، ایک علم حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا اور وہ جوش کی حالت میں یہ رجز پڑھتے جاتے تھے:

انيس م يوم الملمحة اليوم تسفل الكعبه
 یعنی آج شدید جنگ کا دن ہے آج حرم میں خونریزی جا رہی ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا نہیں آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور حضرت علیؓ کو حکم دیا

کہ سعد بن عبادہؓ سے علم لیکر فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوں چنانچہ وہ کدرا کی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے اور مکہ بلا کسی خونریزی کے تسخیر ہو گیا، اور وہ وقت آگیا کہ خلیس بہت شکن کی یادگار (خانہ کعبہ) کو بتوں کی آلائشوں سے پاک کیا جائے جسکے گرد تین سو ساٹھ نبی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اس فریضہ کو ادا کیا اور خانہ کعبہ کے گرد جب قدر بت تھے سب کو لکڑی سے ٹھکراتے جاتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے جاتے:

ان الباطل کان زهوقاً، پھر خانہ کعبہ کے اندر سے حضرت ابراہیمؑ و اسمعیلؑ کی مورتوں کو الگ کر دیا اور تطہیر کعبہ کے بعد اندر داخل ہوئے، لیکن چونکہ وحدت کدہ کا گوشہ گوشہ بتوں کی مورتوں سے اٹا ہوا تھا، اس لیے اُس کے اہتمام کے باوجود تانبے کا سب سے بڑا بت باقی رہ گیا، یہ لوہے کی سلاخ میں پیوست کیا ہوا زمین پر نصب تھا، اس لیے بہت بلندی پر تھا، پہلے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے کندھوں پر چڑھ کر اُس کے گرانے کی کوشش کی لیکن وہ ہم ٹکا

لے بخاری کتاب المغازی باب غزوہ فحسہ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ فحسہ ایضاً

بار برداشت نہ کر سکے، اس لیے حضور پُر نورؐ نے ان کو شانہ اقدس پر چڑھا کر اُس کے گرائے حکم دیا، اور انھوں نے سلاح سے اکھاڑ کر حسب ارشاد بنوی پاش پاش کر ڈالا اور اس طریقہ پر خانہ کعبہ کی تطہیر کامل ہو گئی۔

ایک غلطی کی تلافی | فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بنو جذیمہ میں تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا، انھوں نے توحید کی دعوت دی تو وہ اپنی بدویت اور جہالت کے باعث "اسلنا" کا لفظ اچھی طرح ادا نہ کر سکے اور صبا، نا، صبا، نا، کہنے لگے حضرت خالدؓ نے غضبناک ہو کر سب کو قید کر لیا اور بہتوں کو قتل کر ڈالا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو نہایت متاثر ہوئے اور حضرت علیؓ کو اس غلطی کی تلافی کے لیے روانہ فرمایا، انھوں نے پہنچ کر تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا اور متقولین کے معاذ و ضہہ میں خونہا دیا،

غزوہ حنین | فتح مکہ سے فرصت ہوئی تو اسی سال غزوہ حنین کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا، پہلے مسلمانوں کی فتح ہوئی، لیکن جب مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوئے تو شکستِ غزوہ غنیم نے غافل دیکھ کر پھیرا جانک حملہ کر دیا، مجاہدین اس ناگہانی مصیبت سے ایسے پریشان ہوئے کہ بارہ ہزار نفوس میں سے صرف چند ثابت قدم رہ سکے، حضرت علیؓ اس جنگ میں نہ صرف پامردی اور استقلال کے ساتھ قائم رہے بلکہ انھوں نے اپنی غیر معمولی شجاعت سے لڑائی کو سنبھال لیا اور غنیم کے امیر عسکر پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا، دوسری طرف جو مجاہدین ثابت قدم رہ گئے تھے وہ اس بے جگری کے ساتھ لڑے کہ ابتری اور پریشانی کے

سلہ عالم نے متدرک میں اس واقعہ کو تفصیل نقل کیا، لیکن فتح مکہ کے بجائے شبِ ہجرت کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن اسکے علاوہ دوسرے محدثین اور اربابِ سیر نے فتح مکہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح اور قرینِ عقل ہے، ہجرت کی ایسی ناگزیر بات ہے جبکہ جانِ ظہر میں تھی ایسے بڑے اور خطرناک کام کا انجام دینا بعید از قیاس ہے، دوسرے مکہ کی زندگی میں بت شکنی کا کوئی واقعہ نہیں ہوا، اس لیے فہم الباری ج ۶ ص ۴۶،

باوجود دشمن کو شکست دیدی،

اہلبیت کی حفاظت | سلسلہ ہجری میں آنحضرتؐ نے تبوک کا قصد کیا اور حضرت علیؑ کو اہلبیت کی حفاظت کیلئے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا، شیر خدا کو شرکتِ جہاد سے محرومی کا غم تو تھا ہی ابہر منافقین کی طعنہ زنی نے اور بھی بد دل کر دیا، سرورِ کائنات کو ان کی افسردگی کا حال معلوم ہوا تو ان کا غم غلط کرنے کے لیے فرمایا علیؑ! کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ میرے نزدیک تھا راوہ ربتہ ہو جو ہارون کا موسیٰ کے نزدیک تھا،

تبلیغِ قرآن | غزوہ تبوک سے دایہی کے بعد اسی سال آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ایسے سچ بنا کر مکہ کی طرف روانہ فرمایا اسی اثنا میں سورہ برأت نازل ہوئی، لوگوں نے کہا کہ اگر یہ سورہ ابو بکر کے ساتھ حج کے موقع پر لوگوں کو سنانے کے لیے بھیج دی جاتی تو اچھا ہوتا سرورِ کائنات نے فرمایا کہ میری طرف سے صرف میرے خاندان کا آدمی اس کی تبلیغ کر سکتا ہے چنانچہ حضرت علیؑ اکرم اللہ وجہہ کو بلا کر حکم دیا کہ اس سورہ کو مکہ لیجا کر سنائیں، اور عام اعلان کر دیں کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہوگا، نہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرے نہ کوئی شخص برہنہ خانہ کعبہ کا طواف کرے اور جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی عہد ہے وہ مدتِ معینہ تک باقی رہیگا،

ہم میں اور | اس مهم پر پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ نامور ہوئے لیکن چھ مہینے کی مسلسل جدوجہد کے شاعستہ اسلام | باوجود اشاعتِ اسلام میں کامیاب نہ ہو سکے، اس لیے رمضان سلسلہ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو بلا کر یمن جانے کا حکم دیا، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ایک ایسی قوم میں بھیجا جاتا ہوں جس میں مجھ سے زیادہ عمر اور تجربہ کار لوگ موجود ہیں ان لوگوں کے

۱۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۶۶۷ و مستدرک حاکم ج ۲ صفحہ ۱۰۹ ۲۔ بخاری کتاب المناقب مناقب علیؑ

جھڑون کا فیصل کرنا میرے لیے نہایت دشوار کام ہو گا، سرورِ کائناتؐ نے ان کے سینہ پر دستِ مبارک رکھ کر دعا فرمائی اے خدا! اس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہمت کے نور سے نور کر اس کے بعد خود اپنے دستِ اقدس سے اُن کے فرقِ مبارک پر عامہ باندھا اور سیاہ و یکہین کی طرف روانہ فرمایاؑ

حضرت علیؑ کا مین پونچھا تھا کہ ایک انقلابِ عظیم برپا ہو گیا، جو لوگ حضرت خالدؓ کی تشبیہ و سی و کوشش سے بھی اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھتے وہ حضرت علیؑ کی طرف سے صرف جندو تعلیم و تلقین سے اسلام کے شیعہ الی ہو گئے اور قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیاؑ

حجۃ الوداع بینِ شرک | اسی سال یعنی ۳۵ھ میں آنحضرتؐ نے آخری حج کیا، حضرت علیؑ بھی مین سے آکر شریک ہوئے،

صدرِ جانکاہ | حج کے دس دن کے ابتدائے ماہ ربیع الاول ۳۵ھ میں آنحضرتؐ صلعم بجاہِ حرمِ اشرفِ عیالیت میں حضرت علیؑ کی نمایندگی تہذیبی اور جانفشانی کے ساتھ تہذیبی اور زکاۃ کی کا فرض انجام دیتے رہے ایک روز باہر آئے تو لوگوں نے پوچھا کباب حنظل اور کافران کیسے؟ حضرت علیؑ نے اطمینان بجاہر کیا، حضرت عباسؑ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا خدا کی قسم میں موت کے وقت خاندانِ عبدالمطلب کے چہرے پہچانتا ہوں! اوچلو رسول اللہؐ سے عرض کریں کہ ہمارے لیے خلافت کی وصیت کجا میں؟ حضرت علیؑ نے کہا میں نہیں عرض کروں گا اگر خدا کی قسم آنحضرتؐ صلعم نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی امید باقی نہیں رہی گئی۔

غرض دس روز کی مختصر عیالیت کے بعد ۱۲ ربیع الاول دو شنبہ کے دن دوپہر کے وقت سرورِ دو عالمؐ نے جان نثار دن کو اپنی مفارقت کا داغ دیا، حضرت علیؑ پر اس

سے زرقانی ۱۳۲۲ھ فتح البہاری ۱۵۲۸ھ ہجری بخاری باب مرض النبی صلعم

مادۃً اِجَانِکَہ کا جو اثر ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس وقت سیفۃ بنو ساعدہ کی مجلس حل و عقد خلافت و حکومت کا فیصلہ کر رہی تھی اس وقت بھی یہ عمر وہ اپنے محبوب آقا کی عوامی میں مصروف تھا،

حضرت علیؓ چونکہ رسالت مصلیٰ کے عزیز قریب اور خاندان کے رکن رکین تھے، ایسے غسل اور تجہیز و تکفین کے تمام مراسم انھیں کے ہاتھ سے انجام پائے، انصار اور مہاجرین دروازہ کے باہر کھڑے تھے، ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاری کو بھی اس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا،

خلیفۃ اول کی بیعت | سیفۃ بنو ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت پر اتفاق کیا
توقف کی وجہ | اور تقریباً تمام اہل مدینہ نے بیعت کی، البتہ صحیح روایات کے مطابق صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چھ مہینے تک دیر کی اور لوگوں نے اس توقف کیلئے عجیب و غریب وجوہ اختراع کر لیے ہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی سوگوار زندگی نے اُن کو بالکل غائب بنادیا تھا اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے وہ صرف ان کی تسلی و دلہی اور قرآن شریف کے جمع کرنے میں مصروف تھے، جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا، اس وقت انھوں نے خود حضرت ابو بکرؓ سے اُن کے فضل کا اعتراف کیا اور بیعت کر لی،

سودا و برس کی خلافت کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے وفات پائی اور حضرت عمرؓ سدا آرائے خلافت ہوئے، حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؓ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے، اور حضرت علیؓ بھی نہایت دوستانہ اور غلصانہ مشورہ دیتے تھے، نہادہ کے معرکہ میں اُن کو سپہ سالار بھی بنانا چاہا تھا، لیکن انھوں نے منظور نہیں کیا، بیت س

تو کاروبار خلافت انھیں کے ہاتھ میں دیکر گئے، اتحاد و یکجہانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ باہم شریعت کا قائم ہو گیا، یعنی حضرت علیؑ کی کس صابزاوی حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں

فاروق اعظمؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتنہ فوسا و شروع ہوا اور حضرت

علیؑ نے اس کے رفع کرنے کے لیے اُن کو نہایت مخلصانہ مشورہ دیے، ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے اُن سے پوچھا کہ ملک میں موجودہ شورش و ہنگامہ کی حقیقی وجہ کیا ہے؟ اور اُس کے رفع کرنے کی کیا صورت ہے؟ انھوں نے نہایت خلوص اور آزادی سے ظاہر کر دیا کہ موجودہ بے چینی تمام تر آپ کے عمال کی بے اعتدالیوں کا نتیجہ ہے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے عمال کے انتخاب میں انھیں صفات کو ملحوظ رکھا ہے جو فاروق اعظمؓ کے پیش نظر تھے، پھر ان سے عام بیزاری کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی؟ جناب علیؑ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں! یہ صحیح ہے، لیکن عمرؓ نے سب کی تکمیل اپنے ہاتھ میں رکھی تھی اور گرفت اسی سخت تھی کہ عوب کا سرکش سے سرکش اونٹ بھی بلبل اٹھا، برخلاف اُس کے آپ ضرورت سے زیادہ نرم دل ہیں آپ کے عمال اس نرمی سے فائدہ اٹھا کر من مانی کارروائیاں کرتے ہیں اور آپ کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی رعایا سمجھتی ہے کہ عمال جو کچھ کرتے ہیں وہ سب دربار خلافت کے احکام کی تعمیل ہے، اس طرح تمام بے اعتدالیوں کا ہر آپ کو بننا پڑتا ہے

سب سے آخرین مصری وفد کا معاملہ پیش آیا، حضرت عثمانؓ نے اُن سے اصرار کیا کہ اپنی وساطت سے اس جھگڑے کا تصفیہ کرا دیں اور انقلاب پسند جماعت کو راضی کر کے واپس کر دیں، پہلے تو انھوں نے انکار کیا، لیکن پھر معاملہ کی اہمیت اور حضرت عثمانؓ کے اصرار سے مجبور ہو کر وساطت قبول کی اور اصلاحات کا وعدہ لیکر انقلاب پسندوں کو اپنی

ذمہ داری پر واپس کیا، مصری وفد کے ارکان بھی راہ ہی میں تھے کہ ان کو سرکاری قاصد کی تلاشی سے ایک فرمان ہاتھ آیا حسین حاکم مصر کو ہدایت کی گئی تھی کہ اس وفد کے تمام شرکا کو تیرتھج کر دیا جائے، مصری اس غدار سے غضبناک ہو کر پھر مدینہ واپس آئے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ لی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ایک طرف تو آپ نے ہم کو اصلاحات کا اطمینان دلا کر واپس کیا اور دوسری طرف سے دربار خلافت کا یہ عذارانہ فرمان جاری ہوا، حضرت علیؑ نے فرمان دیکھا تو سخت متعجب ہوئے، اور حضرت عثمانؓ کے پاس آکر اس کی حقیقت دریافت کی، انھوں نے اس فرمان کے متعلق حیرت کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کی، حضرت علیؑ نے کہا: مجھے بھی آپ سے ایسی توقع نہیں ہو سکتی، لیکن اب میں آئندہ کسی معاملہ میں مداخلت نہیں کروں گا، چنانچہ وہ اس کے بعد بالکل عزلت نشین ہو گئے،

مصریوں نے جو شش انتقام میں نہایت سختی کے ساتھ کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا اور آخر میں یہاں تک شدت اختیار کی کہ آب و دانہ سے بھی محروم کر دیا، حضرت علیؑ کو معلوم ہوا تو عزلت گزینی اور خلوت نشینی کے باوجود محاصرہ کرنے والوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے جس قسم کا محاصرہ قائم کیا ہے وہ نہ صرف اسلام بلکہ انسانیت کے بھی خلاف ہے، کفار بھی مسلمانوں کو قید کر لیتے ہیں تو آب و دانہ سے محروم نہیں کرتے، اس شخص نے تمہارا کیا نقصان کیا ہے جو ایسی سختی روا رکھتے ہو؟ محاصرہ میں نے حضرت علیؑ کی سفارش کی کچھ پردانہ کی اور محاصرہ میں سہولت پیدا کرنے سے قطعی انکار کر دیا، حضرت علیؑ کو ناگوار تو ہوا لیکن کیا کرتے غصہ میں اپنا عمامہ پھینک کر واپس چلے آئے،

عاصرہ اگرچہ نہایت سخت تھا تاہم حضرت علیؓ کو اس کا وہم بھی نہ تھا، کہ یہ معاملہ اس قدر طول کھینچے گا، کہ شہادت تک نوبت پہنچے گی، وہ سمجھ کہ جس طرح اس عہد میں حقوق طلبی کے متواثر مظاہر ہوتے رہے ہیں یہ بھی اسی قسم کا ایک سخت مظاہرہ ہے تاہم اپنے دونوں صاحبزادوں کو احتیاطاً حفاظت کے لیے بھیج دیا، جنھوں نے نہایت ہی اور جانفشانی کے ساتھ مدافعت کی، یہاں تک کہ اسی کشمکش میں زخمی ہوئے لیکن کثیر التعداد مفیدیہ کار و کنا آسان نہ تھا وہ دوسری طرف سے دیوار پر چڑھ کر اندر گھس آئے اور خلیفہ وقت کو شہید کر ڈالا، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو اس سانحہ جانکاہ پر حد درجہ متاسف ہوئے اور جو لوگ محافطت پر مامور تھے ان پر سخت خفگی ظاہر کی، حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو کھانچہ مارا محمد بن طلحہؓ اور عبد اللہ بن زبیرؓ کو بڑا بھلا کہا، کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کس طرح پیش آیا،

بیعت خلافت | حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک سب خلافت خالی رہی اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علیؓ کو کرم اللہ وجہہ سے اس منصب کے قبول کرنے کے لیے سخت اصرار کیا، جنھوں نے پہلے اس بارگراں کے اٹھنے سے انکار کر دیا، لیکن آخرین مہاجرین و انصار کے اصرار سے مجبور ہو کر اس با عظمت کو اٹھانا پڑا، غرض واقعہ شہادت کے تیسرے دن ۲۱ رذی الحجہ، دو شنبہ کے دن مسجد نبویؐ میں جناب مرتضیٰؑ کے دست اقدس پر بیعت ہوئی، مسند نشین خلافت ہونے کے بعد سب سے پہلا کام حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اور ان کو سزا دینا تھا، لیکن وقت یہ تھی کہ شہادت کے وقت صرف ان کی بیوی ناکملہ بنت الحزافہؓ موجود تھیں اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں بتا سکیں کہ محمد بن ابی بکرؓ اور

ساتھ جنکو وہ پہلے سے پہچانتی نہیں تھیں اندر آئے، حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کو پکڑا تو اُنھوں نے قسم کھا کر اپنی بریت ظاہر کی کہ وہ قتل کے ارادہ سے ضرور داخل ہوئے تھے لیکن حضرت عثمانؓ کے ایک جملہ سے محبوب ہو کر پیچھے ہٹ آئے، البتہ ان دونوں نابجاؤں نے بڑھ کر حملہ کیا جن کو وہ بھی نہیں جانتے کہ کون تھے؟ حضرت نائلہؓ نے بھی اس بیان کی تصدیق کی کہ محمد بن ابی بکرؓ شریک قتل نہ تھے، غرض تحقیق و تفتیش کے باوجود قاتلون کا پتہ نہ چلا، تاریخ کی کتابوں میں قاتلون کے مختلف نام مذکور ہیں، لیکن وہ عدالت میں شہادت کی قانونی حیثیت سے ثابت نہیں کیے جاسکتے تھے،

مقدمہ قتل سے فارغ ہونے کے بعد ملکی نظم و نسق کی طرف متوجہ ہوئے اور تمام عمال عثمانی کی معزولی کا فرمان جاری کر کے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا عامل مقرر کیا، عمارہ بن حسان کو کوفہ کی حکومت سپرد کی،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یمن کی ولایت پر مامور کیا، اور سہل کو حکومت شام کا فرمان دیکر روانہ کیا، سہل تبوک کے قریب پہنچے تو امیر معاویہ کے سواروں نے اُن کو مدینہ واپس جانے پر مجبور کیا، چنانچہ یہ پہلا واقعہ تھا جس سے حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا کہ اُن کی خلافت جھگڑاؤں سے پاک نہیں ہے،

حضرت علیؓ نے امیر معاویہ کو لکھا کہ ہمارے درمیان اتفاق عام کے ساتھ میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس لیے یا تو میری اطاعت کرو، یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، امیر معاویہ نے اپنے خاص قاصد کی معرفت جواب بھیجا اور خط میں صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد مکتوب الیہ کا اور اپنا نام لکھا، لیکن قاصد نہایت طرار اور زبان آور تھا اس نے کھڑے ہو کر کہا صاحبو! میں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس حال میں بھوڑا ہے کہ

عثمان کی خون آلود قمیص پر ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں اور انھوں نے عہد کر لیا ہے کہ جب تک اس خون ناحق کا قصاص نہیں لیا جائیگا اس وقت تک ان کی تلواریں بے نیام رہیں گی۔ قاصد نے اپنی تقریر ختم کی تو خالد بن زفر عصبی نے کھڑے ہو کر کہا ”متھارا برا ہو! کیا تم مہاجرین و انصار کو شامیوں سے ڈراتے ہو؟ خدا کی قسم نہ تو قمیص عثمان قمیص یوسف ہے، اور نہ معاویہ کو یعقوب کی طرح غم ہے، اگر شام میں اس کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے تو تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اہل عراق اس کی کچھ پروا نہیں کرتے۔“

حضرت عائشہؓ کی خاص پبادگی | امیر معاویہ کے مناقشات کا ابھی کچھ فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ ایک دوسرا قضیہ ماضیہ پیدا ہو گیا، یعنی حضرت عائشہؓ مکہ سے مدینہ واپس ہو رہی تھیں، راستہ میں ان کے ایک عزیز نے ان سے حالات دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ عثمانؓ شہید کر دیے گئے اور علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے، لیکن ہنوز فتنہ کی گرم بازاری ہے، یہ خبر سن کر پھر مکہ واپس ہو گئیں۔ لوگوں نے داپہی کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ عثمانؓ مظلوم شہید کر دیے گئے، اور فتنہ دہتا ہوا نظر نہیں آتا، اس لیے تم لوگ خلیفہ مظلوم کا خون رائیگانہ نہ جلنے دو، اور قاتلون سے قصاص لے کر اسلام کی عزت بچاؤ، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں فتنہ و فساد کے آثار دیکھ کر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی حضرت علیؓ سے اجازت لیکر مکہ چلے گئے تھے حضرت عائشہؓ نے ان سے بھی وہاں کے حالات دریافت کیے، انھوں نے وہاں کے شور و غوغا کی داستان سنائی، اس سے حضرت عائشہؓ کے ارادوں میں اور تقویت ہو گئی، اور خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت شروع کر دی۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعات کی ترتیب اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے بعض سیاسی

شامح نے عام طور پر ملک میں بدظنی پیدا کر دی تھی، حضرت عثمانؓ کے قاتلون کا پست نہ چلنا، اُن کے اعدا کو اپنا معاون و انصار بنانا اور سندِ خلافت پر شکن ہونے کے ساتھ تمام عمال و حکام کو برطرف کر دینا لوگوں کے بطن کر دینے کے لیے نہایت کافی تھا، چنانچہ انھیں بدگمانیوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کو بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص پر آمادہ کر دیا۔ قصاص کی تیاریاں شروع ہوئیں، عبدالمدین عامر، حضرمی دالی، مکہ، مروان بن حکم، سعید بن العاصؓ اور دوسرے جو امیہ نے جو مدینہ سے مغرور ہو کر مکہ میں پناہ گزین تھے نہایت جوش کے ساتھ اس تحریک کو بھیلایا اور ایک معتد بہ جمعیت فراہم کر کے اس خیال سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئے کہ پہلے بیت المال پر قبضہ کر کے مالی مشکلات میں سہولت پیدا کریں، پھر بصرہ کو فتح اور عراق کی دوسری نوآبادیوں میں اس تحریک کی اشاعت کر کے لوگوں کو اپنا ہم آہنگ بنائیں۔

سفرِ عراق | حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو مکہ کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو اس خیال سے عراق کا قصد کیا کہ وہاں مخالفین سے پہلے پہونچ کر بیت المال کی حفاظت کا انتظام کریں اور اہل عراق کو وفاداری کا سبق دیں، انصارِ کرام کو اس ارادہ کی خبر ہوئی تو وہ بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور حضرت عقیقہ بن عامر نے جو بڑے پایہ کے صحابی اور غزوہ بدر میں سرورِ کائناتِ مسلم کے ہر کا ب تھے، اس جماعت کی طرف سے قائم مقام ہو کر گزارش کی کہ دار الخلافہ چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے، مگر فاروقؓ کے عہد میں بڑی بڑی جنگیں پیش آئیں لیکن انھوں نے کبھی مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا اگر اس وقت خالدؓ ابو عبیدہؓ سعدؓ و قاصدؓ اور ابو موسیٰؓ اشعریؓ نے شام، ایران کو تہ دہلا کر دیا تھا، تو اس وقت بھی ایسے جان بازوں کی کمی نہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا: ہاں یہ صحیح ہے لیکن عراق پر منافقین کے تسلط سے

نہایت دشواری پیش آئے گی، وہ اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی فوایدی ہے، وہاں کے بیت المال بھی مال و در سے بڑھیں اس لیے میرا وہاں موجود رہنا نہایت ضروری ہے، غرض مدینہ میں عام منادی ہوئی کہ لوگ سفر عراق کے لیے تیار ہو جائیں اور چند عمامہ صفا کے سوا تقریباً تمام اہل مدینہ ہر کا بھوئے، جب یہ عظیم الشان جمعیت مقام ذی قارین پہنچی تو معلوم ہوا کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ سبقت کر کے بصرہ پہنچ گئے ہیں اور نبو سعد کے علاوہ تقریباً تمام بصرہ والوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے،

حضرت امام حسنؓ کا سفر کوہ | حضرت علیؓ نے ذی قارین قیام کر کے حضرت امام حسنؓ کو حضرت

عمار بن یاسرؓ کے ساتھ کوہ روانہ کیا کہ لوگوں کو مرکز خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں حضرت امام حسنؓ جس وقت کوہ پہنچے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ڈالی کوہ مسجد میں ایک عظیم الشان جمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ سرور کائنات صلعم نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب

سرپ ہے اس لیے ہتھیار بیکار کرو اور بالکل عزلت نشین ہو جاؤ، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ فتنہ و فساد کے وقت سونے والا، بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے، اس

اثنا رہیں حضرت امام حسنؓ مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے کہا ”قم“

ابھی ہماری مسجد سے نکلؤ اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ“ اس کے بعد منبر پر کھڑے

ہو کر لوگوں کو امیر المومنین کی مسعدت پر آمادہ کیا، حجر بن عدیؓ کندی جو کوہ کے نہایت مغرور

اور ذی اثر بزرگ تھے، حضرت امام حسنؓ کی تائید کی اور کہا صاحبو! امیر المومنین نے

خود اپنے صاحبزادہ کو بھیج کر تعین دعوت دی ہے، اس دعوت کو قبول کرو، اور علم حیدر کی

نیچے جمیع ہو کر فتنہ، فساد کی آگ سرد کرو زمین خود سب سے پہلے چلنے کو تیار ہوں، غرض حضرت

امام حسنؓ اور حجر بن عدیؓ کی تقریروں نے لوگوں کے دل ہلا دیے، ہر طرف سے امیر المومنین

کی اطاعت و فرمان برداری کی صدائیں بلند ہوئیں اور دوسرے روز صبح کے وقت تقریباً ساٹھ نو ہزار جان بازوں کی ایک فوج مسلح ہو کر حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوئی اور مقام ذی قارین امیر المومنین کی فوج سے مل گئی، جناب امیر نے اپنی کل فوج کونٹے سرے سے ترتیب دیکر بصرہ کا رخ کیا، اس وقت بصرہ کا یہ حال تھا کہ وہ تین گروہوں میں منقسم تھا، ایک خاموش و ناظر ذرا جماعت، دوسرا حضرت علیؑ کا طغدار، اور تیسرا حضرت عایشہؑ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ کا حامی، درمیانی گروہ مصالحت کے لیے سخت کوششیں اور جہد و جہد کر رہا تھا، ہر فریق میں سے نیک نیت لوگ اس کی تائید میں تھے، حضرت علیؑ اور حضرت عائشہؑ دونوں جانتے تھے کہ جنگ، تک نوبت آنے سے پہلے اختلافات دور ہو جائیں، صلح کی گفتگو ترقی پر تھی اور فریقین جنگ کے تمام احتمالات دلوں سے دور کر چکے تھے، رات کے سناٹے میں ہر فریق آرام کی نیند سو رہا تھا، دونوں فریقوں میں کچھ ایسے عناصر شامل تھے جن کے نزدیک یہ مصالحت ان کے حق میں سہم قاتل تھی، حضرت علیؑ کی فوج میں سبائی، انجن کے ارکان اور حضرت عثمانؓ کے قاتلون کا گروہ شامل تھا، اور حضرت عائشہؑ کی طرف کچھ اموی تھے، حضرت عثمانؓ کے قاتل اور سبائی یہ سمجھے کہ اگر یہ مصالحت کامیاب ہو گئی تو ان کی خیر نہیں، اس لیے انھوں نے رات کی تاریکی میں حضرت عائشہؑ کی فوج پر پتھری مارا، گھبراہٹ میں فریقین نے یہ سمجھا کہ دوسرے فریق نے دھوکا دیا، اور ایک دوسرے پر حملہ شروع کر دیا، حضرت عائشہؑ اور انٹ پر آہنی ہودہ رکھو اگر اس لیے سوار ہوئیں کہ وہ اپنی فوج کو اس حملہ سے روک سکیں، حضرت علیؑ نے بھی اپنے سپاہیوں کو روکا مگر جو فتنہ پھیل چکا تھا وہ کب روک سکتا تھا، ام المومنین حضرت عائشہؑ بھی وجہ سے ان کی فوج میں غیر معمولی جوش و خروش تھا، قلب فوج میں ان کا ہودہ تھا۔ محمد بن طلحہؓ سواروں کے افسر تھے، عبداللہ بن زبیرؓ پیادہ فوج کی سربراہی پر مامور تھے۔

اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کی نگرانی کر رہے تھے،

جنگ چل | اس جوش و خروش اور غرہ جنگ کی جاہلی کے ساتھ دونوں طرف کے سربراہوں

اپنی اپنی حالت پر غور کر رہے تھے، اسی اثنا میں حضرت علیؓ گھوڑا بڑھا کر بیچ میدان میں آئے،

اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر کہا ”ابو عبد اللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا

تھا کہ کیا تم علیؓ کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے عرض کی تھی ہاں! یا رسول اللہ! یاد کرو اس وقت

تم سے حضور انورؐ نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے“ حضرت زبیرؓ نے جواب دیا

”ہاں! اب مجھے بھی یاد آیا“

حضرت زبیرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشین گوئی یاد آئی تو انھوں نے اپنی غلطی محسوس

کر کے عہد کر لیا کہ اب لڑائی میں حصہ نہ لیں گے اور اپنے صاحبزادہ عبداللہؓ سے فرمایا جان بڑ

علیؓ نے ایسی بات یاد دلانی کہ جنگ کا تمام جوش فرو ہو گیا، بیشک ہم حق پر نہیں ہیں، میں

اب جنگ سے منھ موڑتا ہوں اور تم بھی میرا ساتھ دو، حضرت عبداللہؓ نے اسکا کیا تو وہ تنہا

بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ وہاں سے اسباب و سامان لیکر کسی طرف نکل جائیں حضرت

طلحہؓ نے حضرت زبیرؓ کو جاتے دیکھا تو ان کا ارادہ بھی منزلزل ہوا، مروان بن حکم کو معلوم ہوا کہ

یہ بھی جانا چاہتے ہیں تو اس نے ایک ایسا تانک کر تیر مارا جو گھٹنے میں حملا زو ہو گیا، تیر زہر میں

بجھا تھا جس نے ان کا کام کر دیا، غرض میدان جنگ میں صرف ام المومنین حضرت عائشہؓ

اور ان کے جان نثار فرزند رہ گئے، جنگ کی ابتدا ہو چکی تھی، دیر تک گھسان کی لڑائی ہوتی

رہی، ام المومنین زہر پوش ہودج میں بیٹھی تھیں، اب حالت یہ تھی کہ سبائی ان کو قصداً

گرفتار کرنا چاہتے تھے، اور گستاخی کے ساتھ پیش آنا چاہتے تھے، اور حضرت عائشہؓ کے وفادار

بیٹوں میں بنو ضبہ اس اونٹ کی حفاظت میں اپنی لاشوں پر لاشیں گرا رہے تھے، کبیر بن اہل

حضرت زبیرؓ کی مشین گوئی یاد آئی تو انھوں نے اپنی غلطی محسوس کر کے عہد کر لیا کہ اب لڑائی میں حصہ نہ لیں گے اور اپنے صاحبزادہ عبداللہؓ سے فرمایا جان بڑ

ازداد بنو ضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لیکر اس جوش، ثبات اور وارفتگی کے ساتھ لڑے کہ
 کہ خود حیدر کرار کو حیرت تھی عبداللہ بن زبیر اونٹ کی نکیل پکڑے تھے وہ زخمی ہو کر
 گرے تو دوسرے نے بڑھ کر پکڑ لی وہ مارا گیا تو تیسرے نے بڑھ کر اس کی جگہ لی غرض
 باری باری ستر آدمیوں نے اسی طرح حیرت انگیز جان بازی کے ساتھ اپنے کو قربان کر دیا،
 لیکن پھر بھی ہمت و استقلال میں فرق نہ آیا، بصرہ کا شہسوار عمرو بن بکر اس جوش سے
 لڑ رہا تھا کہ حضرت علیؓ کی فوج کا جو شخص اس کے سامنے پہنچ جاتا تھا، مارا جاتا تھا، وہ
 اس وقت وارفتگی کے ساتھ یہ رجز پڑھ رہا تھا،

یا امنا یا خیر ام نعلم واکام تغذ وولد ہاوترحمہ

اے ہماری بہترین ماں، اور ان بچوں کو کھلاتی ہے اور ان پر رحم کرتی ہے،

الاسترین کھرجوا دتکلم و تخنتلی ہا ممتہ دالمعصر

کیا تو نہیں کہتی کہ کتنے گھوڑے زخمی کیے جاتے ہیں اور سکی گھوڑی اور کلائی کاٹی جاتی ہے،

آخر کار حضرت علیؓ کی طرف سے مشہور شہسوار حارث بن زبیر ازادی نے بڑھ کر اس کا مقابلہ
 کیا اور تھوڑی دیر تک تیغ و سنان کے رد و بدل کے بعد دونوں ایک دوسرے
 کے وار سے کٹ کر ڈھیر ہو گئے،

اونٹ کے سامنے بنو ضبہ حیرت انگیز شجاعت و ثبات کے ساتھ مددکنندہ بنکر
 دشمنوں کو روکے کھڑے تھے اور جب تک ایک شخص بھی زندہ رہا اُس نے پشت نہیں
 پھیری، اس وقت یہ رجز ان کی زبان پر تھا،

سہ طبری صفحہ ۳۱۸۶ دسند رک حاکم ج ۳ صفحہ ۳۶۶،

سہ طبری صفحہ ۳۲۰،

الموت احملى عندنا من العسل نحن بنو ضبته اصحاب الجمل
 موت ہمارے نزدیک شہدے زیادہ شیریں ہے ہم ضبہ کی اولاد، اونٹ کے محافظ ہیں
 نحن بنو الموت اذ الموت منزل معنى ابن عفان باطلات الامسل
 ہم موت کے بیٹے ہیں، جب موت اترے ہم عفان بن ابی ہاشم کی خبر نوزوں کی ہوتی ہے پھیلاؤ گین،

ردّوا علينا شتمنا شتم مجبل

ہمارے رطار کو ہم کو دوس کر دو پھر کچھ نہیں،

حضرت علیؑ نے دیکھا کہ جب تک یہ اونٹ بٹھا یا نہ جائیگا، مسلمانوں کی ناحق خونریزی مرک نہیں سکتی، اس لیے آپ کے اشارہ سے ایک شخص نے پیچھے سے جا کر اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری، اونٹ بلبل کر بیٹھ گیا، حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر جو حضرت علیؑ کے ساتھ تھے، جناب امیرؑ نے ان کو حکم دیا کہ اپنی ہمیشہ محترمہ کی خبر گیری کریں اور عام منادی کر دی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں، انصاف نہ لوٹا جائے، جو ہتھیار ڈال دے وہ مامون ہے، پھر خود ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ کے پاس حاضر ہو کر مزاج پُرسی کی اور بعمرہ میں چند دنوں تک آرام و آسائش کا موقع دینے کے بعد محمد بن ابی بکرؓ کے ہمراہ عورت و احترام کے ساتھ مدینہ منجیدہ، بصرہ کی چالیس شریف و معزز خواتین جلوس میں یمن، یمن، حضرت علیؑ انصاف کرنے کے لیے چند سیل تک خود ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں کو مشایعت کے لیے بھیجا، حضرت عائشہؓ نے خدمت ہونے وقت لوگوں سے فرمایا کہ میرے بچہ! ہماری باہمی کشمکش محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی، درنہجہ سے علیؑ پہلے کوئی جھگڑا نہ تھا، حضرت علیؑ نے موزوں الفاظ میں تصدیق کی اور فرمایا کہ یہ آنحضرتؐ کی عرم محترمہ اور ہماری مان ہیں، ان کی تعظیم و توقیر ضروری ہے، غرض پہلی رجب ۳۱ مجری

سینگر کے روزِ مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں

بصرہ میں چند روزہ قیام کے بعد حضرت علیؑ نے کوفہ کا عزم کیا اور ۲۱ رجب ۳۱ھ دو شنبہ کے روز داخلِ شہر ہوئے، اہل کوفہ نے قصرِ امارت میں مہمانِ نوازی کا سامان کیا لیکن زہد و قناعت کے شہنشاہ نے اس میں فروکش ہونے سے انکار کیا اور فرمایا کہ عمر بن خطابؓ نے ہمیشہ ان عالیشان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا، مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میدانِ میرے لیے بس ہے، غرض میدان میں طرحِ اقامت ڈالی، پھر مسجدِ اعظم میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور جمعہ کے روز ایک نہایت مؤثر خطبہ دیکر لوگوں کو اتنا دہریز گاری اور فاشکاری کی ہدایت کی،

حضرت علیؑ نے مدینہ منورہ چھوڑ کر کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کی، اور دار الحکومت حجاز سے عراق کو منتقل ہو گیا، دار الحکومت کی اس تبدیلی کے وجہ کے متعلق لوگوں نے مختلف باتیں بیان کی ہیں، مگر میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے فتنہ قتل نے حرمِ نبویؐ کی جو توہین کی، وہ ایسا دردناک منظر تھا، جس نے علی مرتضیٰؑ کو مجبور کیا کہ وہ آئندہ سلطنت کے سیاسی مرکز کو علی اور نہ ہی مرکز سے علیحدہ کر دیں، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کوفہ میں حضرت علیؑ کے طرفداروں اور حامیوں کی اس وقت سب سے بڑی تعداد تھی، بہر حال حضرت علیؑ نے کوفہ میں قیام فرما کر ملک کا از سر نو نظم و نسق شروع کیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ کی ولایت سپرد کی، مدائن پر یزید بن قیس، اصفہان پر محمد بن سلیم، کسکر پر قدامہ بن عجلان، ازدی، سبتان، پریمی، ابن کاس اور تمام خراسان پر خلید بن کاس کو مامور کر کے بھیجا، خلید جب خراسان پہنچے تو خبر ملی کہ خاندانِ کسری کی ایک لڑکی نے نیشاپور پہنچ کر بغاوت کرادی ہے، چنانچہ اُ محزون نے نیشاپور پر فوج کشی کر کے بغاوت فرد کی اور اس لڑکی کو بارگاہِ خلافت میں

بھیجا، جناب امیر نے اُس کے ساتھ نہایت لطف و کرم کا برتاؤ کیا اور اُس سے فرمایا کہ اگر پسند کرے تو اپنے فرزند کبرام حسن (علیہ السلام) سے نکاح کر دوں اُس نے گزارش کی کہ وہ ایسے شخص سے بیاہ کرنا نہیں چاہتی جو ابھی خود مختار نہ ہو، البتہ خود جناب امیر اپنے عقد نکاح سے مشرف فرمائیں تو بطیب خاطر حاضر ہوں، حضرت علیؑ نے انکار کیا اور اُسے آزاد کر دیا کہ جہاں جی چاہے رہے اور جس سے چاہے بیاہ کرے،

جزیرہ، موصل اور شام کے متصلہ علاقوں پر اشتر بخشی کو مامور کیا، اشتر نے بڑھ کر شام کے بعض علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا، لیکن امیر معاویہ کے عامل ضحاک بن قیس نے حران اور رقیہ کے درمیان فوجی قوت سے مقابلہ کر کے اشتر کو پھر موصل واپس جانے پر مجبور کیا، اشتر نے موصل میں قیام کر کے شامی فوج سے مستقل چھڑ چھاڑ شروع کر دی اور اس سیلاب کو آگے بڑھنے سڑو کے رکھا،

صلح کی دعوت | اگرچہ یہ معلوم تھا کہ امیر معاویہ مصالحت کے ساتھ خلافت تسلیم نہیں کریں گے، لیکن حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے ایک دفعہ پھر صلح کی دعوت دی اور جریر بن عبداللہ کو قاصد بنا کر بھیجا، جریر ایسے وقت امیر معاویہ کے پاس پہنچے کہ دربار میں روسائے شام کا ایک عظیم الشان مجمع موجود تھا، امیر معاویہ نے خط لیکر پہلے خود پڑھا پھر بانگ بلند حاضرین کو سنایا، بعد حمد و نعت کے خط کا مضمون یہ تھا،

”تم اور تمہارے زیراثر جہد مسلمان ہیں سب پر میری بیعت لازم ہے، کیونکہ مہاجرین و انصار کے اتفاق عام نے مجھے منصب خلافت کے لیے منتخب کیا ہے، ابو بکر، عمر، اور عثمان کو بھی انہی لوگوں نے منتخب کیا تھا، اس لیے جو شخص اس بیعت کے بعد سرکشی اور اعراض کرے گا وہ جبراً طاعت پر مجبور کیا جائیگا، پس تم مہاجرین و انصار کا اتباع کرو، یہی سب سے بہتر طریقہ ہے“

دور نہ جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ، تم نے عثمانؓ کی شہادت کو اپنی مقصد برآری کا وسیلہ بنایا ہے اگر تم کو عثمانؓ کے قاتلون سے انتقام لینے کا حقیقی جوش ہے تو پہلے میری اطاعت قبول کرو! اسکے بعد باضابطہ اس مقدمہ کو پیش کرو! میں کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے مطابق اسکا فیصلہ کروں گا، ورنہ تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ محض ہوکا اور فریب ہے!

امیر معاویہؓ بیس بائیس برس سے شام کے والی تھے، اس طویل مدت ولایت میں ان کا استقلال و خود مختاری کی تنہا پیدا کر دی تھی حصولِ تنہا کے لیے اس سے زیادہ بہتر موقع یہ

نہیں آ سکتا تھا، بنو امیہؓ اور بنو ہاشمؓ کی دیرینہ جنگ پھر تازہ ہو گئی تھی حضرت علیؓ نے تمام عامل عثمانی کو برطرف کر دیا تھا اور وہ سب امیر معاویہؓ کے گرد پیش جمع ہو گئے تھے بہت قبائل عرب جو اگرچہ اموی نہ تھے، تاہم شاہانہ داد و دہش نے ان کو بھی طردار بنا دیا تھا، ایسی بعض صحابہ بھی اپنے اغراض و مقاصد کے لحاظ سے ان کے دست و بازو تھے، حضرت عمرؓ نے مصر کی ولایت کا عہد لیکر اعانت و مساعدت کا وعدہ کر لیا تھا، مغیرہؓ بن شعبہؓ اور زیاد جو

عرب کے بڑے چالاک اور سیاسی لوگوں میں سمجھے جاتے تھے دربار معاویہؓ سے برداشتہ طہر ہو کر امیر معاویہؓ کے حلقہٴ احباب میں شامل ہو گئے تھے، عبید اللہؓ بن عمرؓ جنہوں نے اپنے والد کے جوش انتقام میں ایک باری نو مسلم ہرمزان کو بے وجہ قتل کر دیا تھا، اور حضرت عثمانؓ نے ان سے قصاص نہیں لیا تھا، حضرت علیؓ کی سند نشینی کے بعد اس خوف بھاگ کر امیر معاویہؓ کے

داسن عافیت میں پناہ گزین ہوئے کہ شاید وہ مقدمہ پھرنے سے چلا یا جائے، حضرت عثمانؓ کی شہادت اور ان کے قاتلون کو سزا نہ دینے کا قصہ عوام کو ہیجان میں لانے کے لیے کافی تھا، چنانچہ تمام ملک شام میں بدرد طریقہ پراس کی اشاعت کی گئی تھی، ہر ایک کو ان قصبہ اور شہر میں واعظ اور خطیب مقرر کیے گئے تھے، کہ لوگوں میں حضرت عثمانؓ کے انتقام کا

جوش پیدا کریں، دمشق کی جامع مسجد میں حضرت عثمانؓ کا خون آلود پیرا ہن اور حضرت مالکہؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کی جاتی تھی کہ لوگ دن اور رات میں پانچ دفعہ خونین منظر سے اپنے جوش کو تازہ کریں، غرض زرد برآری کے تمام اسباب مہیا تھے، میرٹھا اس زرین موقع کو ہاتھ سے ہین دے سکتے تھے، انھوں نے اپنے حاشیہ نشینوں کے مشورہ سے خط کا جواب لکھا اور حسب معمول قاتلین عثمانؓ کو حوالہ کر دینے پر اصرار کیا، اس طرف سے خط کا جواب ابوسلم لیکر گئے تھے، انھوں نے دربار خلافت میں خط پیش کرنے کے بعد بخ کے طور پر گزارش کی کہ اگر آپ عثمانؓ کے قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیں تو ہم اور تمام اہل شام خوشی کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیت کرنے کو تیار ہیں کیونکہ درحقیقت فضل و کمال کے لحاظ سے آپ ہی خلافت کے حقیقی ستھ ہیں، جناب امیر نے دوسرے روز صبح کے وقت جواب دینے کا وعدہ فرمایا، ابوسلم دوسرے روز دربار میں حاضر ہوئے تو وہاں تقریباً دس ہزار مسلح آدمیوں کا مجمع تھا، اور ان کو دیکھ کر سب نے ایک ساتھ بیاگ بیاگ بلند کہا ”ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں“ ابوسلم نے متحجب ہو کر بارگاہ خلافت میں عرض کی ”معلوم ہوتا ہے سب نے باہم سازش کر لی ہے“ حضرت علیؓ نے فرمایا تم اس سے سمجھ سکتے ہو کہ عثمانؓ کے قاتلوں پر میرا کمان تک اختیار ہے“

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے پھر امیر معاویہؓ کو لکھا کہ وہ ناحق کی ضد سے اڑائیں اور لکھا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتل میں ان کی کوئی شرکت نہ تھی، اسی کے ساتھ عذرین العاصؓ کو بھی لکھا کہ ”دنیا طلبی چھوڑ کر حق کی حمایت کرو“ لیکن زمین مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھی اور گو جنگ جمل میں دس ہزار مسلمانوں نے باہم ایک دوسرے کا گلا کاٹ کر اپنے خون سے اس کو سینچا تھا تاہم العنطش و بطنش اور ہل من مزید کی صدا بھی باقی تھی اس لیے مصالحت

اور خانہ جنگی کے سد باب کی تمام کوششیں ناکام رہیں، حضرت علیؑ نے مجبور ہو کر قبضہ اشمیہ پر ہاتھ رکھا، تمام محال و حکام کو دور و دراز حصص ملک سے جنگ میں شریک ہونے کے لیے بلایا اور قریباً اسی ہزار کی جمعیت کے ساتھ حدود شام کا رخ کیا،

سرکہ صفین | جب یہ فوج گران فزات کو عبور کر کے سرحد شام میں داخل ہو گئی تو امیر معاویہ کی طرف سے ابوالاعور سہلی نے مقدمہ الجیش کو آگے بڑھنے سے روکا، اس کے افسر زیاد بن نفیر اور شریح بن ہانی تھا، انھوں نے تمام دن نہایت جان بازی کے ساتھ مقابلہ کیا، اسی اثناء میں اشتر بنی لکک لیکر پہنچ گئے، ابوالاعور نے دیکھا کہ اب مقابلہ دشوار ہے رات کی تاریکی میں اپنی فوج کو ہٹا لیا اور امیر معاویہ کو فوج مخالف کی آمد کی اطلاع دی، انھوں نے صفین کے میدان کو مداخلت کے لیے منتخب کیا اور پیغمبرؐ کی قبر کے مناسب موقع پر مورچے جا دیے، گھاٹ پر بھی تسلط کر لیا اور ابوالاعور سہلی کو ایک بڑی جمیعہ کے ساتھ متعین کر دیا، کہ دریا سے پانی لینے میں فوج مخالف کی مداخلت کریں

پانی کے لیے لککش | حضرت علیؑ کی فوج صفین پہنچی تو اس کو پانی کی وجہ سے سخت دقت پیش آئی، دریا پر ابوالاعور نے پہلے سے قبضہ کر لیا تھا، حضرت علیؑ نے حکم دیا کہ شامی فوج کا مقابلہ کر کے بزور گھاٹ پر قبضہ کریں چنانچہ پہلے چند آدمی اتمام حجت کے لیے آشتی کے ساتھ دریائی طرف بڑھے لیکن جیسے ہی قریب پہنچے ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی، حضرت علیؑ کی فوج اسی پیش قدمی کی منظر حق سب نے ایک ساتھ ہل کر دیا، ابوالاعور نے دیر تک ثبات و استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا، عمرو بن العاصؓ نے بھی اپنی لگاتار سے تقویت دی، لیکن پیاسوں کو پانی سے روکنا آسان نہ تھا آخر کار پانوں اکھر گئے اور تمام گھاٹ پر تشنہ کا مون کا قبضہ ہو گیا، اب جو دقت امیر المومنینؑ کی فوج کو تھی وہی امیر معاویہ کو پیش آئی

لیکن جناب رقصی الی سمیت انسانی نے کسی کو تشنہ کام رکھنا گوارا نہ کیا اور شامی فوج کو دریا سے متنع ہونے کی اجازت دیدی چنانچہ دونوں فوج ایک ساتھ دریا سے سیراب ہونے لگی اور باہم اس قدر اختلاط پیدا ہو گیا کہ دونوں کیمپ کے سپاہیوں میں دوستانہ آمد و رفت شروع ہو گئی یہاں تک کہ بعضوں کو خیال ہوا کہ اب صلح ہو جائیگی،

سیدان جنگ میں مصالحت | حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ شروع کرنے سے قبل ایک دفعہ کی احسنی کو شمش

بھراتا م حجت کے لیے بشیر بن عمرو بن محسن انصاری سعید بن قیس ہمدانی اور شیف بن ربیع کو امیر معاویہ کے پاس بھیج کر مصالحت کی آخری کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی تاہم دونوں طرف علماء، فضلاء اور حفاظ قرآن کی ایک جماعت موجود تھی جو دل سے اس خونریزی کو ناپسند کرتی تھی اُس نے مسلسل تین ماہ تک جنگ کو روکا اور مصالحت کی کوشش کرتی رہی اس اثنا میں دونوں طرف سے تقریباً پچاسی دھڑ حملہ کا ارادہ کیا گیا، لیکن ان بزرگوں نے ہمیشہ درمیان میں بڑ کر بیچ بچاؤ کر دیا، غرض ربیع الاول ربیع الثانی اور جمادی الاول دلی تین مہینے صرف صلح کے انتظار میں گزرے اور جمادی الاخریٰ کے شروع سے باضابطہ جنگ کی ابتدا ہوئی،

آغاز جنگ | لڑائی کا طریقہ یہ تھا کہ دونوں طرف سے دن میں دو دفعہ یعنی صبح و شام تھوڑی

تھوڑی فوج میدان جنگ میں اترتی تھی اور کشت و خون کے بعد اپنے فوج گاہ پر واپس جاتی تھی، فوج کی کمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کہی خود کرتے تھے اوکھبی باری باری سے اشتراک

حجر بن عدی شیف بن ربیع، خالد بن عمرو، زیاد بن انصر، زیاد بن خنیس، سمید بن محمد بن حنیس، متہل بن قیس اور قیس بن سعد اس فرض کو انجام دیتے تھے یہ سلسلہ جمادی الاخریٰ

کی اخیر تاریخ تک جاری رہا، لیکن جب ماہ رجب کا ہلال افق پر طلوع ہوا تو دفعۃً دونوں طرف سے جنگ رُک گئی، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہؓ باہلی نے امیر معاویہ کے پاس جا کر حسب ذیل مکالمہ کیا،

حضرت ابوالدرداءؓ: تم علی سے کیوں رطے ہو؟ کیا وہ امامت کے قم سے زیادہ مستحق نہیں ہیں؟

امیر معاویہؓ: میں عثمان کے خون ناحق کے لیے لڑتا ہوں

حضرت ابوالدرداءؓ: کیا عثمان کو علی نے قتل کیا ہے؟

امیر معاویہؓ: قتل نہیں کیا ہے، تو قاتلون کو پناہ دی ہے، اگر ان کو میرے سپرد کر دین

تو سب سے پہلے میت کرنے کو تیار ہوں۔

حضرت ابوالدرداءؓ اور ابوامامہؓ اس مکالمہ کے بعد دوبار خلافت میں حاضر ہوئے اور

امیر معاویہؓ کی شرط سے مطلع کیا، اس خبر کو سن کر تقریباً بیس ہزار سپاہی عام فوج سے علیحدہ ہو گئے

اور چیخ کر کہا ”ہم سب عثمان کے قاتل ہیں“ حضرت ابوالدرداءؓ اور ابوامامہؓ نے یہ رنگ

دیکھا تو لشکر گاہ چھوڑ کر ساحلی مقامات کا رخ کیا اور پھر کسی طرح اس جنگ میں حصہ نہیں لیا،

غرض پہلی رجب سے اخیر محرم ۳۵ تک طرفین سے سکوت رہا اور کوئی قابل ذکر

معرکہ پیش نہ آیا، جب محرم کا عید ختم ہو گیا تو پھر از سر نو جنگ شروع ہوئی اور اس قدر خون ریزی

لڑائی ان بیش آئین کہ محض تصور سے دل کا تپ اٹھتا ہے ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں

بچے یتیم ہو گئے، تاہم اس خانہ جنگی کا کچھ فیصلہ ہوا، حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے اس طوالت سے

تنگ آ کر اپنے اعوان و انصار کے سامنے نہایت پر جوش تقریر کی اور فیصلہ کن جنگ کے لیے

آمادہ کیا، تمام فوج نے اس صدائے عورت کو نہایت جوش و خروش کے ساتھ لبیک کہا اور

اور اپنے حریف پر اس زور سے حملہ کیا کہ بڑے بڑے بہادرون کے پانوں اکھڑ گئے، تمام صفین درہم و برہم ہو گئیں، حمیدؓ رکار خود فوج کے آگے آگے تھے، اور اس جانبازی سے لڑ رہے تھے، کہ حریف کی صفین چیرتے ہوئے امیر معاویہ کے مقصورہ تک پہنچ گئے، اس وقت زبان پر یہ رجز جاری تھا،

اضربہم ولا دی معاویہ الجاحظ العین العظیم الحادیہ
حضرت علیؓ نے پکار کر کہا ”معاویہ! خلق خدا کا خون کیوں گراتے ہو، آؤ ہم تم باہم اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کر لیں“ اس مبارزت پر عمرو بن العاصؓ اور امیر معاویہؓ میں حسب ذیل مکالمہ ہوا،

عمرو بن العاصؓ بات انصاف کی ہے،
امیر معاویہؓ، خوب! کیا انصاف ہے؟ تم جانتے ہو کہ جو اس شخص کے مقابلہ میں جاتا ہے پھر زندہ نہیں بچتا،

عمرو بن العاصؓ، جو کچھ ہو تا ہم مقابلہ کے لیے نکلنا چاہیے،
امیر معاویہؓ، تم چاہتے ہو کہ مجھے قتل کر کے میرے منصب پر قبضہ کرو،
امیر معاویہؓ نے اعراض کیا تو عمرو بن العاصؓ نے خود بڑھ کر حمیدؓ رکار کو مقابلہ کے لیے بلایا، شیر خدا نے بڑھ کر لبیک کہا، دیر تک دونوں آدمیوں میں تیغ و دھن کا رو و بدل ہوتا رہا، ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ایسا وار کیا کہ اس سے سلامت بچنا ناممکن تھا، عمرو بن العاصؓ نے اس بدحواسی کے ساتھ اپنے کو گھوڑے سے گرا دیا کہ بالکل برہنہ ہو گئے، فارغ خبر نے اپنے حریف کو برہنہ دیکھ کر منہ پھیر لیا اور زندہ چھوڑ کر واپس چلے آئے،

اس جنگ کے بعد تھوڑی تھوڑی فوج سے مقابلہ ہونے کے بجائے پوری فوج کے

ساتھ جنگ ہونے لگی، چند دنوں تک یہی سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ جمعہ کے روز عظیم الشان جنگ پیش آئی جو شدت و خیزی کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں اپنی آپ نظیر ہے، صبح سے شام اور شام سے دوسری صبح تک اس زور کا رن پڑا کہ غروں کی گرج، گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلوار کی جھنکاروں سے کرہ ارض ہل رہی تھی، اسی مناسبت سے اسکو لیلۃ الہریہ کہتے ہیں

دوسری صبح کو مجروحین و مقتولین کے اٹھانے کے لیے جنگ ملتوی ہو گئی، حضرت علیؑ نے اپنے طرفداروں کو مخاطب کر کے نہایت پرجوش تقریر کی اور فرمایا ”جاننا زوہا ہمارے کوششیں اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ انشاء اللہ کل اس کا آخری فیصلہ ہو جائے گا پس آج کچھ آرام لینے کے بعد کل اپنے حریف کو آخری شکست دینے کے لیے تیار ہو جاؤ اور آسٹ تک میدان سے منہ موڑو جب تک اس کا قطعی فیصلہ نہ ہو جائے“

امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ نے گو اس وقت تک نہایت جاننا بازی و شجاعت اور پامردی کے ساتھ اپنی فوجوں کو سرگرم کارزار رکھا تھا تاہم لیلۃ الہریہ کی جنگ سے انھیں یقین ہو گیا تھا کہ اب لشکر حیدری کا مقابلہ ناممکن ہے، قبیلوں کے سردار بھی ہمت ہار گئے تھے، اشعث بن قیس نے علانیہ دربار میں کھڑے ہو کر کہا کہ مگر مسلمانوں کی باہمی لڑائی ایسی ہی قائم رہی تو تمام عرب و یران ہو جائیگا، رومی شام میں جانے اہل و عیال پر قبضہ کرے، سیطرح ایران کے دہقان اہل کو نہ کی عورتوں اور بچوں پر تصرف ہو جائیں گے، تمام درباریوں کی نظرین امیر معاویہ کے چہرہ پر گڑ گئیں اور سب نے بالاتفاق اس خیال کی تائید کی

امیر معاویہؓ نے جناب مرتضیٰ کو لکھا کہ ”اگر ہم کو اور خود آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ جنگ

استقلول کھینچنے لگی تو غالباً ہم دونوں اس کو چھیڑنا پسند نہ کرتے بہر حال اب ہم کو اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ کر دینا چاہیے ہم لوگ بنی عبد مناف ہیں اور آپسین ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں اس لیے مصاحمت ایسی ہو کہ طرفین کی عداوت برقرار نہ رہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اب مصاحمت سے انکار کیا، اور دوسرے روز علی الصباح زرہ بکتر سے آراستہ ہو کر اپنی فوج ظفر موح کے ساتھ میدان میں صف آرا ہوئے، لیکن حریت نے جنگ ختم کر دینے کا ہتھیہ کر لیا تھا، جناب امیر نے مصاحمت سے اعراض کیا تو عمرو بن العاص نے کہا اب میں ایک ایسی چال چلون گا کہ یا تو جنگ کا خاتمہ ہی ہو جائیگا، یا علی کی فوج میں تفرقہ عظیم برپا ہو جائیگا چنانچہ دوسری صبح کو شامی فوج ایک عجیب منظر کے ساتھ میدان جنگ میں آئی، آگے آگے دمشق کا مصحف اعظم پانچ بزوں پر بندھا ہوا تھا، اور اسکو پانچ آدمی بلند کیے ہوئے تھے اسکے علاوہ جس کے جس کے پاس قرآن پاک تھا اُس نے اُسکو اپنے نیزے پر باندھ لیا تھا، حضرت علیؑ کی طرف سے اشتراخی نے ایک جمعیت عظیم کے ساتھ حملہ کیا، تو طلب سے فضل بن ادم، مہینہ سے شرج الجزامی اور میرہ سے زرقاد بن ہمر بڑے اور چلا کر کہا "گردہ عرب! حذارِ میون اور ابراہیون کے ہاتھ سے تمہاری عورتوں اور بچوں کو بچائے، تم فنا ہو گئے، دکھو یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہے" اس طرح ابوالاعور سکی اپنے سر پر کلام مجید کے ہوئے لشکر حیدری کے قریب آئے اور میانگ بلند کہا "اے اہل عراق! یہ کتاب اللہ ہے اور تمہارے درمیان حکم ہے" اشتراخی نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ یہ حریت کی چال ہے اور جوش لا کر نہایت زور و شور کے ساتھ حملہ کر دیا،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں کو سمجھایا کہ مصاحف کا بلند کرنا محض عیاری ہے ہم کو اس دایم تزدیر سے بچنا چاہیے، کردوس بن ہانی، ہنقیان بن ثور اور خالد بن العمر نے

بھی امیر المومنین کی تائید کی اور کہا کہ پہلے ہم نے ان کو قرآن کی طرف بلایا تو انھوں نے کچھ پروا نہ کی لیکن جب ناکامی و نامرادی کا خوف ہوا تو اس مکاری کے ساتھ ہمیں دھوکا دینا چاہتے ہیں لیکن باوجود سعی و کوشش ایک جماعت پیدا ہو گئی جس نے نہایت سختی کے ساتھ اصرار کیا کہ قرآن کی دعوت کو رد نہ کرنا چاہیے، اور ہچکلی دی کہ اگر قرآن کے درمیان میں آنے کے بعد بھی جنگ بند نہ ہوگی تو وہ نہ صرف فوج سے کنارہ کش ہو جائیگی بلکہ خود جناب امیر کے خون کی پیاسی ہوگی، سعر بن فدک، زید بن حصین، سہنی اور ابن الکوا اس جماعت کے سرگروہ تھے، اسیطح، اشعث بن قیس نے عرض کی ”امیر المومنین! میں حسب طرح کل آپ کا جانثار تھا اسی طرح آج بھی ہوں لیکن میری بھی یہی رائے ہے کہ قرآن حمید کو حکم مان لینا چاہیے“ غرض یہ چال ایسی کامیاب ہوئی کہ جناب مرتضیٰ کو مجبوراً اپنی فوج کو بازگشت کا حکم دینا پڑا، انتر نخعی اس وقت نہایت کامیاب جنگ میں مصروف تھے، داپسی کا حکم ملا تو نہایت صدمہ ہوا، فرد گاہ پر پہنچے تو نہایت غم و غصہ کی حالت میں سعر بن فدک اور ابن الکوا وغیرہ سے جنھوں نے التوا سے جنگ پر مجبور کیا تھا نہایت تلخ گفتگو ہوئی اور قریب تھا کہ باہم سم کشت و خون کی نوبت پہنچ جائے، لیکن جناب امیر نے درمیان میں پڑ کے معاملہ کو رفت و گذشت کر دیا،

جنگ ملتوی ہو گئی تو مکاتیب و مراسلت کے بعد طرفین سے علما و فضلاء کا اجتماع ہوا، اور محبت و مباحثہ کے بعد قرار پایا کہ خلافت کا مسئلہ دو حکم پر محمول کر دیا جائے، اور وہ جو کچھ فیصلہ کریں اُس کو قطعی تصور کیا جائے، شامیوں نے اپنی طرف سے عمرو بن العاص پر اعتماد ظاہر کیا، اہل عراق کی طرف سے اشعث بن قیس نے حضرت ابو موسیٰ اشعرثی کا نام لیا، حضرت علیؑ نے اُن سے اختلاف کر کے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تجویز کیا، لوگوں نے کہا کہ

عبداللہ بن عباسؓ اور آپ ایک ہی ہن، حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہیے، اب جناب امیر نے اشتر نخعی کا نام لیا، اشعث بن قیس نے برا فروختہ ہو کر کہا، "جنگ کی آگ اشتر ہی نے بھڑکانی ہے اور اس وقت تک ہم اسی کی رائے پر عمل کرتے رہے ہن یعنی جب تک آخری نتیجہ ظاہر نہ ہو ہر فریق پر ایک دوسرے کے درپے فنا رہے، ظاہر ہے جسکی رائے یہ ہے اس کا فیصلہ بھی یہی ہوگا" حضرت علیؓ نے دیکھا کہ لوگ ابو موسیٰ کے علاوہ اور کسی پر رضامند نہیں تو محفل دہر و باری کے ساتھ فرمایا "جسکو چاہو حکم بناؤ مجھے بحث نہیں"

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جنگ سے کنارہ کش ہو کر ملک شام کے ایک گاؤں میں گوشہ نشین ہو گئے تھے، لوگوں نے قاصد بھیجا کہ ان کو بلایا اور دونوں فریق کے ارباب حل عقد ایک عہد نامہ ترتیب دینے کے لیے مجتمع ہوئے، کا تب نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد لکھا، ہذا ما قاضی علیہ امیر المؤمنین امیر معاویہ نے اعتراض کیا کہ میں امیر المؤمنین تسلیم کر لیتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا، عمرو بن العاص نے مشورہ دیا کہ صرف نام پر لکھا گیا جائے، لیکن اخف بن قیس اور حضرت علیؓ کے دوسرے جان نثاروں کو اس لقب کا محو ہونا نہایت شاق تھا، فدے رسولؐ نے کہا "خدا کی قسم یہ سنت کبریٰ ہے، صلح حدیبیہ میں رسولؐ کے غم پر یہی اعتراض ہوا تھا، اس لیے جس طرح حضورؐ نے اپنے دست مبارک سے محو کر دیا تھا، اسی طرح میں بھی اپنے ہاتھ سے مٹاتا ہوں غرض معاہدہ لکھا گیا، اور دونوں طرف کے سہرا آوردہ آدمیوں نے دستخط کر کے اسکو موثق کیا، معاہدہ کا خلاصہ یہ ہے،

"علیؓ، معاویہ اور ان دونوں کے طرفدار باہمی رضامندی کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ عبداللہ بن قیس اور عمرو بن العاص قرآن پاک اور سنت نبویؐ کے مطابق جو فیصلہ کریں گے اسے تسلیم کرنے میں پس و پیش نہ ہوگا اس لیے دونوں حکم کے لیے نہایت ضروری ہے کہ

وہ قرآن اور سنت نبوی کو نصب العین بنائیں اور کسی حالت میں اس سے انحراف نہ کریں
حکم کی جان اور ان کا مال محفوظ رہیگا، اور ان کے حق فیصلہ کی تمام امت تائید کرے گی، ان
اگر فیصلہ کتاب اللہ اور سنت نبوی کے خلاف ہوگا، تو تسلیم نہیں کیا جائیگا، اور فریقین کو
اختیار ہوگا کہ پھر از سر نو جنگ کو اپنا حکم بنائیں

خارجی فرقہ کی بنیاد | معاہدہ حیرہ میں صفر ۳۷ھ چار شنبہ کے روز ترتیب پایا، اشعث بن قیس
تمام قبائل کو اس معاہدہ سے مطلع کرنے پر مامور ہوئے، وہ سب کو سنا تے ہوئے جب عنترہ
کے فرود گاہ پر پہنچے تو دو آدمیوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ ”خدا کے سوا اور کسی کو فیصلہ کا حق
نہیں“ اور غضبناک ہو کر شامی فوج پر حملہ کر دیا، اور لڑکر اسے گئے، اس طرح قبیلہ عمراد اور بنو ساس
اور بنو تمیم نے بھی اس کو ناپسند کیا، بنو تمیم کے ایک شخص عروہ بن اودیہ نے اشعث سے
سوال کیا کیا تم لوگ اللہ کے دین میں آدمیوں کا فیصلہ قبول کرتے ہو، اگر ایسا ہے تو بناؤ کہ
ہمارے مقتول کمان جائیں گے؟ اور غضبناک ہو کر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ اگر خالی نہ جاتا
تو اشعث کا کام ہی تمام ہو جاتا خود حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت سے آدمیوں
نے اس معاہدہ کی نسبت اپنی بیزاری ظاہر کی، حرز بن خنیس نے عرض کی ”امیر المؤمنین
اس معاہدہ سے رجوع کر لیجئے“ واللہ! میں ڈرتا ہوں کہ شماؑ آپ کے لیے انجام بُرا ہو، غرض
ایک معتد بہ جماعت نے اس کو ناپسند کیا اور انجام کار اسی ناپسندیدگی نے ایک مستقل فرقہ
کی بنیاد قائم کر دی، جس کا تفضیلی تذکرہ آگے آئیگا،

محکم کا نتیجہ | حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہؓ نے دومۃ البجندل کو جو عراق اور شام کے
وسطین تھا بالاتفاق حکمین کے لیے اجلاس کا مقام منتخب کیا، اور ہر ایک نے اپنے حکم کے
ساتھ چار چار سو آدمیوں کی جمعیت ساتھ کر دی، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی

اس کے افسر شریح بن ابی اور مذہبی نگران حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت سعدؓ و عاصؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ بھی جواب دہ ورع و تقویٰ کے باعث اس خانہ جنگی میں شریک بنے۔ سب سے محترم رہے تھے حکیم کی خبر سن کر اس کا آخری فیصلہ معلوم کرنے کے لیے دوتہ الجندل میں مجتمع ہو گئے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نہایت نکتہ رس اور عالم فہم بزرگ تھے، انھوں نے پہونچنے کے ساتھ ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا، تو انھیں یقین ہو گیا، کہ ان دونوں میں اتحاد رائے ممکن نہیں ہے، چنانچہ انھوں نے علانیہ پیشین گوئی کر دی کہ اس حکیم کا نتیجہ خوش آئند نہ ہوگا، بہر حال دونوں حکم حسب قرار داد گوشہ خلوت میں مجتمع ہوئے، عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنا، ہیمانال بنانے کے لیے ان کی غیر معمولی تعظیم و توقیر شروع کی، تعریف و توصیف کے پل بانڈھ دیئے، اصل مسئلہ کے متعلق جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے،

ابو موسیٰ - عمرو! تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میرائے،

عمرو بن العاصؓ - وہ کیا ہے؟

ابو موسیٰ - عبداللہ بن عمر کو منصب خلافت پر تنگ کرنا چاہیے، کیونکہ انھوں نے ان خانہ جنگیوں میں کسی طرح حصہ نہیں لیا ہے،

عمرو بن العاصؓ - معاویہ میں کیا خرابی ہے؟

ابو موسیٰ - معاویہ نہ تو اس منصب جلیل کے لیے موزوں ہیں اور نہ ان کو کسی طرح کا استحقاق ہے، ان اگر تم مجھ سے اتفاق کرو تو فاروق اعظم کا عہد لوٹ آئے اور عبداللہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دیں،

عمر بن العاص - میرے لڑکے عبداللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی، فضل و منفعت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں؟

ابوموسیٰ - بیشک تمھارا لڑکا صاحب فضل و منفعت ہے، لیکن ان خانہ جنگیوں میں شریک کر کے تم نے ان کے دامن کو بھی ایک حد تک دافدار کر دیا ہے، برخلاف اس کے طیب بن الطیب عبداللہ بن عمر کا لباس تقویٰ ہر قسم کے دہیوں سے محفوظ ہے، بس آؤ! انہی کو مسند خلافت پر بٹھا دیں!

عمر بن العاص - ابوموسیٰ! اس منصب کی صلاحیت صرف اس میں ہو سکتی ہے جس کے دو دواظم ہوں ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے،

ابوموسیٰ - عمر و! تمھارا بڑا ہوا، کشت و خون کے بعد مسلمانوں نے ہمارا دامن پکڑا ہے اب ہم ان کو بھڑفتہ و فسادین قبلہ نہیں کریں گے،

عمر بن العاص - پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوموسیٰ - ہمارا خیال ہے کہ علیؑ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیں، اور مسلمانوں کی مجلس شوریٰ کو پھر نئے سرے اختیار دیں کہ جسکو چاہے منتخب کرے،

عمر بن العاص - مجھے بھی اس سے اتفاق ہے،

مذکورہ بالا قرارداد کے بعد دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے، تو عبداللہ بن عباسؓ نے ابوموسیٰ کے پاس آکر کہا "خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپکو دھوکا دیا ہوگا اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا وہ نہایت خدا ہے کیا عجب ہے کہ وہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھے" ابوموسیٰ نے کہا کہ ہم لوگ ایسی رائے پر متحد ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں، غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے

عمر بن العاص سے فرمایا کہ منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنائیں، اُنھوں نے عرض کی ”میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا، آپ فضل و نعت میں سن و سال میں غرض ہر حیثیت سے ہم سے افضل اور ہمارے بزرگ ہیں“

حضرت ابو موسیٰؓ پر عمر بن العاص کا جادو چل گیا، بغیر پس و پیش کے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثناء کے بعد کہا ”صاحبو! ہم نے علی اور معاویہ دونوں کو معزول کیا اور پھر نئے سرے مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا وہ جسکو چاہے اپنا امیر بنائے“ ابو موسیٰ اپنا فیصلہ سنا کر منبر پر سے اتر آئے تو عمر بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا ”صاحبو! علیؓ کو جیسا کہ ابو موسیٰ نے معزول کیا میں بھی معزول کرتا ہوں لیکن معاویہ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں“

حضرت ابو موسیٰؓ بہت نیک اور سادہ دل بزرگ تھے، اس خلافت بیانی سے ششدر ہو گئے، چلا کر کہنے لگے، یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ سچ یہ ہے کہ تمھاری حالت بالکل اُس کتے کی طرح ہے جو میرا دو جب بھی ہانتا ہے اور چھوڑ دو جب بھی ہانتا ہے، انما مثلک کنزلکلب ان تحمل حلیہ ملیت او متسکک علیہ ملیت عمر بن العاص نے جواب دیا اور آپ پر چار پائے برو کتابے چند کی مثل صادق آتی ہو، مشک کنزل الحمار یحمل اسفارا،

عمر بن عاص کے بیان سے مجمع میں سخت برہمی پیدا ہو گئی، شریح بن ہانی نے غضبناک ہو کر عمر بن العاص کو کوڑے سے مارنا شروع کیا، اس طرف سے اُن کے ایک لڑکے نے شریح پر حملہ کر دیا لیکن بات بڑھنے نہیں پائی، اور لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے رفت گذشت کر دیا، حضرت ابو موسیٰؓ کو اس قدر رندامت ہوئی کہ اسی وقت مکہ کی طرف روانہ ہو گئے اور تمام عمر گوشہ نشین رہے۔

خواجہ کی سرکشی | پہلے گزر چکا ہے کہ حکیم کو حضرت علیؑ کے احوال و انصاریہ میں سے ایک معتد
جماعت نے ناپسند کیا تھا، چنانچہ جب وہ صغین سے کوثر واپس تشریف لائے تو اُس نے
اپنی ناپسندیدگی کا ثبوت اس طرح دیا کہ تقریباً بارہ ہزار آدمیوں نے لشکر حیدری سے کنارہ کش
ہو کر حروراء میں اقامت اختیار کی، حضرت علیؑ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو سمجھانے کے
لیے بھیجا، انھیں ناکامی ہوئی تو خود تشریف لے گئے اور مناظرہ و مباحثہ کے بعد راضی کر کے
سب کو کوثر لے آئے، یہاں یہ افواہ پھیلی کہ جناب امیر نے اُن کی خاطر داری کے لیے حکیم کو کفر
تسلیم کر کے اس سے توبہ کی ہے، حضرت علیؑ کے کان میں اس کی بھنبک پہنچی تو ایک رنڈھاں
طور پر خطبہ دیکر اس کی تکذیب کی، اور فرمایا کہ پہلے ان ہی لوگوں نے جنگ ملتوی کرنے پر مجبور کیا
پھر حکیم پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور اب چاہتے ہیں کہ عہد شکنی کر کے قبل از فیصلہ پھر جنگ شروع
کردوں، خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا، حاضرین میں اس جماعت کے لوگ بھی موجود تھے وہ ایک ساتھ
چلا اُٹھے، لا حکم الا للہ یعنی فیصلہ کا حق صرف خدا کو ہے، اور ایک شخص نے سامنے آ کر
نہایت بلند آہنگی سے کہا،

اے محمدؐ پیر اور بھارے قبل انیسا پر یہ جی بھی گئی کا کرتے
خلک ات میں سرے کو خریکینا یا تو بھارے لعل بکار
ہو جائیئے اور تم خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گے

وَلَقَدْ اَوْحٰی اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ
لَیْسَ اَشْرَکُتْ لَیْمُحِبِّطَنَّ عَمَلُکَ وَلَئِنْ کُنَّ
مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ه (زمرہ)

حضرت علیؑ نے برجستہ جواب دیا،

تو مبرک خدا کا مددہ حق ہر اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے
وہ میرا استخفاف نہ کریں

فَاَصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ لَا یَسْتَحْفِظُکَ
الَّذِیْنَ کٰیفُوْهُنَّ (روم ۶)

غرض رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی صورت اختیار کر لی، دومتہ الجندل کی

محکم کا افسوسناک نتیجہ ملک میں شائع ہوا، تو اس فرقہ نے جناب مرقیٰ کی سبیت سے الگ ہو کر عبداللہ بن وہب الراسی کے ہاتھ پر سبیت کی، اور کوفہ، بصرہ، انبار اور مدائن وغیرہ میں جھگڑا اس فرقہ کے لوگ موجود تھے، وہ سب ایک ایک کر کے نہروان میں جمع ہوئے، اور ملک میں عام طور پر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا،

خارجیوں کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں سرے سے حکم مقرر کرنا کفر ہے، پھر ان دنوں حکم نے جس طریقہ پر اس کا فیصلہ کیا اس کے لحاظ سے خود وہ دونوں اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہیں، نیز اس عقیدہ سے جسکو اتفاق نہ وہ بھی گردن زدنی ہے، چنانچہ انھوں نے عبداللہ بن خباب اور ان کی اہلیہ عترمہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا، اسی طرح ام سنان صیدیہ کو مشق ستم بنایا اور جو کوئی ملا اسکو یا تو اپنا بھینال بنایا یا تلوار کے گھاٹ اُتار دیا، حضرت علی کو ان جگہ خدش افغات کی اطلاع ہوئی تو حارث بن مرہ کو دریافت حال کے لیے بھیجا، خارجیوں نے اس غریب کا بھی کام تمام کر دیا،

جناب مرقیٰ اس وقت نئے سرے سے شام پر فوج کشی کی تیاری فرما رہے تھے، لیکن جب خارجیوں کی سرکشی اس قدر خوفناک حد تک پہنچ گئی تو اس امداد کو ملتوی کر کے نہروان کا قصد کرنا پڑا،

سرکار نہروان | حضرت علیؑ نے نہروان پہنچ کر پہلے حضرت ایوب انصاریؓ اور قیس بن سعد بن عبادہؓ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ بحث و مباحثہ سے ان کو ان کی غلطی پر متنبہ کریں اور جب ان دونوں کو ناکامی ہوئی تو خارجیوں کے ایک سردار بن الکوا کو بلا کر خود ہر طرح سمجھایا لیکن قلوب تیار ایک ہو چکے تھے، انھوں نے منکرات و گمراہی کا پردہ بڑھ چکا تھا، اس لیے ارشاد و ہدایت کے تمام مساعی ناکام رہے، جناب امیر نے مجبوراً فوج کو تیاری کا حکم دیا اور یمن پر

حجر بن عدیؓ میرہ پرستیت بن ربیعؓ پہلے حضرت ابوقحافہ انصاریؓ اور سواروں پر حضرت
ابوایوب انصاریؓ کو متعین کر کے باقاعدہ صف آرائی کی،

خارجیوں میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جسکو حیدر کیا ہے جنگ آزلہ ہونے میں
پس و پیش تھا، چنانچہ لڑائی شروع ہوئی تو قریباً پانچ سو آدمیوں نے جنگ سے پہلو تہی
کر کے ہندوئین کی راہ لی، ایک بڑے گروہ نے گونہ کا قصد کیا اور ایک ہزار آدمیوں نے توبہ کر کے
علم حیدری کے پیچہ پناہ لی، اس طرح عبدالمدین و ہب الراہی کے ماتحت صرف چار ہزار
خارجی باقی رہ گئے، لیکن اس قلیل جماعت نے دو ٹکڑیوں میں منقسم ہو کر سینہ اور میرہ پر
اس زور سے حملہ کر دیا کہ اگر جان نثاران علیؑ میں غیر معمولی ثبات و استقلال نہ ہوتا تو ان کا
روکنا سخت مشکل تھا، خارجیوں کی حالت یہ تھی کہ اعضاء کٹ کٹ کر جسم سے علیحدہ ہو جاتے
تھے، لیکن ان کی حملہ آوری میں فرق نہیں آتا تھا، شریح بن ابی ادنیٰ کا ایک بانوں
کٹ گیا تو وہ صرف ایک ہی بانوں پر کھڑا ہو کر لڑتا رہا، غرض نہایت گھسان کی جنگ ہوئی،
خارجی ایک ایک کر کے مارے گئے، جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت علیؑ کم ام الدوہہ نے
خارجی متوہلین میں اس شخص کو تلاش کرنا شروع کیا جسکے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی
کی تھی، چنانچہ تمام علامات کے ساتھ وہ لاش برآمد ہوئی تو فرمایا ”اسد اکبر! خدا کی قسم رسول اللہ
نے کس قدر صحیح ارشاد فرمایا تھا“

جنگ ہندوان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؑ نے شام کی طرف کوچ کا حکم دیا،
لیکن اشعث بن قیس نے کہا ”امیر المومنین! ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، تلواروں کی حدیں
مٹ گئی ہیں اور نیزوں کے پھل خراب ہو گئے ہیں، اس لیے ہم کو دشمن پر فوج کشی کرنے سے
پہلے اسباب و سامان درست کر لینا چاہیے، جناب امیر نے اشعث کی رائے کے مطابق

خینہ میں پڑاؤ کر کے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا، لیکن لوگ تیار ہونے کے بجائے آہستہ آہستہ
 دس دس میں ہیں کر کے کوفہ جانے لگے، یہاں تک کہ آخر میں تقریباً صرف ایک ہزار کی
 جمیت ساتھ رہ گئی، حضرت علیؑ نے یہ زنگ دیکھا تو سردست شام پر فوج کشی کا ارادہ ترک
 کر دیا اور کوفہ واپس جا کر اقامت اختیار کی

مصر کے لیے کشتی | پہلے گزر چکا ہے کہ جناب مرتضیٰؑ نے مسند خلافت پر ٹھکن ہونے کے ساتھ
 عہد عثمانی کے تمام عامل کو معزول کر کے نئے عامل مقرر کئے، چنانچہ مصر کی ولایت حضرت
 قیس بن سعد انصاری کے سپرد ہوئی، انھوں نے نہایت حکمت علی کے ساتھ تقریباً تمام
 اہل مصر کو جناب امیر علیہ السلام کی خلافت پر راضی کر لیا، اور سب سے بیعت لی صرف
 قصبہ "خرتبا" کے لوگوں نے پس و پیش کیا اور عرض کی کہ جب تک معاملات کیسوں ہو جائیں
 اس وقت تک ان سے بیعت کے لیے اصرار نہ کیا جائے، البتہ وہ والی مصر کی اطاعت و فرمانبرداری
 میں کوتاہی نہ کریں گے، اور نہ ملک میں امن و سکون کو صدمہ پہنچائیں گے، قیس بن سعد
 نہایت پختہ کار اور صاحب تدبیر تھے، انھوں نے اس بھڑکے چھتے کو چھپرنے کے بجائے
 نہایت خوشی کے ساتھ انھیں امن و سکون کی زندگی بسر کرنے کی اجازت دیدی اور فرمایا کہ
 تین ہرگز تمہیں بیعت کے لیے مجبور نہیں کروں گا، اس رواداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل خرتبا
 مطیع و فرمان بردار ہو گئے اور خراج وغیرہ ادا کرنے میں انھوں نے کبھی کوئی جھگڑا نہیں کیا،
 جنگ صفین کی تیاریاں شروع ہوئیں تو امیر معاویہؓ کو خوف ہوا کہ اگر دوسری طرف سے
 قیس بن سعد اہل مصر کو بیکر شام پر چڑھ آئیں گے تو نہایت دقت کا سامنا ہوگا، اس
 بنا پر انھوں نے خود قیس بن سعد کو ایک خط لکھ کر اپنا طرفدار بنانا چاہا، قیس بن سعد نے
 دنیا سازی کے طور پر نہایت گول مول جواب دیا، لیکن امیر معاویہؓ فوراً اس کو تاڑ گئے، اور

لکھا کہ تم مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو، حالانکہ مجھ جیسا شخص بھی تمھارے دام فریب کا شکار نہیں ہو سکتا، افسوس تم اسکو فریب دیتے ہو جبکہ ادنیٰ اشارہ مصر کو پامال کر سکتا ہے، قیس بن سعد نے نہایت سختی سے اس کا جواب دیا اور لکھا کہ میں تمھاری دھمکی سے نہیں ڈرتا، خدا نے چاہا تو خود تمھیں اپنی جان کے لئے پڑ جائیں گے،

حضرت قیس بن سعد نہایت بلند پایہ اور ذی اثر بزرگ تھے، رسول اللہ کے ساتھ اکثر غزوات میں انصار کے علم بردار رہے تھے، امیر معاویہ نے دیکھا کہ ان کے مقابلہ میں کچھ پیش نہ جائیگی تو انھوں نے ان کے مصر سے ہٹانے کی ایک عجیب غریب تدبیر اختیار کی یعنی شہرت دی کہ قیس بن سعد ان کے طرفدار ہیں رفتہ رفتہ یہ افواہ مہار خلافت میں پہنچی، محمد بن ابی بکر وغیرہ نے اسکو اور بھی بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور اہل خربتنا کو بیعت پر مجبور نہ کرنے کا واقعہ نبوت میں پیش کیا،

غرض جناب امیر نے اس افواہ سے متاثر ہو کر قیس بن سعد کو خربتنا والوں سے بیعت کے لیے لڑنے کا حکم دیا، انھوں نے گزارش کی کہ خربتنا تقریباً دس ہزار نفوس کی آبادی ہے، اس میں بسر بن ارطاة، سلمہ بن مغلہ اور معاویہ بن خدیج جیسے جنگ آزمابہا در موجود ہیں ان لڑائی خریدنا مفید مصلحت نہیں، لیکن جب مہار خلافت سے کمر اصرار ہو تو انھوں نے استعفا دیدیا،

قیس کی جگہ محمد بن ابی بکر والی مصر مقرر ہوئے لیکن ان کی کسی دنا تجربہ کاری نے بہت جلد مصر میں شورش و بھینپی کی آگ بھڑکا دی اور خربتنا والوں سے چھیڑ کر کے ان کو آمادہ پراش کر دیا، حضرت علیؓ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے معرکہ صفین کے بعد اشد سختی کو مصر کی طرف روا نہ کیا کہ محمد بن ابی بکر کو سبکدوش کر کے ملک کی حالت درست کر لیں، لیکن

امیر معاویہؓ نے رستہ میں زہر دلا کر اشتر کا کام تمام کر دیا، اور عمرو بن العاصؓ کے ماتحت ایک زبردست مہم مصر کی طرف روانہ کی محمد بن ابی بکرؓ کے لیے اس فوج کا مقابلہ نہایت دشوار تھا، تاہم دو ہزار کی جمعیت فراہم کر کے نہایت جان بازی سے لڑے، یہاں تک کہ عمرو بن العاصؓ کو معاویہ بن خدیج رئیس خربتہ کی مدد طلب کرنی پڑی، معاویہؓ نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ پیچھے سے آکر گھیر لیا، اس طرح محمد بن ابی بکرؓ کے ساتھی یا تو مارے گئے، یا جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے محمد بن ابی بکرؓ نے بھی ایک ویران کھنڈ میں پناہ لی، لیکن عمرو بن العاصؓ کے جاسوسوں نے ڈھونڈھ نکالا، معاویہ بن خدیج نے نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کیا، اور لاش کو ایک مردہ گدھے کے پیٹ میں ڈال کر جلا دیا، غرض اس افسوسناک طریقہ پر ۳۳ھ میں مصر کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا، اور حضرت علیؓ اپنی مجبور یوں کے باعث محمد بن ابی بکرؓ کی کچھ مدد نہ کر سکے،

اسی سال یعنی ۳۳ھ میں امیر معاویہؓ نے عبداللہ بن حضرمی کو بصرہ بھیجا کہ لوگوں کو جناب مرتضیٰ کی اطاعت سے برگشتہ کر کے اُن کی حکومت کا طردار بنائے چنانچہ عبداللہؓ کو اپنی مہم میں زیادہ کامیابی ہوئی، قبیلہ بنو تميم اور تقریباً تمام اہل بصرہ نے اس صدا دعوت کو لبیک کہا، یہاں تک کہ حضرت علیؓ کے حامل زیاد کو بصرہ چھوڑ کر حدان میں پناہ گزین ہونا پڑا، بارگاہِ خلافت کو اطلاع ہوئی تو عین بن ضبیہ بن حضرمی کی ریشہ دودا کا شیرازہ بکھیرنے پر آمادہ ہوئے، لیکن قبل اسکے کہ انھیں کامیابی ہو، امیر معاویہؓ کے ہوا خواہوں نے ناگہانی طور پر انھیں قتل کر دیا،

جناب امیر نے عین بن ضبیہ کے بعد جاریہ بن قدامہ کو ابن حضرمی کی سرکوبی پر مامور کیا، انھوں نے نہایت حکمت علیؓ کے ساتھ بصرہ پہنچ کر ابن حضرمی اور اس کے ساتھیوں کو محصور

کر لیا اور ان کے اس کو نذر آتش کر کے خاک سیاہ کر دیا، اہل بصرہ نے پھرتے سرے سے اٹھتے قبول کی اور امیر المومنین کے ترجمہ نے عفو عام کا اعلان کیا،

بناؤن کا استیصال | جنگِ نہردان میں گویا جیون کا زور ٹوٹ چکا تھا، تاہم ان کی جھوٹی جھوٹی جماعتیں تمام ملک میں موجود تھیں اور اپنی ریشہ دوانیوں سے روز ایک نہ ایک فتنہ برپا کرتی رہتی تھیں، چنانچہ حریت بن راشد کا صرف یہ کام تھا کہ مجوسیوں، مردوں اور مسلمانوں کو اپنے دامِ تزدیر میں پھنسا کر ملک میں ہر طرف لوٹ مار کرتا پھرتا تھا، اور ہر جگہ ذمیوں کو بھڑکا کر بغاوت کر دیتا تھا، حضرت علیؑ نے زیاد بن حصہ اور ایک دوسری روایت کے مطابق مقتل بن قیس کو انکی سرکوبی پر مامور کیا، انھوں نے مسلسل تواقب کے بعد راہرہز کی پہاڑیوں میں مقابلہ کر کے اُس سے اور اُس کی جماعت سے ملک کو پاک و صاف کر دیا، مقتل بن قیس نے باغی ذمیوں سے پھر اطاعت کا عہد لیکر نہایت لطف و رحم کا سلوک کیا، ذمسلموں اور مردوں کے ساتھ بھی اسلام قبول کرنے کے بعد باوجود اہل حریت کی معاونت کے نہایت عمدہ برتاؤ کیا، اس لطف و نوازش کا انماذہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مقتل بن قیس راہرہز سے روانہ ہوئے تو مسلمانوں نے دور تک مشائیت کی، ایرانی مردوں اور عورتوں نے خدا حافظ کہا، اور ان کی جدائی پر بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آئے،

امیر معاویہ کا جارحانہ طریقہ عمل | جنگِ صفین کے التواء اور لڑائی حکیم نے اگر ایک طرف حضرت علیؑ کی جماعت میں تفریق و اختلاف کا رخ نہ ڈال کر جیون کا خطرناک وجود پیدا کر دیا، تو دوسری طرف سب سے بڑا نقصان یہ کیا کہ مخصوص ہمدون اور جان نثاروں کے عزم و ارادے بھی سب سے کر دیئے، جناب امیر نے بارہا شام پر چڑھائی کا قصد کیا، پرجوش خطبوں سے اپنے ساتھیوں کو حمایت حق کی دعوت دی اور وطن آمیز جلوس سے ان کی رگِ غیرت کو جوش دلایا، لیکن

شیعیان علی کے دل پزردہ ہو گئے تھے اور مہتین بہت ہو چکی تھیں، انھوں نے ہمیشہ سردہری اور سکوت سے اس کا جواب دیا، اس موقع پر حضرت علیؑ کی طرف جرحے منسوب ہیں اور جو بیخ المہلافۃ میں موجود ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کو اپنے حامیوں اور طرفداروں کی اس سڑمہری کا کتنا صدمہ تھا، بہر حال امیر معاویہ اس حقیقت سے ناواقف نہ تھے، انھوں نے اب اپنے حریف کے تساہل سے فائدہ اٹھا کر مدافعت کے بجائے جارحانہ طریق عمل اختیار کیا، اور ۳۹ء میں اپنی فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر عاز، عراق اور جزیرہ میں بھیلادیے کہ قتل و غارت کر کے جناب مرتضیٰؑ کی پریشانیوں میں اضافہ کریں، چنانچہ نعمان بن بشیر نے دو ہزار کی جمیعت سے عین التمر، سفیان بن عوف نے چھ ہزار کی قوت سے انبار اور مدائن وغیرہ پر عبداللہ بن مسعود، فزاری نے ایک ہزار سات سو آدمیوں سے تیمار پر ضحاک بن قیس نے واقعہ کے نشیبی حصہ پڑا اور خود امیر معاویہ نے دجلہ کے ساحلی علاقوں پر حملہ کر کے بیت لوط لے، شیعیان علیؑ کو تہ تیغ کیا، اور لوگوں کو اپنی حکومت کے سامنے گردن اطاعت خم کرنے پر مجبور کیا،

کرمان و فارس کی بغاوتوں کو فرو کرنا | حیدر کرار کی ہمت مردانہ نے گو بہت جلد امیر معاویہ کے حملہ آور دستوں کو مالک مقبوضہ سے نکال دیا، تاہم اس سے ایک عام بد امنی اور بے رعبی پیدا ہو گئی، کرمان و فارس کے عمیون نے بغاوت کر کے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا، اس طرح اکثر صوبوں سے محال نکال دیے گئے، اور مذہبیوں نے خود سری اختیار کر لی، حضرت علیؑ نے اس عام بغاوت کے فرو کرنے کے متعلق شورہ طلب کیا، لوگوں نے عرض کی کہ زیاد بن ابیہ سے زیادہ اس کام کیلئے کوئی شخص موزوں نہیں ہو سکتا، غرض زیاد اس مهم پر مامور ہوئے، اور انھوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران میں بغاوت کی آگ فرو کر کے امن و سکون پیدا کر دیا،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بغاوت فرو ہونے کے بعد ایرانی باغیوں کے ساتھ اس قدر لطف و مدارات کا سلوک کیا کہ ایران کا کچھ بچہ منت پذیری کے جذبات سے لبریز ہو گیا، ایرانیوں کا خیال تھا کہ امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے طریق جہان بینی نے نو شیردانی طرز حکومت کی یاد بھلا دی

فتوحات | گذشتہ اوراق پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہو چکا ہو گا کہ حضرت علی مرتضیٰؑ کو داخلی اصلاحات اور خارجی جھگڑوں کے دبانے میں جو مصروفیتیں رہیں اُن کی بنا پر اُن کو اتنی مہلت بمشکل مل سکتی تھی کہ وہ اسلام کے فتوحات کے دائرہ کو بڑھا سکتے، صرف دوسمٹوں میں وہ کچھ کر سکے، ایک تو مِیسَیَان اور کابل کی سمت میں جو بعض عرب خود مختار ہو گئے تھے اُن کو قابو میں لے کر آگے قدم بڑھایا، دوسری طرف ۳۰ھ میں بعض مسلمانوں کو بحری راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت دی، اس وقت کوکن (بمبئی) کا علاقہ سندھ میں شامل تھا، مسلمان رضا کار سپاہیوں نے سب سے پہلے اسی عہد میں کوکن پر حملہ کیا،

حجاز و عرب کے | امیر معاویہ نے ۳۰ھ میں پھر از سر نو چھڑ چھاؤ شروع کی، بسربن ابیظاہر قبضہ کیلئے کشمکش کو تین ہزار کی جمیعت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ کیا، چنانچہ اُس نے بنیہر کسی مقابلہ کے کہ مدینہ پر قبضہ کر لیا، اور لوگوں سے زبردستی امیر معاویہ کے لیے بیعت لی، پھر وہاں سے یمن کی طرف بڑھا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے پہلے سے پوشیدہ طور پر یمن کے حامل عبید اللہ بن عباسؓ کو بسربن ابیظاہر کے حملہ کی اطلاع کر دی، اور لکھا کہ جو لوگ معاویہ کی حکومت تسلیم کرنے میں لیت و لعل کرتے ہیں، وہ انکو نہایت بیدردی کے ساتھ تہ تیغ کر دیتا ہے، عبید اللہ بن عباس نے اپنے کو مقابلے سے عاجز دیکھ کر عبید اللہ بن عبد المدان کو اپنا

لے فتوح البلدان بلاذری، ہستیان و کابل ۳۰ھ فتوح البلدان بلاذری، ذکر فتوح اسد

بہائم مقام کیا اور مدبار خلافت سے مدد طلب کرنے کے لیے کوفہ کی راہ لی۔ بسر بن ابی ارطاة نے
 یمن پہونچکر نہایت ہرجمی کے ساتھ عبید اللہ بن عباس کے دو صغیر السن بچوں اور ہوا خواہان رضی
 کی ایک بڑی جماعت کو قتل کر دیا،

دوسری طرف شامی سواروں نے خود عراق پر ترکناز شروع کی اور محافظ سپاہ کو شکست
 دیکر انبار پر تسلط کر لیا، حضرت علیؑ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار کی قیمت
 کے ساتھ بسر بن ابی ارطاة کی سرکوبی کے لیے یمن و حجاز کی مہم پر مامور کیا، اور کوفہ کی جامع مسجد
 میں پرجوش خطبے دیکر لوگوں کو حد و عراق سے شامی فوج نکال دینے پر ابھارا، یہ تقریریں ایسی
 مؤثر تھیں کہ اہل کوفہ کے مردہ قلوب میں بھی اسوقت فوری طور پر ایک روح پیدا ہو گئی، اور جوش
 و خروش کے ساتھ ہر گوشہ سے صدائے لبیک بلند ہوئی، لیکن جب کوچ کا وقت آیا تو میدان
 اجتماع میں صرف تین سو آدمی پائے گئے، جناب مرتضیٰ کو اہل کوفہ کی اس بے بسی پر نہایت
 صدمہ ہوا، حجر بن عدی اور سعید بن قیس ہمدانی نے عرض کی "امیر المؤمنین! بغیر تشدد کے
 لوگ راہ پر نہ آئیں گے، عام سنادی کرادیجئے کہ بلا استثناء ہر شخص کو میدان جنگ کی طرف
 چلنا پڑے گا، اور جو اس میں تاہل یا اعراض سے کام لے گا اس کو سخت سزا دی جائیگی، اس
 مشورہ پر عمل کرنے کے سوا چارہ نہ تھا، حضرت علیؑ نے حسب قرار داد اعلان عام کر دیا اور متقل
 بن قیس کو رسالتیں بھیجا کہ وہ ان سے جھگڑا ہی میسر نہ کیں جمع کر کے آئیں، لیکن تیاریاں
 ابھی تکمیل کو نہیں پہونچی تھیں کہ ابن لخم کی زہراؤد تلوار نے جام شہادت پلا دیا، انا للہ وانا
 الیہ راجعون،

اس جان گسل واقعہ اور اندوہناک سانحہ کی تفصیل یہ ہے کہ واقعہ نہروان کے بعد چند
 خارجیوں نے حج کے موقع پر جمع ہو کر مسائل حاضرہ پر گفتگو شروع کی اور بحث و مباحثہ کے بعد بلا اتفاقاً

یہ سارے قرار پائی کہ جب تک بن آدمی علیؑ، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ صفحہ ہستی پر موجود ہیں دنیا نے اسلام کو خانہ جنگیوں سے نجات نصیب نہوگی، چنانچہ تین آدمی ان تینوں کو قتل کرنے کے لیے تیار ہو گئے، عبدالرحمن بن ملجمؓ نے کہا کہ میں علیؑ کے قتل کا ذمہ لیتا ہوں، اس طرح نزال نے معاویہؓ اور عبداللہؓ نے عمرو بن العاصؓ کے قتل کا بیڑا اٹھایا، اور تینوں اپنی اپنی مہم پر روانہ ہو گئے، کوفہ پہونچ کر ابن ملجمؓ کے ارادہ کو قیام نامی ایک خارجی عورت نے زیادہ مستحکم کر دیا، اُس نے اس مہم میں کامیاب ہونے کے بعد اُس سے شادی کا وعدہ کیا، اور جناب مرتضیٰؑ کے خون کو مہر قرار دیا،

غرض رمضان ستھ میں تینوں نے ایک ہی روز صبح کی نماز کے وقت ہر ایک پر حملہ کیا، امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ اتفاقی طور پر بچ گئے، امیر معاویہؓ پر اوجھا پڑا، اور بچ گئے، عمرو بن العاصؓ اس دن خود امانت کے لیے نہین آئے تھے، ایک دشمن اُن کا قاتل مقام ہو کر آیا، اور وہ عمرو بن العاصؓ کے دھوکے میں مارا گیا، لیکن جناب مرتضیٰؑ کا چہرہ لبریز ہو چکا تھا، آپ مسجد میں تشریف لائے، ابن ملجمؓ جو مسجد میں سو رہا تھا اُس کو جگایا، نماز کیلئے کھڑے ہوئے، سر سجدہ میں تھا، اور دل راز و نیاز لائی میں مصروف تھا کہ ابن ملجمؓ شقی کی تلوار کا دار نہایت کاری پڑا، سر پر زخم آیا، ابن ملجمؓ کو لوگوں نے گرفتار کر لیا، حضرت علیؑ نے حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو بلا کر نہایت مفید نصائح کیے اور محمد بن حنفیہؓ کے ساتھ لطف و مدارات کی تاکید کی، جناب بن عبداللہؓ نے عرض کی "امیر المومنین! آپ کے بعد ہم لوگ دامام حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت کریں، فرمایا اس کے متعلق میں نفیاً یا اثباتاً کچھ کہنا نہیں چاہتا، تم لوگ خود اسکو قتل کر دو، اس کے بعد مختلف دصیتیں کیں، قاتل کے متعلق

فرمایا کہ معمولی طور پر قصاص لینا (طبری ۲۲۶۱)

تلوار دہرین کبھی ہوئی تھی اس لیے نہایت تیزی کے ساتھ اس کا آخر تمام جسم
میں سرایت کر گیا، اور اسی روز یعنی ۲۰ رمضان ستئمہ جمعہ کی رات کو یہ فضل و کمال
اور رشد و ہدایت کا آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا، حضرت امام حسنؑ نے خود اپنے
ہاتھ سے تجمیز و تکفین کی، نماز جنازہ میں چار تکبیر دن کے بجائے پانچ تکبیریں کیں، اور غزی
نام کوفہ کے ایک قبرستان میں سپرد خاک کیا،

کارنامے

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی تمام خلافت خانہ جنگی، شورش و فتنہ پر داری
کے تذکرہ ہو گئی اور اس پچھلے مدت میں انھیں ایک لمحہ بھی سکون و اطمینان کا نصیب نہ ہوا،
یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں فتوحات کے دائرہ کو کچھ یوں ہی سی وسعت حاصل ہوئی، ملکی
نظم و نسق کو بہتر بنانے کے لیے بھی اطمینان و فرصت درکار ہے تاہم باوجود ان گوناگون
مشکلات کے جناب مرتضیٰؑ کی زندگی، عظیم الشان کارناموں سے ملبوس ہے، لیکن کارناموں پر نظر
کرنے سے پہلے ہم کو خور کرنا چاہیے کہ خلافت مرتضوی میں اس قدر افتراق، اختلاف اور شروفا
کے کیا اسباب تھے؟ اور حضرت علیؑ نے کس محل استقلال اور سلامت رومی کے ساتھ اس کا
مقابلہ کیا؟

خلافت پر ایک نظر | حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جناب مرتضیٰؑ نے مسند خلافت پر قدم رکھا
تو نہ صرف دار الخلافہ بلکہ تمام دنیا سے اسلام پر آشوب تھی، اُن کا شہید ہونا کوئی معمولی اچھڑ تھا

اس نے تمام مسلمانوں کے جذبہ بغیظ و غضب کو شتمل کر دیا یہاں تک کہ جو لوگ خلیفہ ثالث کے طرز حکومت کو ناپسند کرتے تھے انھوں نے بھی مفسدین کی اس حرکت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت زبیرؓ اور خود ام المومنین حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کی حکومت سے کبیدہ خاطر ہونے کے باوجود مطابقت قصاص کا علم بلند کیا،

دوسری طرف شام میں بنو امیہ امیر معاویہؓ کے زیر سیادت خلافت راشدہ کو اپنی مخصوص سلطنت میں تبدیل کر لینے کا خواب دیکھ رہے تھے، اور ان کے لیے اس سے زیادہ بہتر موقع کیا ہو سکتا تھا؟ چنانچہ امیر معاویہؓ نے بنی کسریٰ تامل کے ہر ممکن ذریعہ سے تمام شام میں خلیفہ ثالث کے انتقام کا جوش پیدا کر کے حضرت علیؓ کے خلاف ایک عظیم الشان قوت پیدا کر لی اور حسب ذیل وجوہ کو نقاب بنا کر میدان رزم میں اترے

(۱) حضرت علیؓ نے مفسدین کے مقابلہ میں حضرت عثمانؓ کو مدد نہیں دی

(۲) اپنی خلافت میں قاتلین عثمانؓ سے قصاص نہیں لیا،

(۳) محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو بنایا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دیے،

چونکہ یہ وجوہ تمام خانہ جنگیوں کی بنا قرار پائے اس لیے ہم کو غور کرنا چاہیے کہ یہ کہاں تک صحیح ہیں اور جناب رضیٰ اسمیں کس حد تک معذور تھے؟ امر اول یعنی مفسدین کے مقابلہ میں مدد نہ دینے

کا الزام صرف حضرت علیؓ ہی پر نہیں بلکہ حضرت طلحہؓ زبیرؓ سعد و قاصؓ اور تمام اہل مدینہ پر عائد ہوتا ہے، لیکن اصل یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو منظور نہ تھا کہ ان کے عہد میں خانہ جنگی کی ابتدا ہو،

چنانچہ انصار کرام، بنو امیہ اور خود خلیفہ ثالث کے پروردگان نعمت نے جان نثاری کے لیے اپنے کو پیش کیا تو انھوں نے نہایت سختی کے ساتھ کشت و خون سے منع کر دیا،

جناب مرتضیٰ نے اس باب میں جو کچھ کیا ان کے لیے اس سے زیادہ ممکن نہ تھا،

پہلے گزر چکا ہے کہ اول دفعہ معدین کو حضرت علیؓ نے راضی کر کے واپس کر دیا تھا لیکن جب دوسری مرتبہ واپس آئے تو مروان کی عذاری نے اُن کی آتشِ غیظ و غضب کو اس قدر بھڑکا دیا تھا کہ کسی قسم کی سفارش کا اگر نہیں ہو سکتی تھی، ام المومنین ام حبیبہؓ نے ام صرو کی حالت میں حضرت عثمانؓ کو پاس کھانے پینے کا کچھ سامان پہنچانا چاہا تو معدین نے ام المومنین ام حبیبہؓ کا پاس دلچازانہ کیا اور گستاخانہ مزاحمت کی اسی طرح حضرت علیؓ نے سفارش کی کہ آبِ ودانہ کی بندش نہ کی جائے تو ان شوریدہ سروں نے نہایت سختی سے انکار کر دیا، جناب امیر کو اپنی سفارش کے نہ مانے جانے پر اس قدر صدمہ ہوا کہ عمامہ پھینک کر اسی وقت واپس چلے آئے اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے عزلت نشین ہو گئے، پھر اس نکتہ کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اگر حضرت عثمانؓ محصور تھے تو دوسرے بڑے بڑے صحابہ بھی آزاد نہ تھے، معدین نے ان لوگوں کی نقل و حرکت پر بھی سخت نگرانی قائم کر دی تھی چنانچہ ایک دفعہ حضرت امام حسنؓ نے اپنے پر رگرمی سے عرض کی کہ اگر آپ میری گزارش پر عمل کر کے محاصرہ کے وقت مدینہ چھوڑ دیتے تو آج مطالبہٴ قصاص کا جھگڑا آپ کے سر نہ پڑتا اس وقت جناب امیر نے یہی جواب دیا تھا کہ تمہیں کیا معلوم کہ میں اس وقت آزاد تھا یا قید؟

امردم یعنی قاتلون کو سزا نہ دینے کا الزام ایک حد تک لائقِ بحث ہے، اصل یہ ہے کہ اگر قاتل سے ملو وہ مخصوص اشخاص ہیں جنہوں نے براہِ راست خونریزی میں حصہ لیا تو بیشک انہیں کیفرِ کردار تک پہنچانا فرض تھا لیکن پہلے گزر چکا ہے کہ باوجود نفی و تحقیق ان کا سراغ نہ ملا اور اگر قاتل کا لفظ تمام محاصرہ کرنے والوں پر مشتمل ہے جیسا کہ امیر معاویہؓ وغیرہ کے مطالبہ سے ظاہر ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ ایک شخص کے قصاص میں ہزاروں

آدیوں کا خون نہیں بہا جاسکتا تھا، اور نہ شریعت اس کی اجازت دے سکتی تھی، پھر اس کے ساتھ اس بڑی جماعت میں بعض صحابہ کرامؓ اور بہت سے صحابہؓ روزگاہ بھی شامل تھے، جس طرح نظر صریح طلب اصلاح تھا اس لیے ان لوگوں کو قتل کر دینا ایسا عساکر کے بغیر انتقام کے بیچے دینا صریحاً ظلم تھا۔ امر سوم یعنی محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو دینا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دینے کا الزام اگر الزام ہے تو یہ ایک حد تک صحیح ہے، لیکن حضرت علیؓ اس کے لیے بالکل مجبور تھے درحقیقت اس وقت دنیائے اسلام میں تین مختلف فرقے پیدا ہو گئے تھے، شیعہ عثمان یعنی عثمانی فرقہ جو علانیہ جناب امیر کا مخالف اور اپنی ایک مستقل سلطنت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا، دوسرا گروہ اکابر صحابہ کا تھا جو اگرچہ حضرت علیؓ کو برسرِ حق سمجھتا تھا، لیکن اپنے درع و تقویٰ کے باعث خانہ جنگی میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا تھا، چنانچہ جب حضرت علیؓ نے مدینہ سے کوفہ کا قصد کیا اور صحابہ کرامؓ سے چلنے کے لیے کہا تو بہت سے صحابہؓ نے معذرت کی، حضرت سعد و قاصؓ نے کہا: مجھے ایسی تلوار دیکھی جو مسلم و کافر میں امتیاز رکھے، میں صرف اسی صورت میں چلاؤں گا کیلئے حاضر ہوں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا: خدا کیلئے مجھے ایک ناپسندیدہ فعل کیلئے مجبور نہ کیجئے، حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کہا: قبل اس کے کہ میری تلوار کسی مسلم کا خون گرے اس وقت اسے جس اہلِ چکر و دھماکہ کو ڈکڑے مارنے ہو گا میں اسے جھڑک دوں گا، ابنِ زبیرؓ نے عرض کی: میرے دو معین مجھے نجات دیکھیں، میں نے عہد کیا ہے کہ کسی کلمہ کے خون سے اپنی تلوار گین کر لوں گا، غرض یہ گروہ عملی اعانت سے قطعی کنارہ کش تھا، تیسرا گروہ شیعہ ان علیؓ کا تھا جس میں ایک بڑی جماعت ان لوگوں کی تھی جو یا تو خود محاصرہ میں شریک تھے یا وہ ان کے زیر اثر تھے، اس لیے جناب امیرؓ خواہ مخواہ بے مرضی کر کے اس بڑی جماعت کو قصد اپنا دشمن کیونکر بنا لیتے، تاہم حضرت علیؓ نے ان ہی لوگوں کو اپنا خاص تقرب عطا کیا جو درحقیقت اسکے اہل تھے، حضرت عمار بن یاسرؓ ایک بلند پایہ صحابی اور مقبول بارگاہِ نبوت تھے، محمد بن ابی بکرؓ خلیفہ

اول کے صاحبزادہ اور آغوشِ حیدر کے تربیت یافتہ تھے، اسبطح اشترغنی ایک نہایت صلح، نیک سیرت اور جان نثار تابعی تھے،

غرض اسبابِ دحل جس قسم کے ہوں اور ان کی حقیقت کچھ بھی ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ جناب مرتضیٰ کی سند نشینی کے ساتھ ہی یکا یک دنیائے اسلام میں افتراق و اختلاف کی آگ بھڑک اُٹھی اور شیرازہ ملی اس طرح کھڑ گیا کہ جناب امیر کی سعی اور جدوجہد کے باوجود ان اوراق پریشان میں شیرازہ بندی پیدا نہ ہوئی، بلکہ روز بروز مشکلات میں اضافہ ہوتا گیا اور دقتیں بڑھتی گئیں یہاں تک کہ اسلام کے سرِ شہ نظام میں فرقہ آرائی اور جماعت بندی کی ایسی گرہ پڑ گئی جو قیامت تک کسی کے ناخن تدبیر سے حل نہیں ہو سکتی،

اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب عنانِ خلافت ہاتھ میں لی تھی تو اس وقت بھی دنیائے اسلام نہایت پر آشوب تھی، لیکن دونوں حالتوں میں فرق ہے، صدیق اکبرؓ کے سامنے گو مصائب کا طوفان امنڈ رہا تھا اور کفردارِ بداد کا ابراہام کے افق پر ہر طرف سے محیط تھا، تاہم قدرت نے معین و مددگار ایسے عطا کیے تھے جنکو سرورِ کائنات کی صحبت اور تعلیم نے نامعلوم طاقت اور عرفانی جوش کا چلا بنا دیا تھا، دوسرے حریت میں حقانیت نہونے کے باعث ثبات و استقامت کی بڑی کمی تھی، برخلاف اس کے جناب امیر کے مقابلہ میں جو لوگ کھڑے ہوئے وہ دنیائے اسلام میں مخصوص عزت و اقتدار کے مالک تھے، حضرت عائشہؓ خلیفہٗ اول کی صاحبزادی اور سرورِ کائنات کی محبوب ترین حرم اور تمام مسلمانوں کی مان تھیں، اسی طرح حضرت زبیرؓ آنحضرت صلعم کے چھوٹے زاد بھائی، ہمزلف، خلیفہٗ اول کے داماد اور حواری رسول اللہؐ کے خطاب سے مخاطب تھے، حضرت طلحہؓ غزوہٗ احد کے مہر و رسول اللہؐ کے ہمزلف اور اربابِ حل و عقد میں شامل تھے، دوسری طرف

امیر معاویہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے حقیقی بھائی اور میں برس سے شام کے گورنر تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ بھی ایک ذی اقتدار صحابی اور مصر کے فاتح تھے، پھر اسی کے ساتھ ان میں سے ہر ایک اپنے کو برسر حق سمجھتا تھا، ساتھ ہی انکو ایسے جان نثار و وفا شعار ملے تھے کہ شیعان علی بن محض اشتخاص سے قطع نظر کر کے ایک بھی اس جوش و فہیمت سے سرفراز نہ تھا،

حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کا اصلی سبب یہ تھا کہ وہ جس زہد و اتقا و دینداری و امانت و عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے، اور لوگوں کو دوبارہ جس راستہ پر لانا چاہتے تھے، زمانہ کے تغیر و حالات کے انقلاب نے اُس کے لیے لوگوں کے قلوب میں حسرت باقی نہیں رکھی تھی، ایک طرف امیر معاویہ اپنے طرفداروں کے لیے بیت المال کا خزانہ لٹا رہے تھے، دوسری طرف حضرت علیؓ ہر شخص سے ایک ایک خر مہرہ کا حساب مانگتے تھے، یہی سبب تھا کہ حضرت علیؓ کے طرفدار دل برداشتہ اور ان کے اعزہ تک ان سے جدا ہو رہے تھے، لیکن بہر حال حق تھا اور ظلم باطل، اگر حضرت علیؓ ایسا نہ کرتے تو گو سیاسی حیثیت سے وہ ناکام نہ ہوتے مگر نہ ہر دہ و تقویٰ اور نہ امانت کی عدالت میں وہ ناکام ہی ٹھہرتے، ان کی بظاہر ناکامی کا دوسرا سبب بھی تھا کہ ان کے طرفداروں اور حامیوں میں پورا اتحاد و خیال اور کامل خلوص نہ تھا، اس جماعت میں ایک بڑا فرقہ عبداللہ بن سبا کا تھا جس کا عقیدہ تھا کہ جناب رضی رسول اللہؐ کے وحی بن پھر اس خیال نے یہاں تک ترقی کی کہ سبائی فرقہ کے لوگ حضرت علیؓ کو نہان سے بلا تڑپتی بلکہ بعض خدا کہنے لگے، حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو جبرائیلؑ و میکائیلؑ میں دین لیکن جو باپھیل چکی تھی اس کا دور کرنا آسان نہ تھا، اسی فرقہ نے مذہب کے علاوہ سیاسی حیثیت سے بھی نقصان پہنچایا، واقعہً اصل میں صلح ممکن تھی لیکن اسی جماعت نے پیشیدستی کر کے جنگ شروع کر دی

۱۔ اس فرقہ نے
جس کو حضرت علیؓ نے
وحی رسولؐ کو
سب سے پہلے
دوایا اور
اللہ

دوسری جماعت قرآن اور حفاظ قرآن کی تھی جو ہر معاملہ میں قرآن پاک کی لفظی مطابقت چاہتی تھی، معنی اور مفہوم سے اس کو چند ان سرور کار نہ تھا، چنانچہ داتقہ تکبیر کے بعد یہی جماعت خارجی فرقہ کی صورت میں ظاہر ہوئی،

حضرت علیؑ کے حاشیہ نشینوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو حقیقت جان نثار و وفا شعار تھے، لیکن سرکہ صفین میں کال جدوجہد کے بعد درمقصود تک پہنچ کر فتنہ کی چال سے محروم واپس آنا نہایت ہمت شکن واقعہ تھا، اس نے تمام جان نثاروں کے عزائم اور ارادے پست کر دیے تھے، غرض جناب مرتضیٰ نے گزشتہ بالابالاجوریوں کے باوجود غیر معمولی ہمت و استقلال اور عدیم النظیر عزم و ثبات کے ساتھ آخری لمحہ حیات تک شکلات و مصائب کا مقابلہ کر کے دنیا کے سامنے بے نظیر محل و سلامت رومی کا نمونہ پیش کیا، اور اپنی ناکامی کا مشاہدہ کرنے کے باوجود دیانتداری اور روح شریعت سے سربموجا و زکر ناپسند نہ فرما کر اگر ایسا نہ کرتے تو دنیا گو کامیاب ہو جاتی مگر دین ناکام رہ جاتا، جسکا بچانا ایک خلیفہ راشد اور جانشین رسولؐ کا سب سے پہلا بلکہ اصلی فرض تھا،

ملکی نظم و نسق | حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ انتظام مملکت میں حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے اور اس زمانہ کے انتظامات میں کسی قسم کا تغیر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے، ایک دفعہ بحران کے یہودیوں نے (جن کو فاروق اعظمؓ نے مجاز سے جلا وطن کر کے بحران میں آباد کر دیا تھا) نہایت بجا جت کے ساتھ درخواست کی کہ ان کو پھر اپنے قدیم وطن میں واپس آنے کی اجازت دیجائے، حضرت علیؑ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ عمرؓ سے زیادہ کون صحیح الراء ہو سکتا ہے؟

عمال کی نگرانی | ملکی نظم و نسق کے سلسلہ میں سب سے اہم کام عمال کی نگرانی ہے حضرت علیؑ کو

ملک کتب اخراج
قاسمی ایڈومنٹ
مصنف ابن ابی
شیرکتاب لغز

اس کا خاص اہتمام دیکھتا ہوں، جب کسی عامل کو مقرر کرتے تھے تو پہلے بلا کر نہایت مفید اور گراں بہا نصائح کرتے تھے، لیکن صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ عمال و حکام کے طرز عمل کی تحقیقات بھی کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے جس فرمان کے ذریعہ سے حضرت کعب بن مالکؓ کو اس کا راجہ مقرر کیا تھا اُس کے چند ابتدائی فقرے یہ ہیں:

اخرج من طائفتمن اصحابك حتى تمن
ثم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لیکر روانہ ہو جاؤ اور ان
بارض السواد کو رتہ کو رتہ فتناء لهم عن
کے ہر ضلع میں پھر کر عمال کی تحقیقات کرو اور ان کی روش
عمالهم وتنظف في سيرتهم ^۱

پر غائر نظر ڈالو،

وہ بطور خود اس شدت کے ساتھ عمال سے باز پرس کرتے تھے کہ بعض خائف ہو کر بھاگ گئے، چنانچہ ایک دفعہ اردشیر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سے قرض لیکر پانچویں لڑی اور غلام خرید کر آدھ کچھ دنوں کے بعد حضرت علیؓ نے سختی کے ساتھ اس رقم کا مطالبہ کیا، مصقلہ نے کہا خدا کی قسم عثمان کے نزدیک اتنی رقم کا چھوڑ دینا کوئی بات نہ تھی، لیکن یہ تو ایک ایک حبہ کا تقاضا کرتے ہیں، اور ناداری کے باعث مجبور ہو کر امیر سعادت کی پناہ میں چلے گئے جناب امیر کو معلوم ہوا تو فرمایا،

برحمہ اللہ فعل السید و فرار العبد
و خان خیانتہ الفاجرا ما والله لو انه
اقام رفیع ما ذنا علی حبس فان وجدنا
لہ شیئا اخذناہ وان لم نقد علی مال ترکناہ ^۲

کچھ ہوتا تو لینا درجہ معاف کر دیتا،

باز پرس کے عام اصول سے مخصوص اعزہ و اقارب بھی مستثنیٰ نہ تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ

حضرت علیؓ کے ابن عم تھے اور بصرہ کے عامل تھے، بخون نے ایک دفعہ بیت المال سے ایک بیش قرار تم لے لی حضرت علیؓ نے جہنم نانی کی تو جواب دیا کہ میں نے ابھی اپنا پورا حق نہیں لیا ہے لیکن اس جواب کے باوجود وہ خائف ہو کر بصرہ سے کھلے گئے،

صیغہ مال | حضرت علیؓ نے صیغہ مال میں خاص خاص اصلاحات جاری کیں اس سے پہلے جنگل سے کسی قسم کا مالی فائدہ نہیں حاصل کیا جاتا تھا، اس عہد میں جنگلات کو بھی حاصل ملکی کے ضمن میں دہنل کیا گیا، چنانچہ برس کے جنگل پر چار ہزار درہم مالگنداری تشخیص کی گئی، عہد نبویؐ میں گھوڑا زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھا، لیکن عہد فاروقیؓ میں عام طور پر اسکی تجارت ہونے لگی، تو اس پر بھی زکوٰۃ مقرر ہو گئی، حضرت علیؓ نے اسکو موقوف کر دیا، کیونکہ تمدنی اور جنگی فوائد کے لحاظ سے گھوڑوں کی افزائش نسل میں سہولت بہم پہنچانا نہایت ضروری تھا،

جناب امیرؓ حاصل ملکی کے وصول کرنے میں نہایت سخت تھے لیکن اسکی ساتھ رعایا کی فلاح و بہبود کا بھی خاص خیال تھا، معذور اور نادار آدمیوں کے ساتھ کسی قسم کی سختی نہیں کی جاتی تھی، یہاں تک کہ محتاج ذمی اور غیر مذاہب کے دینی پیشوا بھی جزیہ سے مستثنیٰ کر دیے گئے تھے، قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اس کے متعلق ایک مفصل فرمان درج کیا ہے، لیکن ہم طوالت کے خون سے اس کو نظر انداز کرتے ہیں،

رعایا کے ساتھ شفقت | حضرت علیؓ کا وجود باوجود رعایا کے لیے آید رحمت تھا، بیت المال کے دروازے غریب و ساکین کے لیے کھلے ہوئے تھے اور اس میں جو رقم جمع ہوتی تھی نہایت فیاضی کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی تھی، ذمیوں کے ساتھ بھی نہایت شفقت آمیز برتاؤ تھا، ایران میں مٹی ساز شون کے باعث بار بار بنا و تین ہوئیں لیکن حضرت علیؓ نے ہمیشہ نہایت

ترحم سے کام لیا، بیان تک کہ ایرانی اس لطف و شفقت سے متاثر ہو کر کہتے تھے "خدا کی قسم اس عربی نے نو شیردان کی یاد تازہ کر دی"

فوجی اختیارات | حضرت علیؑ خود مریدان تھے اس لیے قدرۃ فوج میں ہر دلعزیزی حاصل تھی، مسلسل خانہ جنگیوں اور بغاوتوں کے باعث اُن کو مخصوص اختیارات کی ضرورت پیش آئی، مثلاً ملک کا وہ حصہ جو شام سے متصل تھا، اس میں نہایت کثرت کے ساتھ فوجی چوکیاں قائم کیں، چنانچہ ۳۳ھ میں امیر معاویہ نے اپنی فوج کو متعدد حصوں میں تقسیم کر کے عراق پر عام ویرش کی تو پہلے انہی سرحدی فوجوں نے اُن کو ایسے بڑھنے سے روکا، اسی طرح ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کے باعث بیت المال اور عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے نہایت سخت کم کئے بنوائے، چنانچہ حضرت علیؑ کے عامل زیادہ نے اسی طرح جو قلعہ تعمیر کرایا تھا اس کا نام حصن زیاد تھا،

جنگی تعمیرات کے سلسلہ میں دریائے فرات کا پُل بھی جو سرحدِ صفین میں فوجی ضرورت کے خیال سے تعمیر کیا تھا لائقِ ذکر ہے

مذہبی خدمات | امام وقت کا سب سے اہم فرض مذہب کی شاعت اور تبلیغ اور خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین ہے، حضرت علیؑ عہدِ نبوت ہی سے ان خدمات میں سب سے پیش پیش تھے، مین میں اسلام کی روشنی انہی کی کوشش سے پہنچی، سورہ برات نازل ہوئی تو اس کی اشاعت و تبلیغ کی خدمت انہی کے سپرد ہوئی،

مسند خلافت پر قدم رکھا تو خانہ جنگیوں نے فرصت نہ دی، تاہم اس فرض سے بالکل غافل نہ تھے، ایران اور آرمینیا میں بعض نو مسلم عیسائی مرنے ہو گئے تھے، حضرت علیؑ نے نہایت

سختی کے ساتھ ان کی سرکوبی کی چنانچہ ان میں سے اکثر تائب ہو کر پھر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے،

خارجیوں کی سرکوبی اور بعض مسابی جو غلو کر کے جناب مرتضیٰ کو خدا کہنے لگے تھے ان کو سزا دینا بھی دراصل مذہب کی ایک بڑی خدمت تھی،

حضرت علیؓ نے قوم کی اخلاقی نگرانی کا بھی نہایت سختی کے ساتھ خیال رکھا، مجرموں کو عبرت انگیز سزائیں دین، اور جرم کی نوعیت کے لحاظ سے نئی سزائیں ایجاد کیں جو ان سے پہلے اسلام میں رائج نہ تھیں مثلاً زندہ جلانا، مکان مسار کر دینا، چوڑی کے علاوہ دوسرے جرم میں بھی ہاتھ کاٹنا وغیرہ وغیرہ لیکن اس سے یہ قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت علیؓ حدود کے اقرار میں کسی اصول کے پابند نہیں تھے، زندہ جلادینے کی سزا چند زنیوں کو دی تھی، مگر حضرت ابن عباسؓ نے آپ کو اس غلطی پر قہر کیا، اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سزا کی ممانعت فرمائی ہے، حضرت علیؓ نے جب یہ سنا تو ان کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی، شرابیوں کی سزائیں کو طون کی مقدار میں نہ تھی، حضرت علیؓ نے اس کے لیے انہی کو طے تجویز کیے،

دُڑے مارنے والوں کو ہدایت تھی کہ چہرہ اور شرمگاہ کے علاوہ تمام جسم پر کوڑا مار سکتے ہیں عورتوں کے لیے حکم تھا کہ اُن کو بٹھا کر ماریں اور کپڑے سے تمام جسم کو اس طرح چھپا دیں کہ کوئی عضو بے ستر نہ ہونے پائے، اسی طرح رجم کی صورت میں عورت کو نات تک زمین میں گھاڑ دینا چاہیے اقرار جرم کی حالت میں صرف ایک دفعہ کا اقرار کر لینا کافی نہ تھا چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر عرض کی ”ایرالمومنین! میں نے چوری کی ہے“ حضرت علیؓ نے اس دفعہ صرف غضب آلود نگاہ ڈال کر اس کو دہس کر دیا، لیکن جب اس نے پھر مکرر

حاضر ہو کر اقرارِ جرم کیا تو فرمایا اب تم نے اپنا جرم آپ ثابت کر دیا اس وقت اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا،

جرم کا ارادہ یا اُس کے لیے ابتدائی عمل قبل از وقوعِ جرم انسان کو مجرم نہیں بنا سکتا، چنانچہ ایک شخص نے ایک مکان میں نقب لگائی اور چوری کرنے سے قبل پکڑ لیا گیا حضرت علیؑ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اُس پر کسی قسم کی حد نہیں جاری کی، دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ تھا، اسی طرح اگر مجرم نشہ کی حالت میں ہو، تو نشہ اُترنے کا انتظار کیا جاتا تھا،

اسی طرح جو عورتیں ناجائز حمل سے حاملہ ہوتی تھیں اُن پر حد جاری کرنے کے لیے وضعِ حمل کا انتظار کیا جاتا تھا، تاکہ بچہ کی جان کو نقصان نہ پہنچے جبکہ حقیقت کوئی گناہ نہیں، عام قیدیوں کو بیت المال سے کھانا دیا جاتا تھا لیکن جو لوگ محض اپنے فسق و فجور کے باعث نظر بند کیے جاتے تھے وہ اگر مالدار ہوتے تھے تو خود اُن کے مال سے اُن کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا ورنہ بیت المال سے مقرر کر دیا جاتا تھا،

تعزیری سزا | حضرت علیؑ نے جو بعض غیر معمولی سزائیں تجویز کیں وہ دراصل تعزیری سزائیں تھیں، حضرت عمرؓ نے بھی اس قسم کی تعزیری سزائیں جاری کی تھیں، چنانچہ اُن کے عہد میں ایک شخص نے رمضان میں شراب پی تو اسنی کوڑے کے بجائے سو کوڑے لگوائے کیونکہ اُس نے بان نوشی کے ساتھ رمضان کی بے حرمتی بھی کی تھی،

فضل و کمال

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بچپن ہی سے درگاہ نبوت میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا، اور یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہا، خود مسند میں اُن سے روایت ہے کہ میں روزانہ صبح کو ایک خاص وقت میں معمولاً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور تقرب کا یہ درجہ میرے سوا کسی اور کو حاصل نہ تھا، ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رات دن میں دوبار اس قسم کا موقع حاصل ہوتا تھا، سفر میں بھی آپ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا تھا اور اس حالت میں بہت سے شرعی احکام سے واقف ہونے کا موقع حاصل ہوتا تھا، چنانچہ مشہور صحیح بن ہانی نے حضرت عائشہؓ سے مسح علی الخفين کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے اس کے لیے حضرت علیؓ کا نام بتایا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ آپ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے، شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں اسی تقرب و تربیت کو اُن کے فضائل کی اصلی بنیاد قرار دیا ہے، چنانچہ پہلے امام احمد بن حنبل جن کی سند سے ایک حدیث روایت کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جسد و فضائل مذکور ہیں کسی صحابی کو یہ شرف حاصل نہیں ہے، اس کے بعد اس حدیث کی تشریح اس طرح کی ہے:

عبدضعیف گوید سبب این معنی اجتماع دو جهت است در مرتبہ رضی اللہ عنہ

یکے رسول و در سوانق اسلامیہ دوم قرب قرابت اوبا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

وانجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام اصل ناس یا رحام و اعوف ناس بھوتی قرابت بودند بازچون

عنایت الہی مساعدت نمود حضرت مرتبہ را در کنار تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

انذاخت مرتبہ قرابت دو بلا شد و کرامت دیگر در کار او کردند رضی اللہ عنہما چون حضرت

فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا دعوت داد و اندرز فیضیت با و یار شد،

اس تقرب و اختصاص کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اُن کو مست کرنِ عید کی تعلیم دیتے تھے بعض موقعوں پر قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر کرتے تھے۔ چند مخصوص حدیثیں بھی قلب بند کر لی تھیں غرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابتدا ہی سے علم و فضل کے گہوارے میں تربیت پالے بغیر معمولی نجر اور فضل و کمال کے مالک ہوئے اور انا مدنیہ العلم و علی بابہ الدین علم کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں، اے طغرائے خاص سے ممتاز ہوئے،

ظاہری نوشت و خواندین بھی پورا ملکہ رکھتے تھے، گو تصریح نہیں ملتی، مگر قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلیم آپ نے بچپن ہی میں حاصل کی تھی، کیونکہ تاریخ نبوی اور تاریخ ہجرت کے روشن عہد کے تمام اہم واقعات راویوں کے بیان میں آتے ہیں، لیکن اس سلسلہ میں آپ کے حصولِ تعلیم کا ذکر نہیں ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظاہری حصولِ تعلیم کا زمانہ اس سے پہلے غالباً ختم ہو چکا تھا، تحریر و نوشت میں آپ کو جو ملکہ حاصل تھا، اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ وحی مبارک کے کا تون میں آپ کا اسم گرامی بھی داخل ہے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو کاتب و فراہین لکھے جاتے تھے، اُن میں بعض آپ کے دست مبارک کے بھی لکھے ہوئے تھے، احادیث و سیرتین خصوصیت کے ساتھ اس صلنامہ حدیث کا آپ کے ہاتھ سے لکھا جانا مذکور ہے،

۱۔ ازادۃ الخفاء جلد دوم صفحہ ۶۶۰ سے سند جلد ۸ صفحہ ۸۰۵ سے ۸۹ ص ۷۹ سے جامع ترمذی ص ۱۰۷ علی رضی اللہ عنہ ہے انشاء اللہ حکمت و وحی باجاء، لیکن امام ترمذی نے اس کو مستکر کہا ہے، حاکم نے دست بردار صفحہ ۱۴۹ اس روایت کے متعدد راویوں کو صحیح کیا ہے، اور اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی، لیکن امام ذہبی نے اُن کے صحیح کہنے کو تسلیم نہیں کیا ہے،

تفسیر اور علوم القرآن | اسلام کے علوم و معارف کا اصل سرچشمہ قرآن پاک ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سرچشمہ سے اچھی طرح سیراب تھے، وہ اُن صحابہ میں تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں پورا قرآن زبانی یاد کر لیا تھا، نہ صرف لفظی طور سے آپ اُس کے حافظ تھے، بلکہ اس کی ایک ایک آیت کے معنی اور شانِ نزول سے واقف تھے، ابن سعد بن مسعود کہ ایک موقع پر خود جناب رضی اللہ عنہ نے علی الاعلان فرمایا کہ ”میں ہر آیت کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ یہ کہاں، اور کیوں اور کس کے حق میں نازل ہوئی، حضرت علیؑ کا تفسیر میں اعلیٰ طبقہ میں تھا اور صحابہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سوا اس میں آپ کا کوئی بشکل ثانی ہے، چنانچہ تمام تراویح تفسیروں میں مثلاً ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، ابن کثیر وغیرہ میں بکثرت آپ کی روایت سے آیات کی تفسیریں منقول ہیں، ابن سعد میں ہے کہ آپ نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد چھ مہینے تک جو گوشتہ نشینی اختیار کی اس میں آپ نے نہایت بیٹھ کر قرآن مجید کی تمام سورتوں کو نزول کی ترتیب سے مرتب کیا، ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں سورتوں کی اس ترتیب کو نقل کیا ہے:

قرآن پاک، جتنا اور مسائل کے استنباط میں آپ کو بیٹھنے کی ضرورت تھی، چنانچہ حکیم کے مسئلہ میں جو خارج نے آپؐ اعتراض کیا کہ فیصلہ کا حق خدا کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں کہ ان الحکمہ لا اللہ، آپ نے قرآن کے تمام حفاظ اور واقف کاروں کو جمع کیا اور فرمایا کہ میان یہودی میں جب اختلافِ رائے ہو تو اللہ تعالیٰ حکم بنانے کی اجازت دے، ان خفتہم شقاق بینہما فاما یبعث لہما من اہلہ وحکمہ لہما اور امت محمدیہ میں جب اختلافِ رائے ہو جائے تو حکم بنانا جائز نہ ہو، کیا تمام امت محمدیہ کی حیثیت ایک مرد اور ایک عورت سے بھی خدا کی نگاہ میں کم ہے؟

سلف ابن سعد جز ثانی، قسم ثانی صفحہ ۱۰۱، سند ابن جنبل جلد اول صفحہ ۸۶،

علمِ تاسخ و منسوخ میں آپ کو کمال حاصل تھا، اور اُس میں آپ کو بڑا اہتمام مد نظر تھا، اُن لوگوں کو جن کو اس میں درک نہ ہوتا، آپ درس و وعظ سے روک دیتے تھے، چنانچہ کو فہم میں آپ کی جامع مسجد میں جو شخص وعظ و تذکرہ کرنا چاہتا تھا، آپ دریافت فرماتے تھے کہ تم کو تاسخ و منسوخ کا بھی علم ہے، جب وہ نفی میں جواب دیتا تھا تو اُس کو زبردستی فرماتے تھے، اور درس و وعظ کی اجازت نہیں دیتے تھے،

آیات کی تفسیر و تاویل کے متعلق آپ سے اس قدر کثیر روایتیں ہیں کہ اگر ان کا استحصا کیا جائے تو ایک مستقل ضخیم کتاب تیار ہو جائے، اسی لیے بیان اُن کو نقل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، بعض لوگوں کو خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو ان ظاہری علوم کے سوا کچھ خاص باتیں اور بھی بتائی ہیں، اُن کے شاگردوں سے اُن سے پوچھا کہ کیا قرآن کے سوا کچھ اور بھی آپ کے پاس ہے؟ فرمایا قسم ہے اس کی جو دانہ کو پھاڑ کر درخت اگانا ہے اور جو جان کو جسم کے اندر پیدا کرتا ہے، کہ قرآن کے سوا کچھ اور نہیں، لیکن قرآن کے سمجھنے کی قوت و فہم، یہ دولت خدا جس کو چاہے دے، اور چند حدیثیں میرے پاس ہیں، اس موقع پر علی مرتضیٰ نے جو قسم کھائی ہے، میرے خیال میں اس میں بھی ایک خاص نکتہ ہے، یعنی قرآن کی آیتوں کی مثال تخم اور جسم کی ہے، اور اس کے معنی و مقصود کی مثال درخت کی ہے جو اسی تخم سے پیدا ہوتا ہے، اور جان کی ہے جو جسم میں پوشیدہ رہتی ہے تو جس طرح ایک چھوٹے تخم کے اندر سے اتنا بڑا عظیم الشان درخت پیدا ہو جاتا ہے، جو حقیقت اس کے اندر مخفی تھا، اور اسی طرح روح بھی اسی جسم میں چھپی رہتی ہے اور تمام اعمال انسانی اسی سے ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح قرآن پاک کے ان ظاہری الفاظ کے معانی و مطالب ہر صاحب فہم اپنی استعداد کے مطابق پیدا کرتا ہے اور

علمِ حدیث جناب مرتضیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوشِ تعلیم میں تقریباً تیس برس کی زندگی پائی اور یہ تمام تر زمانہ رفاقتِ نبوی میں بسر کیا، اس لیے احکام و فرائض، اور ارشاداتِ نبوی کے خزانہ کا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو چھوڑ کر آپ سے زیادہ امین کون ہو سکتا ہے، پھر آپؐ تمام اکابر صحابہ میں وفاتِ نبوی کے بعد سب سے زیادہ عربانی، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقریباً تیس برس تک ارشاد و افادت کی مسند پر جلوہ گر رہے، خلفائے سابقین کے عہد میں بھی آپ کے سپرد یہ خدمت رہی، اور ان کے بعد جب آپ خود منصبِ خلافت پر مامور ہوئے تو یہ فیض بدستور جاری رہا، اس لیے تمام خلفاء میں احادیث کی روایت کا زمانہ آپ کو سب سے زیادہ ملا، اور اسی لیے خلفائے سابقین کے مقابلہ میں آپ کی روایتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے تاہم اس بنا پر کہ احادیث کی روایت میں آپ بھی دیگر خلفاء اور اکابر صحابہ کی طرح محتاط و مترشد تھے، عام کثیر الروایہ صحابہ کے مقابلہ میں آپ کی روایتیں بہت کم ہیں، چنانچہ آپ سے کل ۵۸۶ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بیس حدیثوں پر بخاری و مسلم دونوں کا اتفاق ہے، اور نو حدیثیں صرف بخاری میں ہیں، مسلم میں نہیں، اور دس حدیثیں مسلم میں ہیں بخاری میں نہیں، غرض صحیحین میں آپ کی انتالیس حدیثیں ہیں

آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست جو حدیثیں نقل فرمائی ہیں ان کے علاوہ اپنے رفقاء اور ہم عصرون سے بھی روایں لی ہیں چنانچہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت مقداد بن الاسودؓ، اور اپنے جگر گوشہ رسولِ فاطمہؓ بولِ رضی اللہ عنہا سے بھی روایتیں کی ہیں جن لوگوں نے آپ سے روایتیں کی ہیں ان میں آپ کی عزتِ مطہرہ اولاد و امجاد میں سے حسب ذیل اصحاب ہیں: حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، محمد بن حنفیہؓ، عمر فاطمہؓ، اصحابِ زادے اور صاحبِ زادیان محمد بن عمر بن علیؓ، علی بن حسین بن علیؓ (پوتے)، عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالبؓ،

جعدہ بن ہبیرہ مخزومیؓ (جھانج) اور عام اصحاب میں سے حسب ذیل اصحاب آپ کے حلقہ علم سے نسبت رکھتے ہیں، حضرت عبدالمد بن مسعودؓ، براء بن عازبؓ، ابو ہریرہؓ، ابو سعید خدریؓ، ابوبکر بن شمیم غفاریؓ، زید بن ارقمؓ، سفینہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صہیبؓ، رومیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، عمرو بن حربؓ، نزال بن سبرہ ہلالؓ، جابر بن سمرہؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابو حمزہؓ، ابو امامہؓ، ابولیلیٰ انصاریؓ، ابو موسیٰؓ، مسعود بن حکم زرقیؓ، ابوالفضل عامر بن داؤدؓ، عبید اللہ بن ابی رافعؓ، کاتبؓ اور ام موسیٰؓ (جاریہ)

اور تابعین میں سے حسب ذیل افخاص نے آپ سے فیض پایا، زبیر بن حبیشؓ، زید بن وہبؓ، ابوالاسود دؤلیؓ، حارث بن سویدؓ، لقیؓ، حارث بن عبداللہؓ، الاعورؓ، جرحمہ مولیٰ اسامہ بن زیدؓ، ابوسان حنینؓ، بن منذر القاشیؓ، حمیہ بن عبداللہؓ، الکندیؓ، ربیع بن حراشؓ، شریح بن ہانیؓ، شریح بن النعمانؓ، الصاکدیؓ، ابوداؤد شقیقؓ، بن سلمہؓ، شیبؓ، بن ربیعؓ، سوید بن غفلہؓ، عاصم بن ضمرہؓ، عامر بن شراحیلؓ، لشعیؓ، عبدالمد بن سلمہؓ، مرویؓ، عبدالمد بن شدادؓ، بن الہادؓ، عبدالمد بن شعیقؓ، عبدالمد بن یحییٰؓ، بن مرقنؓ، عبدالمد بن بزیڑؓ، الہدانیؓ، عبدالرحمنؓ، بن ابی نعیمؓ، عبیدہؓ، سلمانیؓ، علقمہؓ، بن قیسؓ، النخعیؓ، عمیر بن سعیدؓ، النخعیؓ، قیس بن عبادؓ، البصریؓ، مالک بن اوسؓ، بن حدثانؓ، مردانؓ، بن حکمؓ، امویؓ، مطرف بن عبداللہؓ، بن شخیرؓ، نافع بن جبیرؓ، بن سلمؓ، ہانی بن ہانیؓ، یزید بن ابی نعیمؓ، ابوبروہ بن ابی الموسیٰؓ، الاشعریؓ، ابوحمیہؓ، دادعیؓ، ابوالخلیلؓ، الحضرمیؓ، ابوالصالحؓ، الحضرمیؓ، ابوالکھنسیؓ، ابو عبدالرحمنؓ، السلمیؓ، ابو عبیدہؓ، مولیٰ ابن ازہرہؓ، ابوالیمانؓ، الاسدیؓ، وغیرہ،

شاہ دلی اللہ صاحب نے حضرت علی مرتضیٰؓ کی تمام حدیثوں کی ایک اجمالی نظر ڈال کر یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیلہ قدسؓ آپ کی نماز و مناجات و دعا اور نوافل کے

لغویہ فرست ہند بامہذب سے منقول ہے،

کے متعلق سب سے زیادہ روایتیں حضرت مرتضیٰؑ ہی سے ہیں جبکی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت رفاقت بنوی میں رہتے تھے، اور ان کو عبادتوں سے خاص شغف تھا،

احادیث کو صورت تحریر میں لانے کا شرف جن چند صحابہ کو حاصل ہوا ان میں حضرت علی مرتضیٰؑ بھی داخل ہیں، فہم قرآن کے سلسلہ میں جو روایت اور پرگذری ہے اس میں چند حدیثوں کا ذکر ہے وہ دہی ہیں جن کو آنحضرت صلیع سے سکر آپ نے ایک لبنے کا غذر لکھ لیا تھا، یہ تحریر لپیٹی ہوئی آپ کی تلوار کے نیام میں لٹکی رہتی تھی، اسی کا نام آپ نے صحیفہ رکھا تھا اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں آیا کرتا ہے، یہ حدیثیں چند فقہی احکام سے متعلق تھیں،

عمودا جہناد حضرت علی مرتضیٰؑ کو فقہ و اجتہاد میں بھی کامل دسترس حاصل تھی، بلکہ علم و اطلاع کی وسعت کی حیثیت سے دیکھا جائے تو آپ کی ستھرانہ قوت سب سے اعلى مانتی پڑے گی، بڑے بڑے صحابہ بیان تک کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کو بھی گاہے گاہے حضرت مرتضیٰؑ کے فضل و کمال کا ممنون ہونا پڑا،

فقہ و اجتہاد کے لیے کتاب و سنت کے علم کے ساتھ مریعت فہم، دقیقہ منجی انتقال ذہنی اور کثرت معلومات کی ضرورت ہے، اور حضرت علی مرتضیٰؑ کو یہ دولت خدا داد حاصل تھی، مسئل سے شکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ واقعہ پیش آتا تھا مگر حضرت علی مرتضیٰؑ اس کی تہ کو بآسانی پہنچ جاتے تھے، اور صحیح جواب دیتے تھے، شاہ دلی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں آپ کی طباعی اور انتقال ذہنی کے بہت سے قصے نقل کیے ہیں، لیکن ہم طوالت کے خوف سے

سہ ازالۃ الخفاء، صفحہ ۲۷، سہ صحیح بخاری کتاب العلم باب کتاب العلم و حبسہ دوم و کتاب الاعتصام و سند

ابن جنبل جلد اول صفحہ ۷۰۹،

اُن کو نظر انداز کرتے ہیں

ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مجنون زانیہ عورت پیش کی گئی حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا، حضرت علیؓ نے کہا یہ ممکن نہیں کہ مجنون حد و شرعی سے مستثنیٰ ہیں، یہ سنکر حضرت عمرؓ اپنے ارادہ سے باز آگئے، ایک بار حضرت عمرؓ نے حضرت حبیب بن جعفرؓ کو احرام کی حالت میں زعفرانی لباس پہنے دیکھا، تعجب سے پوچھا کہ یہ لباس کیا؟ حضرت علیؓ نے برہم ہو کر کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص ہم لوگوں کو سنت کی تعلیم دے سکتا ہے حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے،

ایک دفعہ حج کے موسم میں حضرت عثمانؓ کے سامنے کسی نے شکار کا گوشت بچا کر پیش کیا، لوگوں نے بحالت احرام اس کے کھانے کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف کیا، حضرت عثمانؓ اس کے جواز کے قائل تھے، انھوں نے کہا کہ بحالت احرام خود شکار کر کے کھانا منع ہے لیکن جب کسی دوسرے غیر محرم نے شکار کیا ہے تو احرام کی حالت میں ہم کو اس کے کھانے میں کیا ہرج ہے، دوسروں نے اس سے اختلاف کیا، حضرت عثمانؓ نے دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں قطعی فیصلہ کس سے معلوم ہو گا؟ لوگوں نے کہا علیؓ سے، چنانچہ وہ آپ کے پاس آئے اور مسئلہ کی صورت پیش کی، حضرت مرتضیٰؓ کام میں مشغول تھے، اُسکو چھوڑ کر فوراً متوجہ ہو گئے، اور فرمایا جن لوگوں کو یہ واقعہ یاد ہو وہ شہادت دیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب آپ احرام کی حالت میں تھے، ایک گور خر شکار کر کے پیش کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم لوگ تو احرام کی حالت میں ہیں یہ اُن کو کھلا دو جو احرام میں نہیں ہیں حاضرین میں سے بارہ آدمیوں نے اُٹھ کر اس کی شہادت دی، اسی طرح آپ نے دوسرے واقعہ کا حوالہ دیا،

جسین کسی نے آپ کے سامنے اسی حالتِ احرام میں شتر مرغ کے انڈے پیش کیے تھے، آپ نے اُن کے کھانے سے بھی احتراز فرمایا، اس کی بھی کچھ لوگوں نے گواہی دی، یہ سنکر حضرت عثمانؓ اور اُن کے رفقاء نے اُس کے کھانے سے پرہیز کیا،

ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے کسی نے آ کر یہ مسئلہ پوچھا کہ ایکٹ پاؤں دھونے کے بعد کئے دن تک موزوں پر سح کر سکتے ہیں فرمایا علیؓ سے جا کر دریافت کرو اُن کو معلوم ہوگا کیونکہ وہ سفر میں آنحضرت صلیع کے ساتھ رہا کرتے تھے، چنانچہ وہ سائل حضرت علیؓ کے پاس گیا، اُنھوں نے بتایا کہ سا فر تین دن تین رات تک اور عقیم ایک دن ایک رات،

حضرت علیؓ کی اجتہادِ دی قوت اور دقتِ نظر کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اُنکے حریف بھی دقیق اور شکل سائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کے لیے مجبور ہوتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے خط لکھ کر دریافت کیا کہ ختی شکل کے لیے وراثت کی کیا صورت ہے یعنی وہ مرد قرار دیا جائے یا عورت؟ حضرت علیؓ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دشمن بھی علم دین میں ہمارے محتاج ہیں پھر جواب دیا کہ پیشاب گاہ سے اندازہ کرنا چاہیے کہ وہ مرد ہے یا عورت۔

فتویٰ سائل میں حضرت علیؓ کی وسعتِ نظر کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ وہ جو بات نہیں جانتے تھے اسکو آنحضرت صلیع سے دریافت کیا کرتے تھے، بعض ایسے مسئلے جو شرم و حیا اور باہمی تازہ رشتہ کے باعث وہ براہِ راست نہیں پوچھ سکتے تھے، تو کسی دوسرے کو فرماتے تھے وہ جا کر

اے سدا بن جنبل جلد اول صفحہ ۱۰۰، عثمانؓ میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، بہت سے لوگ حضرت عثمانؓ کے استدلال کو صحیح سمجھتے ہیں اور دیگر احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، بہر حال حضرت علیؓ کا فونی زیادہ غنا طمان ہے اسی لیے حضرت عثمانؓ نے اس کو قبول کر لیا، اے سدا بن جنبل جلد اول صفحہ ۶۶ و جلد ۶ صفحہ ۵۵ اسلئے تاریخِ خلفاء، سیوطیؒ و الامین سعد بن منصورؒ و مسند شامؒ

آنحضرت صلعم سے دریافت کرتا تھا، اور آپ کو آکر اطلاع دیتا تھا، چنانچہ مذی کا ناخص وضو ہونا، آپ نے اسی طرح مالوہ اسطرہ دریافت کرایا۔

حضرت علی مرتضیٰ متعدد مسائل میں عام صحابہ سے مختلف رائے رکھتے تھے خصوصاً حضرت عثمان غنی سے بعض خاص مسائل میں وہ شدید اختلاف رکھتے تھے، مثلاً حضرت عثمان حج تمتع کو جائز نہیں سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ یہ صرف لوطانی اور بے انسی کی وجہ سے آپ کے عہد میں جائز تھا، اب وہ حالت نہیں ہے، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ ہر حال میں جائز سمجھتے تھے، اس طرح حالت احرام میں نکاح اور حالت عدت میں عورت کی وراثت وغیرہ کے مسائل میں بھی اختلاف تھا،

حضرت علی مرتضیٰ کو تمام عمر مدینہ منورہ میں رہے، لیکن اپنی خلافت کا عہد تمام مکرّمہ میں گزارا، اور احکام اور مقدمات کے فیصلے کا زیادہ موقع یہیں پیش آیا، اس لیے آپ کے مسائل و اجتہادات کی زیادہ تراشاعت عراق ہی میں ہوئی، اسی بنا پر حنفی فقہ کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد حضرت مرتضیٰؓ ہی کے ارشادات اور فیصلوں پر ہے،

تھنا اور فیصلے حضرت مرتضیٰؓ انہیں خصوصیات کی بنا پر مقدمات کے فیصلوں اور قضا کے لیے نہایت موزون تھے اور اس کو صحابہ عام طور سے تسلیم کرتے تھے، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اقتضانا علی و اقرأنا ابی، یعنی ہم میں مقدمات کے فیصلے کیلئے سب سے موزون علی بن ابیہن اور سب سے بڑے قاری ابیہن، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم صحابہ کہا کرتے تھے کہ تمام مدینہ والوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں،

سہ صحیح بخاری وغیرہ کتاب الوضوء سہ طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ۲ صفحہ ۱۰۲ سہ مستدرک مساکم

آنحضرت صلی علیہ وسلم کی جو ہر شے اس نظر سے حضرت مرتضیٰ کی اس خدا داد قابلیت کا پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا، مین جب اسلام لایا تو آنحضرت صلی علیہ وسلم نے وہاں کے عہدہ قضا کے لیے آپ کو منتخب فرمایا، حضرت علیؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ وہاں نئے نئے مقدمات پیش ہوں گے، اور مجھے قضا کا تجربہ اور علم نہیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو راہِ راست اور تمہارے دل کو ثبات و استتلال بخشے گا، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پھر مجھے مقدمات کے فیصلہ میں تذبذب نہ ہوا،

آنحضرت صلی علیہ وسلم نے آپ کو قضا اور فصل مقدمات کے بعض اصول بھی تعلیم فرمائے، ارشاد ہوا کہ اے علیؓ جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چمکانے لگو تو صرف ایک آدمی کا بیان سن کر فیصلہ نہ کرو، اس وقت تک اپنے فیصلہ کو روکو جب تک دوسرے کا بیان بھی نہ سن لو،

مقدمات میں اہل مقدمہ اور گواہوں پر حرج اور سوالات کر کے اس کی واقعیت کا یقین کرنا بھی حضرت علیؓ کے اصول قضا میں داخل تھا، لیکن ایک عورت نے آپ کی عدالت میں اگر علاقہ اپنی نسبت جرمِ زنا کا اعتراف کیا، آپ نے اس سے پے درپے متعدد سوالات کیے اور جب وہ آخر تک اپنے بیان پر قائم رہی تو اس کی سزا کا حکم دیا، اسی طرح لوگوں نے ایک شخص کو چوری کے الزام میں پکڑ کر پیش کیا، اور دو گواہ بھی پیش کر دیے، آپ نے گواہوں کو سخت چٹکی دی کہ اگر تمہاری گواہی جھوٹی نکلی تو میں یہ سزا دوں گا اور یہ کر دوں گا اور وہ کر دوں گا، اس کے بعد کام میں مصروف ہو گئے، فراغت کے بعد دیکھا تو دونوں گواہ موقع پا کر جلد بے ہوش ہو گئے، آپ نے ان کو بے قصور پا کر چھوڑ دیا، مین بن حضرت علیؓ نے دو عجیب و غریب مقدمات کا فیصلہ کیا، مین نیا نیا مسلمان ہوا تھا، اپنی

۱۔ سنہ ابنِ جلد اول صفحہ ۸۳، ۲۔ حاکم جلد ۲ صفحہ ۱۱، ۳۔ سنہ ابنِ جلد اول صفحہ ۱۲۳ و ۱۲۴، ۴۔ سنہ ابنِ جلد اول صفحہ ۱۲۵

۵۔ تاریخ الخلفاء ابوالحسن ابن ابی شیبہ

باتین ابھی تازہ تھیں، ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس سے ایک ہی ماہ کے اندر تین مرد غلط کر چکے تھے، تو ماہ بعد اُس کے لڑکا ہوا، اب یہ نزاع ہوئی کہ وہ لڑکا کس کا قرار دیا جائے، ہر ایک نے اس کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا، حضرت علیؑ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکے کی دیت کے تین حصے کیے، پھر قرعہ ڈالا جسکے نام قرعہ نکلا لڑکا اس کے حوالہ کیا اور بقیہ دونوں کو دیت کے تین حصوں میں سے دودھ سے اس سے لیکر دوا دیے، گویا غلام کے مسئلہ پر اُس کو قیاس کیا، آنحضرت صلیم نے جب حضرت علیؑ کا یہ فیصلہ سنا تو آپ نے تبسم فرمایا،

میں مین ایک اور اقمہ پیش آیا، چند لوگوں نے شیر کے پھسلنے کے لیے ایک کنواں کھودا تھا، شیر اس میں پھنس کر گر گیا، چند اشخاص ہم مذاق میں ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے، کہ اتفاق سے ایک کا پاؤں پھسلا اور وہ اُس کنوئین میں گرا، اس نے اپنی جان بچانے کے لیے بدعا سی میں دوسرے کی کسر پکڑ لی وہ بھی سنبھل نہ سکا، اور گرا، اور گرنے لگے اس نے تیسرے کی کمر تھام لی تیسرے نے چوتھے کو پکڑ لیا۔ غرض چاروں اس میں گرے اور شیر نے چاروں کو مار ڈالا، ان مقتولین کے درخت باہم آمادہ جنگ ہوئے، حضرت مرتضیٰ نے اگر جنگ مہ و فساد سے روکا، اور فرمایا کہ ایک رسول کی موجودگی میں یہ قتل و فساد مناسب نہیں، میں فیصلہ کرتا ہوں، اگر وہ پسند نہ ہو تو دربار رسالت میں جا کر تم اپنا متہم پیش کر سکتے ہو، لوگوں نے رضامندی ظاہر کی، آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے یہ کنواں کھودا ان کے قبیلوں سے ان مقتولین کے خون بہا کی رقم اس طرح وصول کی جائے کہ ایک پوری ایک ایک ہتائی، ایک ایک چوتھائی، اور ایک آدھی پہلے مقتول کے ورثہ کو ایک چوتھائی خون بہا دوسرے کے شمش تیسرے کو نصف، اور چوتھے کو پورا خون بہا دلایا،

لوگ اس بظاہر عجیب و غریب فیصلہ سے راضی نہ ہوئے اور حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر ہو کر

اس فیصلہ کا مرافعہ (اپیل) عدالت بنوئی میں پیش کیا، آنحضرت مسلم نے اس فیصلہ کو برقرار رکھا، روایت میں یہ مذکور نہیں کہ یہ فیصلہ کس اصول پر کیا گیا تھا، مرنے پہلے شخص کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ اس کو چوتھائی اس لیے ملا کہ وہ فوراً دپرسے لگتا تھا، ہمارا خیال ہے کہ حضرت علیؓ مرتضیٰ نے اس فیصلہ میں اس اصول کو پیش نظر رکھا ہے کہ یہ حادثے بالقصد قتل اور اتفاقی قتل کے درمیان ہیں، غرض قصد اور عدم قصد کے بیچ بیچ کی شکل ہے، اس لیے عدم قصد و اتفاق اور قصد و ارادہ ان دونوں میں جسکا حصہ جس متول میں زیادہ ہے اتنا ہی اُسکو کم دیش دلیا گیا، اس کے بعد وراثت کا اصول پیش نظر رہا، چونکہ یہ معاملہ چار آدمیوں کا تھا، اس لیے کم سے کم رقم ایک چوتھائی مقرر کی، اُس کے نکل جانے کے بعد تین آدمی رہ گئے تو اُسکو تہائیوں پر تقسیم کر کے تیسرا حصہ یعنی ایک تہائی اس کو دلیا، باقی دو بچے تو دوسرے کے نصف تیسرے کا مقرر کیا، اب غور کیجئے کہ اصل حرم اُن لوگوں کا تھا جنہوں نے آبادی کے قریب ان کھوڑ کر شیر بھنسانے کی غلطی کی، اس لیے کسی متعین قاتل نہ ہونے کے سبب سے قسامت کے اصول سے خون بہا کو ان کے کھودنے والوں اور ان کے ہم قبیلوں پر عائد کیا، پہلا شخص گواہ اتفاقاً گرا، مگر ایک دوسرے کے ڈھکیلنے کے نتیجہ کو بھی اس میں دخل تھا، اس لیے پہلے شخص کے گرنے میں اتفاق کا زیادہ اور قصد کو بہت کم دخل تھا، اس لیے وہ خن بہا کا کم سے کم ستمی ٹھہرا، یعنی ایک چوتھائی، پہلے نے دوسرے کو گواہ بقصد کھینچا، مگر غایت بدحواسی میں ذرا اُسکو اپنے فضل کے نتیجہ کے سوچنے سمجھنے کا بالکل موقع نہیں ملا، اس لیے پہلے کے مقابلہ میں اس میں اتفاق کا عنصر کم اور قصد کا کچھ زیادہ ہے اس لیے وہ تہائی کا مستحق ہوا، دوسرے کو پہلے نہایت بڑے کو کھج کر اپنے فضل کے نتیجہ کے سوچنے سمجھنے کا موقع زیادہ ملا، اس لیے اس میں اتفاق کے مقابلہ میں قصد کا عنصر زیادہ تھا، اس لیے اُس کو نصف دلیا گیا، تیسرے نے چوتھے کو کھینچا، حالانکہ وہ سب سے دو گنا

اور گزشتہ شام کو تیسرے نے خوب غور سے دیکھ لیا تھا، اس لیے وہ تمام تر قصد و ارادہ سے گرایا گیا،
نیز یہ کہ اُس نے اپنے پہلے رفقا کی طرح کسی اور کے گرانے کا جرم بھی نہیں کیا، اس لیے وہ پوی
دیت کا مستحق تھا، واللہ اعلم

ایک اور مقدمہ کا اس سے بھی زیادہ دلچسپ فیصلہ آپ نے فرمایا، دو صاحبِ دماغ مسافر
تھے، ایک صاحب کے پاس تین روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس ۵ روٹیاں تھیں، دونوں
ملکر ایک ساتھ کھانے کو بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک تیسرا مسافر بھی آگیا، وہ بھی کھانے میں شریک ہوا
کھانے سے جب فراغت ہوئی تو اس نے آٹھ درم اپنے حصہ کی روٹیوں کی قیمت دیدی، اگلے بڑھ گیا
جن صاحب کی بائچ روٹیاں تھیں انھوں نے سید صاحب یہ کیا کہ اپنی بائچ روٹیوں کی قیمت
۵ درم لی، اور دوسرے صاحب کو ان کی تین روٹیوں کی قیمت تین درم دینے چاہے مگر وہ سپر
راضی نہ ہوئے اور نصف کا مطالبہ کیا، یہ معاملہ عدالتِ مرتضوی میں پیش ہوا، آپ نے دوسرے
صاحب کو نصیحت فرمائی کہ تمہارا رفیق جو فیصلہ کر رہا ہے اس کو قبول کر لو، اس میں زیادہ تمہارا نفع
ہے، لیکن انھوں نے کہا کہ حق کے ساتھ جو فیصلہ ہو مجھے منظور ہے، حضرت مرتضیٰؑ نے فرمایا کہ حق تو یہ ہے
کہ تم کو صرف ایک درم اور تمہارے رفیق کو ۷ درم ملنے چاہئیں، اس عجیب فیصلہ سے وہ متحیر رہ گیا
آپ نے فرمایا، تم تین آدمی تھے، تمہاری تین روٹیاں تھیں اور تمہارے رفیق کی بائچ تم دونوں نے
برابر کھائی، اور ایک تیسرے کو بھی برابر کا حصہ دیا، تمہاری تین روٹیوں کے حصہ تین جگہ کیے جائیں تو
۱۵ ٹکڑے ہوتے ہیں تمہارے رفیق کی بائچ روٹیوں کے تین تین ٹکڑے کیے جائیں تو وہ ۱۵ ٹکڑے ہوتے
ہیں، تم اپنے ۱۵ ٹکڑوں اور اُس کے پندرہ ٹکڑوں کو جمع کر دو تو ۳۰ ٹکڑے ہوتے ہیں، ان میں سے ہر ایک نے
برابر ۱۰ ٹکڑے کھائے تو فی کس ۱۰ ٹکڑے پڑتے ہیں، تم نے اپنے ۱۵ میں سے آٹھ خود کھائے، اور ایک تیسرے
مسافر کو دیا، اور تمہارے رفیق نے اپنے ۱۵ ٹکڑوں میں سے ۵ خود کھائے اور ۱۰ تیسرے کو دیے، اس لیے

مدد مین سے ایک کے تم اورے کا وہ متحق ہے،

کبھی کبھی کوئی لغو مقدمہ پیش ہوتا تو آپ زندہ دلی کا ثبوت بھی دیتے تھے، ایک شخص نے ایک شخص کو یہ لکڑ پش کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ اُس نے میری مان کی آبروریزی کی ہر فرمایا لزم کو دھوپ میں لیجا کر کھڑا کرو، اور اُس کے سایہ کو سو کوڑے مارو،

حضرت علی مرتضیٰ کے فیصلے قانون کی نظائر کی حیثیت رکھتے تھے، اس لیے لوگوں نے اُن کو تحریری صورت میں مدون کر لیا تھا، مگر چونکہ اس عہد میں اختلاف آراء اور فرقہ رانی کا زایہ شروع ہو چکا تھا، ان میں تعریف بھی ہونے لگی چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے جب ان کے فیصلوں کا تحریری مجموعہ پیش ہوا، تو اس میں کے ایک حصہ کو اُنھوں نے جعلی بتایا اور کہا کہ اپنی عقل و ہوش کے بجائے اُن کے ساتھ علی کبھی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے،

علم اسرار و حکم | دنیا میں اہل حکمت اور متکلمین کے دو گروہ ہیں، ایک وہ جو اپنی عقل فہم اور علم کی بنیاد پر شرعی حکم کی جزئی مصلحتوں پر نگاہ رکھتے ہیں اور اس کے اسرار و حکم کی تلاش میں رہتے ہیں، دوسرا گروہ وہ ہے جو ایک ایک حکم کے جزئی مصلحت سے دلچسپی نہیں رکھتا، بلکہ وہ کلی طور پر پوری شریعت پر ایک مبصرانہ نگاہ ڈال کر ایک کلی اصول طے کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان احکام میں جو جزئی مصلحتیں رکھی ہیں ان کی تلاش اور جستجو کی ضرورت نہیں سمجھتا، صحابہ میں حضرت عائشہ صدیقہ کا مذاق علم پہلی قسم کا، اور حضرت علی مرتضیٰ کا ذوق پسند دوسری قسم کا معلوم ہوتا ہے ان کی نظر احکام کی نظری کیفیت پر اتنی نہیں پڑتی جتنی اُن کی عملی کیفیت پر، اسی لیے کسی حکم کا انسان کی ظاہری عقل کے خلاف ہونا اُن کے نزدیک چنداں اہم نہیں کہ انسانی عقل خود ناقص ہے، وہ کسی حکم شرعی کی صحت اور صواب کا معیار نہیں بن سکتی،

لے تاریخ الخلفاء سیوطی، ہدایت زہر جیش، ایضاً بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ، صفحہ ۱۷۷، معجم مسلم،

صحیح بخاری کی تعلیقات میں ہے کہ ایک نفع حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا:

حدّ ثوالناس بما یحی فون أتیجتون ان لوگوں سے وہی کو جو کچھ سکتے ہوں کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ
یکذب اللہ ورسولہ (کتاب العلم) خدا یا خدا کا رسول مجھ لایا جائے

مقصود یہ ہے کہ اگر ان سے ایسی باتیں کی جائیں جو ان کے فہم سے بالاتر ہوں تو لامحالہ اپنی
بیوقوفی سے وہ ان باتوں کو غلط سمجھیں گے، اور اس طرح وہ نادانستی میں خدا اور رسول کی تکذیب کے
جرم کے مرتکب ہوں گے، اس لیے لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق گفتگو کرنی چاہیے کہ مصالح آپ
ہر شخص کی سمجھ میں کیساں نہیں آسکتے ہیں

احکام اور روایات کے بعض الفاظ اگر متعدد معنوں کو مختل ہوں تو آپ فرماتے ہیں کہ ان میں سے
وہی معنی صحیح ہوں گے جو رسالت اور نبوت کی شان کے مطابق ہیں "سند ابن صہیل کے مطابق اس
روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں آپ نے فرمایا :-

اذا حدّثت عن رسول اللہ صلعم یجد بیث جب تم سے رسول اللہ صلیم کی کوئی حدیث بیان کی جائے تو
فظنوا بہ الذی ہوا ھدی والذی ہوا نفی اُس کے معنی وہ سمجھو جو زیادہ راہ راست زیادہ پرستگار
والذی ہوا ھنا (صفحہ ۱۳) اور زیادہ بہتر ہو،

موزون پر سح کرنا سنت ہے، لیکن یہ سح نیچے تلون پر نہیں بلکہ اوپر پاؤن پر کیا جاتا ہے حضرت
علی مرتضیٰ فرماتے ہیں جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے،

لو کان الدین بالسرائی لکان باطن القلین اگر احکام دین ظاہری عقل مرے سے بنائے جاتے تو لوے
احق بالمسح من ظاہرہما وقد مسہ النبی صلیم اوپکے پاؤن سے زیادہ سح کے سحق ہوتے لیکن آنحضرت صلیم
حلی ظہر خفیہ (باب کیف المسح) موزون کی پشت پا پر سح فرمایا،

حضرت مرتضیٰ کا مقصود یہ ہے کہ چلنے کی وجہ سے اگر گرد و خرابی کے دور کرنے اور صفائی کی غرض سے

یہ مسح ہونا تو نیچے کے تلوؤں پر مسح ہوتا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے نہیں اور پر مسح فرمایا اس لیے احکام الہی کے مصالح کی قیاس میں محض ظاہری عقل و دماغ کو دخل نہیں ہے،

یہی روایت سند بن جبیل (جلد اول صفحہ ۱۱۴) میں اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھتا تو سمجھنا کہ نیچے مسح کرنا اور پر مسح کرنے سے زیادہ بہتر ہے یعنی ظاہری قیاس کا مقتضی یہی تھا، مگر حکم الہی صرف ظاہری قیاس پر مبنی نہیں،

نصوت اس بیان سے یہ نہ سمجھنا جائے کہ حضرت مرتضیٰ کو اس قدر شریعت پر عبور نہ تھا، بلکہ اُن کا مسلک یہ تھا کہ عوام کے لیے یہ موزون نہیں ہیں اور یہ بالکل سچ ہے کہ اس سے عوام کے طبائع میں احکام الہی کی اتباع اور پیروی کے بجائے، عدم عمل کیلئے حیلہ گری اور فلسفیانہ بہانہ جوبی پیدا ہوتی ہے، خاص اس فرق کو سمجھتے ہیں اس لیے انھیں کے لیے یہ علم موزون ہے چنانچہ نصوت جو مذہب کی جان اور اس قدر شریعت کی روح ہے اور جو خالصانِ امت کے لیے ہے حضرت علی مرتضیٰ نے اس کے حقائق و معارف بہت خوبی سے بیان کیے ہیں

نصوت کے اکثر سلسلے سینہ ام نصوی پر جا کر ختم ہوتے ہیں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اصول اور آراء میں امتحان میں ہمارے شیخ شیخ علی مرتضیٰ ہیں شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے کہ خلافت سے پہلے حضرت ممدوح کو امین سجدہ انماک تھا مگر خلافت کے بعد اس کی مصروفیت نے اُن کو اس فن کی تفصیل بیان کرنے کی فرصت نہ دی

محدثین کے اصول پر حضرت مرتضیٰ کے یہ صوفیانہ اقوال بایہ صمت کو نہیں پہنچتے اور سلسلہ صحبت کی کڑیاں ثابت ہوتی ہیں کہ یہ اکثر سلسلے حضرت حسن بھری پر جا کر تمام ہوتے ہیں اور انکو حضرت مرتضیٰ کا فیض پذیر اور صحبت یافتہ سمجھا جاتا ہے مگر حضرت حسن بھری کی یہ صحبت اور تعلیم

محدثین کی سعادتوں سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ امام کرندی نے تو اس سے بھی انکار کیا ہے کہ انھوں نے بلا واسطہ حضرت مرتضیٰ کے کچھ سنا بھی ہے بہر حال اتنا بالاتفاق ثابت ہے کہ انھوں نے حضرت مرتضیٰ کو خلافت سے پہلے مدینہ میں دیکھا تھا، اور ان کے دیدار سے شرف تھے، اور اس وقت انکی عمر غالباً چودہ پندرہ برس کی تھی

تقریر و خطابت | تقریر و خطابت میں حضرت علی مرتضیٰ کو خدا داد ملکہ حاصل تھا، شکل سے شکل مسئلہ پر بڑے بڑے محسوسین فی البدیہہ تقریر فرماتے تھے، تقریر میں عموماً دلیل اور مؤثر ہوتی تھیں، یہ میں جب امیر معاویہ نے مدافعت کے بجائے جارحانہ طریق عمل اختیار کیا، تو مجھ کے روزانی جماعت کو ابھارنے کے لیے جو خطبہ دیا تھا اس سے زور تقریر اور حسن خطابت کا کافی اندازہ ہوگا،

اما بعد فان الجہاد جاب من ابواب
الحجۃ من ترکہ البسۃ اللہ الذلۃ و سئلہ
بالصغار و سیم الخسف و سئل الضیم دانی
قد دعوتکم الی جہاد ھولاء القوم لیللا
و غداد و سراد جہاد را و قلت لکم اغضو
قبل ان یغزوکم فاعزى قوم فی عھر
دارھم الا ذلوا و اجتمع علیھم مدوھر
ھذا اخو بنی عامر قد و رد کالانبار و
قل ابن حسان البکری و اذال مسلککم
عن مواضعھا و قتل رجلا منکم صالحین
و قد بلغتنی انھم کانوا یدخلون
حمد و نعمت کے بعد جہاد جنت کے دروازوں میں سے
ایک دروازہ ہے، جس نے اس کو مجبوراً، خدا اسکو ذلت
کا لباس پہنا تا ہوا، اور رسولی کو شامل حال کرتا ہوا، اور
ذلت کا فرہ پہنا یا جاتا ہوا، اور دشمنوں کی دست دلازی
میں گرفتار ہوتا ہوا، میں نے تم کو شب و روز علانیہ اور
پوشیدہ ان لوگوں سے لڑنے کی دعوت دی، اور میں نے
کہا کہ اس سے پہلے کچھ حکمرانین میں حکم کروں، کوئی قوم جبر
اُسکے گھر میں آکر حکم کیا جائے وہ دس دروہا ہوتی ہوا، اسکا
دشمن اس پر جبری ہو جاتا ہوا، دیکھو کہ مامری نے انبار میں آکر
ابن حسان بکری کو قتل کر دیا، تمھارے بچوں کو اپنی جگہ
سے ہٹا دیا، تمھاری فوج کے چند نیکو کار بہادروں کو

قتل کروالا، اور مجھے یہ خبر معلوم ہوئی ہے کہ سہلان ازوری
عورتوں کے گھروں میں گئے 'اومان' کے پاؤں سے
اُنکے بازو بادمان، کے گلے سے اُن کے ہار اتار دیے،

ایک قوم کا باطل پراعتناع اور تھا مارحق سے برگشتہ ہونا
کس قدر نجب انگیز ہے جو دونوں کو مردہ کرتا ہے اور غم و
کوڑھاتا ہے، تھا سے بے دوری و ہلاکت ہو، تم نشانہ

بن گئے ہو، اور تم پر تبر برسایا جاتا لیکن تم خود تبر نہیں

چلا سکتے، تم پر غارت گری کی جاتی ہے، لیکن تم خود غارت

نہیں کرتے خدا کی نافرمانی کی جاتی ہو اور تم اس کو بند کرتے ہو

جب تم سے کشاکش ہوں کہ موسم سراسیمہ فوج کشی کر دو تم کہتے ہو کہ

اس قدر سردی اور بادل ہیں کہ کس طرح لڑ سکتے ہیں اور اگر لڑنا

ہوں کہ موسم گرما میں چلو تو کہتے ہو کہ گری کی شدت کم ہو جائے

حالانکہ یہ سب موت سے بھاگنے کا حیلہ ہے، پس جب تم

گری اور سردی سے بھاگتے ہو تو خدا کی قسم تم لو اسے اور بھی

بھاگو گے، قسم ہے اس ذات کی جسکے ہاتھ میں بری مان ہے

تم اس سے نہیں بھاگتے، بلکہ تم لو اسے جان چڑھتے ہو اُسے

مرد نہیں بلکہ مرد کی تصویر اور اسے بچوں اور عورتوں

کی سی عقل اور سمجھ رکھنے والا بندہ کی قسم میں پسند کرتا ہوں

کہ خدا تمہاری جماعت سے مجھے کچھ لیا جائے اور وہ حق ہے

بیت المسرة المسلمة والاخرى

المعاهدة فنيزع خيلها

من رحيلها وقتل عدد من عنقها

يا عجباً من امر يميت القلوب ويختلب

الغمر ويسحق الاحزان من اجتماع القوم

على باطلهم وتغرر قلم من حفتكم

فبعد لكم وسحقاً تدمر غرضاً تؤمرون

ولا تؤمرون دينا وعليكم ولا تغفرون

وليعصى الله فترضون اذا قلت لكم

سيروا في الشتاء قلتكم كيف نعزوا

في هذا العترو والصردان قلت لكم

سيروا في الصيف قلتكم حتى يتصرم

عنا حرارة القيط وكل هذا من الموت

فاذا اكنتم من الحر والقر تغفرون

فاكنتم والله من السيف افر والذی

نفسی پیدا ما من ذا الاک محفرون

ولكن من السيف تخيدون يا اشباه الرجال

ولا الرجال ديا احلام الاطفال وعقول

ربات الجمال اما والله لو ددت ان الله احسن

من بین اظهر کرم و قہقنی الی دعتہ من
 اپنی رحمت نصیب کو عابری فنا نمی کہ تم سے جان پہچان نہتی
 بیتکم و دودتانی لہم ادا کرم و لہم احر کرم و اللہ
 خدا کی قسم تم نے میرا سیدہ خیر و غضب سے بھر دیا جو تم نے
 ملّا تم و صدی غنما و جرم و غنما و لاہرین غنما
 مجھے دو بخون کے گونٹ پلائے ہیں اور عصیان و نافرمانی
 و افسدہ و غلّی رائی ہا لعصیان و الحذلکات
 کر کے میری رائے کو ربا و کر دیا ہے

آپ کے طرفداروں کے دل اگرچہ پڑمردہ ہو چکے تھے اور قوائے عملی نے جواب ید یا تھا تاہم اس
 غیرت انگیز تقریر نے غم و غری ویر کیسے بھل پیدا کر دی اور ہر طرف سے پُرجوش صداؤں نے لبیک کہا،
 شریف رضی نے حضرت علیؑ کے تمام خطبوں کو بیخ ابلاغت کے نام سے چار جلدوں میں جمع
 کر دیا ہے اور اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے یہ نہایت صحیح لکھا ہے کہ ان خطبوں نے ہزاروں لوگوں
 آدمیوں کو نصیح و تبلیغ مقرر بنا دیا ہے تاہم بیخ ابلاغت کے تمام خطبوں کا صحیح ہونا ایک شتبہ امر ہے خصوصاً
 جبکہ ان میں ایسے اصطلاحات و خیالات بھی ملین جو تیسری صدی میں یونانی فلسفہ کے ترجمہ کے
 بعد سے عربی میں رائج ہوئے ہیں

سخاوی جناب مرتضیٰؑ کی طرف بہت سے اشعار بھی منسوب ہیں جن میں سے دو چار اعاذ صمیمہ
 میں بھی مذکور ہیں مثلاً آپ کا وہ رجز یہ شروع و سرکہ انجیر میں آپ نے پڑھا تھا،

انا الذی سمتنی امی حمید و
 کلیت غنا بات کربہ المنظر

مگر لوگوں نے آپ کی طرف نہایت بے احتیاطی سے بہت سے جعلی اشعار بھی منسوب کر دیے ہیں
 بلکہ ایک پورا دیوان دیوان علی کے نام سے موجود ہے جن کو افسوس ہے کہ طلبہ اور علما نہایت
 شوق سے پڑھتے پڑھاتے ہیں حالانکہ اس کی زبان اس لایت بھی نہیں کہ کسی عربی شاعر کی طرف منسوب
 کی جائے چہ جائیکہ افعیٰ حضرت علیؑ مرتضیٰؑ کرم اللہ وجہہ الغریب کی طرف حاکم نے مستدرک
 حضرت فاطمہ زہراؑ کے مرقیہ میں آپ کی زبان مبارک سے دو شعر نقل کیے ہیں

علمِ نحو کی ایجاد علمِ نحو کی بنیاد حسن حضرت علیؑ کے دستِ مبارک سے رکھی گئی ہے ایک دفعہ ایک شخص کو قرآن شریف قلم پڑھتے سنا اس سے خیال پیدا ہوا کہ کوئی ایسا قاعدہ بنا دیا جائے جس سے اعراب عربی علمِ نحو کے چنانچہ ابوالاسود دؤلی کو چند قواعد کلیہ بتائے اور اس فن کی تدوین پر امور کیا اس طرح علمِ نحو کے ابتدائی اصول بھی آپ ہی کی طرف منسوب ہیں

اخلاق و عادات

اور

ذاتی حالات

معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایام طفولیت ہی سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ عاطفت میں تربیت حاصل کی تھی اس لیے وہ قدرۃ حسن اخلاق اور حسن تربیت کے نمونہ تھے کبھی ان کی زبان کلمہ شکر و کفر سے آلودہ نہ ہوتی اور نہ کبھی ان کی پیشانی غیر خدا کے آگے ٹھکی جاہلیت کے ہر قسم کے گناہ سے بتر اور پاک رہے شراب جو عرب کی گھٹی میں بھی اسلام سے پہلے بھی کبھی آپ نے نہیں پی اور اسلام کے بعد تو اس کا کیا موقع ہو سکتا تھا

سچی میں سن کر کہ
حضرت علیؑ کو اس عمدہ
میں پہلے بڑے فوجدار
جس کا بیٹا وہی علیؑ
تھا جو اس سے اس قدر
سے پہلے کلمہ شکر کا سنو
انعام اللہ علیہ فی دور رس

لے ترمزی اور ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ شراب کی حرمت سے پہلے دو سنتوں کے ایک جلسہ میں حضرت علیؑ نے شراب پی اسی حالت میں نماز پڑھائی تو سورۃ علی یا ایھا الکفارون کچھ سے کچھ پڑھ دی اس پر شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی گو شراب کی حرمت کے نازل ہونے سے پہلے شراب پینا مذہباً گناہ نہیں تھا تاہم ظاہر ہے کہ کمال نقوی کے خلاف ضرور تھا اور دوسری روایتوں سے یہ بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا دہن مبارک کبھی اس سے آلودہ ہوا اسی لیے اس کا یہ کہنے میں بہن نہ دے اصل یہ ہے کہ اس کا اخیر راوی گو پہلے ملوی تھا مگر آئین میں حضرت علیؑ کا مخالف دشمنی اور گناہ تھا اس لیے حضرت علیؑ کی شان میں اسکی مخالفت شہادتِ جہنم نہیں ہو سکتی اب حاکم کی سند تک چھپ چکی ہے اس کی روایت اصلی اور تمام بات ہوتا ہے کہ دو قضا ایک اور شخص کا بیان کیا تھا عثمانی راوی نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام رکھا حاکم نے اس سے یہ بات نہ کہ محمد اللہ اس کا جیسے حضرت علیؑ کے مخالفین جو آپ پر اعتراض کرتے تھے وہ نہ کر سکا

امانت و دیانت | سب کو معلوم ہے کہ مکہ میں آنحضرت معلّم کے پاس اہل قریش کی امانتیں جمع رہتی تھیں؛ جب آپ نے ہجرت فرمائی تو اس منصب امانت کی نشانی پر حضرت علیؓ کو نامزد فرمایا اور حکم دیا کہ سب کی امانتیں واپس کر کے میرے پاس چلے آنا، چنانچہ انھوں نے اس فرض کو بخوبی انجام دیا، خلافت کے عہد میں بیت المال کی دیانت و امانت کے ساتھ دیکھ بھال بھی کچھ کم اہم فرض نہ تھا، حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے اس فرض کو اس طرح ادا کیا کہ حضرت ام کلثومؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نارنگیان آئیں امام حسنؓ امام حسینؓ نے ایک نارنگی اٹھالی جناب امیرؓ نے دیکھا تو چھین کر دو گون میں تقسیم کر دی

مال غنیمت تقسیم فرماتے تھے تو برابر حصّے لگا کر قرعہ ڈالتے تھے کہ اگر کچھ کمی بیٹی ہو تو وہ اُس سے بری ہو جائیں، ایک فدا مصفیان سے مال آیا اس میں ایک روٹی بھی تھی حضرت علیؓ نے تمام مال کے ساتھ اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کیے اور قرعہ ڈا کر تقسیم فرمادیا، ایک دفعہ بیت المال کا تمام اندوختہ تقسیم کر کے اس میں بھاڑ ددی اور دو رکعت نماز ادا فرمائی کہ وہ اُن کی امانت و دیانت کی شاہد رہے

زہراؓ دنیا کی جھوٹی نمائش اور اس کے چند روزہ عیش کو حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا، کوفہ کشریف لائے تو دارالامارت کے بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا کہ عمر بن خطابؓ نے ہمیشہ ان عالیشان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا، مجھے بھی اسکی حاجت نہیں، میدان میرے لیے بس ہے

حضرت علیؓ نے شروع سے آخر تک زاہدانہ زندگی بسر کی، پچیس چھبیس برس کی عمر تک

۱۔ اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۰۱ ۲۔ ازاد الخا، بحوالہ ابن ابی شیبہ ۳۔ سند جلد ۱ صفحہ ۱۳۰ ۴۔ ازاد الخا

آنحضرتؐ کے ساتھ رہے، ظاہر ہے شہنشاہِ عالمِ زہد و قناعت کے ساتھ عیش و دنیاوی کامکان
 موقعِ میسر ہوگا، حضرت فاطمہؑ کے ساتھ شادی ہوئی تو علمدہ مکان میں رہنے لگے لیکن زہد کا
 اس سے اندازہ ہوگا کہ سیدہ جنت جہاں دسمان اپنے میکے سے لائی عین اس میں ایک چیز کا بھی
 اضافہ نہ کیا، چکی پیتے پیتے حضرت فاطمہؑ کے ہاتھوں میں گٹھے پڑ گئے تھے، مگر میں اونٹنی کی مرنے
 ایک چادر تھی وہ بھی اس قدر مختصر کہ پاؤں چھپاتے تو سر برہنہ ہو جاتا اور سر چھپاتے تو پاؤں
 کھل جاتا، معاش کی یہ حالت تھی کہ ہفتوں گھر سے دھواں نہیں اُٹھتا تھا، بھوک کی شدت
 ہوتی تو پیٹ پر پتھر باندھ دیتے ایک دفعہ شدتِ گرسنگی میں کاشا نہ اقدس سے باہر نکلے کہ فردوسی
 کر کے کچھ کھا لائیں عوالی رہنے میں دیکھا کہ ایک ضعیفہ کچھ اینٹ پتھر جمع کر رہی ہے خیال ہوا کہ شاید
 اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہے اُس کے پاس پہنچا، حیرت طے کی اور پانی سینچنے لگے یہاں تک
 کہ ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے، غرض اس محنت و مشقت کے بعد ایک ٹھکی کھجور اجرت میں ملی لیکن
 تنہا خوری کی عادت نہ تھی بجنسہ لیے ہوئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے آنحضرتؐ نے تمام
 کیفیت سن کر نہایت شوق کے ساتھ کھانے میں ساتھ دیا،

ایامِ خلافت میں بھی زہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، موٹا چھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا
 ان کے لیے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی، ایک دفعہ عبداللہ بن زبیر نام ایک صاحب
 شریکِ طعام تھے، دسترخوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا، ہاتھوں نے کہا امیر المومنین
 آپ کو پرندے گوشت سے شوق نہیں ہے، فرمایا ابن زبیر، خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال میں سے
 صرف دو پیالوں کا حق ہے، ایک خود کھائے اور اہلِ دعیال کو کھلائے اور دوسرا خلقِ خدا کے
 سامنے پیش کرتے،

۱۔ مینہ کے قرب و جوار کی آبادی کا نام عوالی تھا، ۲۔ سند احمد بن حنبل منصفہ ۱۳۵، ۳۔ سند احمد بن حنبل منصفہ ۱۳۵، ۴۔

دربارِ دولت پر نہ کوئی حاجب تھا نہ دربان نہ امیرانہ کروفر نہ شاہانہ تزک و احتشام،
 غرض عین اسوقت جب کسری کی شمنشا ہی مسلمانوں کے لیے زرد جوہر اگل رہی تھی، اسلام کا
 خلیفہ ایک معمولی غریب کی طرح زندگی بسر کرتا تھا، اور داد و دہش کی بدولت کبھی مفروضہ فاقہ کی نوبت
 بھی آجاتی تھی ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ "سیری تلوار کا کون خریدار ہے؟ خدا کی قسم اگر
 میرے پاس ایک تہ بند کی قیمت ہوتی تو اس کو فروخت نہ کرتا" ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا
 "امیر المؤمنین! میں تہ بند کی قیمت فرض دیتا ہوں"

گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، سید فاطمہؑ نے کاشانہ نبوت پر حاضر ہو کر اپنی یہ مصیبت بیان چاہی،
 لیکن سرور کائنات موجود نہ تھے، اس لیے واپس آکر سوہین تھوڑی دیر کے بعد حضرت عائشہؓ
 کی اطلاع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتاؤں
 جو ایک خادم سے کہیں زیادہ تمہارے لیے مفید ہو؟ اس کے بعد آپ نے تسبیح کی تعلیم دی،
 عبادت | حضرت علیؑ رحمہ اللہ جبہ خدا کے نہایت عبادت گزار بندے تھے، انھوں نے بارہ تیر سال
 کے سن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خداوند تعالیٰ کے آگے سر جھکایا اور اس کے بعد ہمیشہ ہی فوق
 قائم رہا، جسکی بڑی شہادت قرآن مجید کا ایک اشارہ ہے، قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ کے فضائل میں

ایک نہایت جامع آیت یہ نازل ہوئی ہے:

محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جن کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ اَشِدَّاءُ

باہم رحمہ اللہ ہیں تم ان کو دیکھتے ہو کہ بہت کوع اور بہت سب

عَنِ الْكُفَّارِ رَحَّاءٌ بَيْنَهُمْ تُرَاوَعُهُمْ رُكُوْعًا

کہہ کہ خدا کا فضل اور اسکی رضا سندی کی جو کرتے ہیں

يَتَّبِعُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا

سہ انا تھا ابوجہ ابوجہ ابن عبد البر

سہ بخاری کتاب الدعوات باب التسبیح والتکبیر عند الختام ۱۲

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں بطور نکتہ کے لکھا ہے کہ واللذین معہ سے ابو بکر صدیقؓ،

اشد علی الکفار سے عمر بن الخطابؓ، رعاء بنیہم سے عثمان بن عفانؓ، وکعاً سجداً سے حضرت

علی بن ابی طالبؓ اور یتبعون فضلاً من اللہ درضواناً سے بقیہ صحابہ مراد ہیں جس سے

عبادات کے لحاظ سے تمام صحابہؓ پر حضرت علیؓ کی مخصوص فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اولاً تو رکوع و سجود

تمام صحابہؓ کا وصف تھا، لیکن ان کے ساتھ اس وصف کی تخصیص کرنے سے معلوم ہوا کہ باوجود اس

اشترک کے ان کو اس باب میں کچھ مزید امتیاز بھی حاصل تھا،

قرآن مجید کے اس اشارہ کے علاوہ صحابہؓ بھی ان کے اس وصف امتیاز کی شہادت دیتے

ہیں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں

کان ما علمت صوماً قواماً

جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ بڑے ذوق و ارادہ عبادت گزار تھے

زیر بن سعید قرشی کہتے ہیں

لم ارحأ شعیماً قط کان اعبد للہ مثلاً

میں کسی ہاشمی کو نہیں دیکھا جو اتنے زیادہ خدا کا عبادت گزار ہو

ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبادات میں جس چیز کا التزام کر لیتے تھے اس پر

ہمیشہ قائم رہتے تھے، ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم

دونوں ہر نماز کے بعد ستر بار تسبیح، دس بار تحمید اور دس بار تکبیر پڑھ لیا کرو، اور جب سوؤ تو ۳۳ بار

تسبیح ۳۳ بار تحمید اور ۳۳ بار تکبیر کہ لیا کرو، حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ

نے مجھ کو اس کی تلقین کی میں نے اس کو نہیں چھوڑا، ابن کو اء نے کہا کہ مصنفین کی شب میں بھی

نہیں؟ فرمایا مصنفین میں بھی نہیں۔

۱۔ تفسیر فتح البیان جلد ۹ صفحہ ۴۸ سے ترمذی کتاب النایب فصل فاطمہؓ سے مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۰۰ سے سند

ابن جنبل جلد ۴ صفحہ ۱۰۰، ابوداؤد کتاب الادب،

اتفاق فی سبیل اللہ حضرت علیؑ کو دولت دنیاوی سے منہ منہ تھے تاہم دل غنی تھا کوئی سائل یا اہل حاجت نظر آجاتا تو موت لایوت بھی دیدیتے، ایک دفعہ رات بھر باغ سینچا کرتے ہوئے سے جو مزدوری میں حاصل کیے صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو ایک نشت پسو اگر حریرہ بکوانکا انتظام کیا ابھی پاک کرتی رہی ہوا تھا کہ ایک مسکین نے صدا بلند کی حضرت علیؑ نے سب اٹھا کر اسکو دیدیا اور پھر بقیہ میں دوسرے نشت کے پکنے کا انتظار کیا، لیکن جیسے تیار ہوا کہ ایک مسکین تیم نے دست سوال بڑھایا، اُسے بھی اٹھا کر اُس کے نذر کیا غرض اسی طرح تیسرا حصہ بھی جو بیچ رہا تھا پکنے کے بعد ایک مشرک قیدی کے نذر ہو گیا، اور یہ مرد خدا رات بھر کی مشقت کے باوجود ن کو فائدہ مست رہا، خدا سے پاک کو یہ ایثار کچھ ایسا بھایا کہ بطور ستائش اس کے متعلق ایک خاص آیت نازل فرمائی، وَطُفِعُونَ لَطْعَامًا عَلَىٰ حُبِّهِمْ مَسْكِينًا وَفَرِحْنَا قَادِسِينَ ۝۱۵

ترجمہ | سادگی اور تواضع حضرت علیؑ کی دستا فضیلت کا سب سے خوشنما طرہ ہے اپنے ہاتھ سے محنت و مزدوری کرنے میں ان کو کچھ حار نہ تھا لوگ سائل پوچھنے آتے تو وہ عموماً کبھی جوتا مانگتے، کبھی اونٹ چراتے اور کبھی زمین کھودتے ہوئے پائے جاتے، مزاج میں بے تکلفی اس قدر تھی کہ نذر شاخاک بد رسو جاتے، ایک دفعہ آنحضرت صلیم علیہ وسلم نے نفعی ڈھونڈتے ہوئے مسجد تشریف لائے، دیکھا کہ بے تکلفی کے ساتھ زمین پر سو رہے ہیں چادر پیٹھ کے نیچے سے سر لگئی ہے اور جسم انور گرد و غبار کے اندر ن کی طرح چمک رہا ہے، سردی کا سنات کو یہ سادگی نہایت پسند خاطر ہوئی اور خود دست اقدس ان کا بدن صاف کر کے محبت آمیز لہجہ میں فرمانے لگے اجلس یا ابا عبد اللہ مٹی دلاے اب اٹھ بیٹھو، چنانچہ حضرت علیؑ کو یہ کینت اس قدر محبوب تھی کہ جب کوئی اس سے مخاطب کرتا تو خوشی سے ہونٹوں پر مسک کی لہر دوڑ جاتی

ایام خلافت میں بھی یہ سادگی قائم رہی عموماً چھوٹی آستین اور اوپنے دامن کا کرتہ اور معمولی کپڑے پہنتے۔ بازار میں گشت کرتے پھرتے اگر کوئی تنظیم یا پیچھے ہولیتا تو منع فرماتے اور کہتے کہ اس میں دالی کے بے فتنہ اور موس کے بے ذلت ہے۔

شرم و حیا | شرم و حیا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی یہاں تک کہ خود آنحضرت صلعم سے ضروری مسائل دریافت کرنے میں بھی حیا ودامن لگی ہوتی تھی، ایک دفعہ دریافت کرنا تھا کہ مذی سے غسل لازم آتا ہے یا نہیں لیکن شرم و حیا خود ان کو اجازت نہ دیتی تھی اس لیے دوسرے شخص کے ذریعہ سے دریافت کیا۔ غزوہ احد میں ابو سہل ایک کافر حریفانہ مقابلہ کے لیے آیا، ایک ہی حملہ میں وہ ایسا لڑا کہ اس کو اپنے کپڑوں کا بھی حواس نہ رہا اور برہنہ ہو گیا، شرم و حیا کی زنجیر نے حضرت مرتضیٰؑ کے پانوں پر کڑی لے، آپ اُس کو چھوڑ کر ہٹ گئے۔

شجاعت | شجاعت و بسالت حضرت مرتضیٰؑ کا مخصوص وصف تھا، وہ تمام اہم غزوات میں شریک ہوئے اور سب میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔

اسلام میں سب سے پہلا غزوہ بدر پیش آیا حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ اس غزوہ کے دو ہیڑھے تھے۔ اس جنگ میں حضرت علیؓ نے تجربہ کار اور جنگ آزمادہ ہارون کے دوش بدوش واد شجاعت دی، حالانکہ اس وقت ان کا عنوانِ شباب تھا۔

جنگ شروع ہوئی اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا مقابلہ ولید سے ہوا تو ایک مہینہ اس کا کام تمام کر دیا، پھر خبیبہ کے مقابلے میں حضرت عبیدہ بن حارث آئے اور اُس نے ان کو زخمی کیا تو حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے حملہ کر کے اس کا کام بھی تمام کر دیا، غزوہ احد میں کفار کا جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا، اس نے مبارزت طلب کی تو حضرت علیؓ مرتضیٰؑ ہی اس کے مقابلے میں آئے اور سر پر

ایسی تلوار ماری کہ سر کے دو ٹکڑے ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو مسرور ہوئے اور تکبیر کا نعرہ مارا، اور مسلمانوں نے بھی تکبیر کے نعرے لگائے،

غزوہ خندق میں بھی وہ تمام صحابہ میں پیش رہے، چنانچہ عرب کے مشہور پہلوان عمر بن عبد نے جب مبارزت طلب کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میدان میں آنے کی اجازت چاہی آپ نے ان کو اپنی تلوار عنایت فرمائی، ان کے سر پر عمامہ باندھا اور دعا دی کہ خداوند اس کے مقابلہ میں ان کا مددگار ہو، اس کے بعد باہم تیغ آزمائی شروع ہوئی، تو حضرت علیؑ نے تکبیر کا نعرہ مارا جس سے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنے حریف پر کامیابی حاصل کی،

غزوہ خیبر کا میدان ان کی شجاعت کے اظہار کا مخصوص میدان ہوا اسی غزوہ میں آپ نے فرمایا کہ میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو خدا اور خدا کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور خدا اور خدا کے رسول اس کو محبوب رکھتے ہیں اس کے بعد آپ نے ان کو جھنڈا عنایت فرمایا، اور مرحب تلوار ہلاتا ہوا اور جھڑپڑھتا ہوا مقابلہ میں آیا تو اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رجز خوان گے بڑھے اور مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر بھٹ گیا اور فتح خیبر ان کے جنگی کارناموں میں شمار ہوئی، غزوات نبوی میں غزوہ ہوا زن خاص اہمیت رکھتا ہے جس میں تمام قبائل عرب کی متحد قوت مسلمانوں کے خلاف اٹھ آئی تھی، لیکن اس غزوہ میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر موقع پر ممتاز رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اکابر صحابہؓ کو جھنڈے عنایت فرمائے، ان میں حضرت مرتضیٰؑ بھی شامل تھے، اس کے بعد جنگ شروع ہوئی اور کفار نے دفعہ تیسروں کا مینہ برسایا، تو مسلمانوں کے پانوں اٹھ گئے، صرف چند ممتاز صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے جن میں ایک حضرت مرتضیٰؑ بھی تھے، عہد نبوت کے بعد خود ان کے زمانہ میں بھی جو مسعر کے پیش آئے ان میں بھی کبھی ان کے پائے ثابت کو لغزش نہیں ہوئی،

دشمنوں کے ساتھ سلوک | حدیث میں آیا ہے کہ بہادر وہ نہیں ہے جو دشمن کو پچھا ڈٹے بہادر وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے۔ حضرت علی مرتضیٰ اس بہادری میں بھی نمایاں تھے اُن کی زندگی کا اکثر حصہ غزوات کی سرکردگی میں صرف ہوا، لیکن باہمہ انھوں نے ہمیشہ اُن کے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا، ایک دفعہ ایک لڑائی میں جب اُن کا حریف گر کر رہ نہ ہو گیا، تو اُس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے، اُس کو خیر مندی نہ اٹھانی پڑے، جنگ جل میں حضرت عائشہؓ اُن کی حریف تھیں، لیکن جب ایک ضعیفی نے اُن کے اونٹ کو زخمی کر کے گرایا تو خود حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر اُن کی خیریت دریافت کی، اور اُن کو اُن کے ایک طرف ذابصری رئیس کے گھر میں اتارا، حضرت عائشہؓ کی فوج کے تمام زخمیوں نے بھی اسی گھر کے ایک ایک گوشے میں پناہ لی تھی، اُس کے بعد حضرت علیؓ نے کوآئے تو اگرچہ ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ تمام زخمی اسی گھر میں پناہ گزین ہیں مگر انھوں نے اُن سے کچھ تعرض نہیں کیا، اس کے بعد حضرت تمام محمد بن ابی بکر کی معیت میں چالیس مغز عورتوں کے ساتھ اُن کو حجاز کی طرف رخصت کیا، عام مسلمانوں نے اور خود حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے دور تک ان کی مشایعت کی، اس موقع پر جو لوگ شریک جنگ تھے، ان کی نسبت بھی عام منادی کرادی کہ بھائے دانو کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں کے اوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں، مال غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتیار ڈال دے اسکو امان ہے۔

حضرت زبیرؓ نے ایک حریف کی حیثیت سے ان کا مقابلہ کیا تھا، اور جنگ جل کے پہلا دن میں تھے، مگر ان کا قاتل ابن جرموزان کا مقتول سردار تلوار لیکر حضرت علیؓ کے پاس آیا تو آبدیدہ ہو گئے، فرمایا فرزند صفیہ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دید و پھر حضرت زبیرؓ کی تلوار ہاتھ میں لیکر فرمایا، یہ وہی تلوار ہے جس نے کئی دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے شکلات کا بادل ہٹا دیا ہے۔

مسند رک میں ہے کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے پاس اُن کا سر آیا تو فرمایا کہ فرزند صفیہؓ کے

قاتل کو جہنم کی بشارت دو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہرنی کے حواری ہوتے ہیں اور سیل حواری نہ ہرے ہیں۔

جنگِ جہل کے میدان میں جب فریقِ مخالفت کی لاشوں کا سائینہ کر رہے تھے ایک لاش کو دیکھ کر افسوس کرتے تھے اور جب حضرت طلحہؓ کے ارد کے ہمکنار لاش پر نظر پڑی تو آہ سرد بھر کر نہ بولے اسے قریش کا مشکرہ!

ان کا سب سے بڑا دشمن ان کا قاتل ابنِ نجیم ہو سکتا تھا، لیکن انھوں نے اُس کے متعلق آخری وصیت جو کی تھی وہ یہ تھی کہ اس سے معمولی طور پر قصاص لینا منشاء نہ کرنا یعنی اس کے ہاتھ پاؤں اور ناک کان نہ کاٹنا، ابنِ سعد میں ہے کہ جب وہ اُن کے سامنے لایا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس کو اچھا کھانا کھلاؤ، اور اُس کو نرم بستر پر سلاؤ، اگر میں زندہ بچ گیا تو اس کے معاف کرنے یا قصاص لینے کا مجھے اختیار حاصل ہوگا اور اگر میں مر گیا تو اس کو مجھ سے ملا دینا میں خدا کے سامنے اُس سے جھگڑاؤں گا،

دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس سے اعلیٰ مثال کیا ہو سکتی ہے؟

امیرِ معاویہؓ نے سب سے پہلے ان سے سرکشی کی اور ان کی تمام تجویزوں کو برباد کیا، اُن کی خلافت کے عہد کو بدنام کیا، اُن کے خلاف لڑنے کے لیے بار بار فوجیں لائے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کبھی اُن کے خلاف ایک کلمہ ناسزا بھی زبان پر نہیں لائے، حالانکہ وہ اُن کے متعلق بہت سی صحیح اور درست باتیں کہہ سکتے تھے،

اصابتِ راسے [حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اصابتِ راسے پر عہدِ نبوت ہی سے اعتماد کیا جاتا تھا اس لیے تمام ہمت اور یمنِ شریکِ مشورہ کیے جاتے تھے، واقعہ اُفک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنے گھر کے رازداروں میں جن لوگوں سے مشورہ طلب کیا ان میں ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے، غزوہ طائف میں آپ نے ان سے اتنی دیر تک سرگوشی کی کہ لوگوں کو اسپر رشک ہونے لگا اُس کے بعد تمام خلفائے اُن سے اہم معاملات میں مشورہ لیے، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے ہاجرین و انصار کی جو مجلس شوری قائم کی تھی اس کے ایک رکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے، حضرت عمر فاروقؓ نے اس مجلس کے ساتھ ہاجرین کی جو مخصوص مجلس شوری قائم کی تھی اُس کے اراکین کے نام اگرچہ ہم کو معلوم نہیں ہیں لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ لازمی طور پر اس کے ایک رکن رہے ہوں گے، کیونکہ حضرت عمرؓ کو ان کی رائے پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آجاتا تھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مشورے کے بغیر اس کے فیصلہ کرنے سے پناہ مانگتے تھے، اسی قسم کے موقعوں پر انھوں نے فرمایا ہے:

اگر علی نہ ہوتے تو عہدِ ملک ہو جاتا،

لو لا علی لہلک عمر

مذہبی اور تمدنی معاملات کے علاوہ بہت سے سیاسی واقعات مذکور ہیں، جن میں حضرت عمرؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رائے کو ترجیح دی ہے، چنانچہ معرکہ نہاد میں جب ایرانیوں کی کثرت نے حضرت عمرؓ کو بید مشوش کر دیا تو انھوں نے سجد بنوی میں تمام صحابہ کو جمع کر کے رائے طلب کی، حضرت طلحہؓ نے کہا: امیر المومنین آپ خود ہم سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں البتہ ہم لوگ تعمیلِ حکم کے لیے تیار ہیں، حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ شام دین وغیرہ سے فوجیں جمع کی جائیں اور آپ خود سپہ سالار ہو کر میدانِ جنگ کی طرف تشریف لے جائیں، اب تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاموش تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا تو بولے کہ شام سے اگر فوجیں نہ لیں تو معنوحہ مقامات پر دشمنوں کا تسلط ہو جائیگا، اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف تباہی برپا ہو جائے گی، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ یہاں سے نہ لیں اور شام دین وغیرہ میں

پیدا ہوا، ریاض انصرہ میں ہے کہ جب وہ چلتے تھے تو ادھر ادھر جھکتے برسے چلتے تھے اور جب کسی آدمی کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے تو وہ سانس تک نہیں لے سکتا تھا، وہ تقریباً حربہ اندام تھے، ان کی کلاسیاں اور ان کے ہاتھ مضبوط تھے، اور جب میدان جنگ میں جاتے تھے تو بیباکانہ دھڑکتے ہوئے جاتے تھے، قوی اور دل کے مضبوط تھے جس شخص سے کشمی اڑتے تھے، اسکو بچھاڑ دیتے تھے بہادر تھے اور جس سے جنگ میں مقابلہ کرتے تھے اس پر غالب آتے تھے،

ان کے تمام محاسن اخلاق میں یہ نکلتی تھی، اور جب فیض ربانی نے اس کو مہذب کیا تو مقامِ محبت اُن کے لیے ایک سلمہ چیز بن گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ متواتر طور پر ثابت ہے فرمایا کہ میں کل ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اُس کے رسول کی محبت کرتا ہے اور اللہ اور اُس کے رسول بھی اُس سے محبت کرتے ہیں، بالآخر آپ نے جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیا، اُن کے محاسن اخلاق میں ایک خلق دشمنوں کی مافقت و مبارزت تھا، اور فیض ربانی نے اس کو اُن کے سوابقِ اسلامیہ میں صرف کیا اور آخرت میں اس سے عجیب نتیجہ پیدا ہوا اور یہ آیت

هذان خصمان اختصموا

ان دونوں فریق نے باہم خاصمت کی

اُن کی اور اُن کے رفقاء کی خان میں نازل ہوئی امام بخاری نے حضرت علی بن ابی طالب سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ میں پہلا شخص ہوں گا جو قیامت کے دن خدا کے سامنے خصوصیت کیلئے دوزانوں میں سے گامیوں میں سے ہوں کہ یہ آیت

هذان خصمان اختصموا فی ربهم

ان دونوں فریق نے اپنے رب کے سامنے باہم خاصمت کی

انھیں لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے بدر کے دن باہم مبارزت کی یعنی 'عمزہ علی' عبیدہ، ابو عبیدہ بن الحارث، شیبہ بن ربیعہ، عقبہ، اور ولید بن عقبہ،

اُن کے محاسنِ اخلاق یہ تھے کہ نہایت سخت اور دلیر تھے، کسی کی پروا نہیں کرتے تھے، اور لوگوں کی خاطر مدارات کیلئے اپنی خواہش سے باز نہیں آتے تھے، فیضِ ربانی نے انہی اخلاق سے نبی عن المنکر اور بیت المال کی حفاظت میں کام لیا، حاکم نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے حضرت علیؓ کی شکایت کی، تو آپ ہم لوگوں کے درمیان خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ لوگو! علیؓ کی شکایت نہ کرو، خدا کی قسم، خدا کی ذات اور اس کے راہ میں وہ کسی قدر سخت ہے، حضرت عمرؓ سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی ذات میں علیؓ سخت ہے،

اُن کے تمام محاسنِ اخلاق میں ایک چیز ایسی قوم اور اپنے چچا زاد بھائی کی حیثیت تھی پہلے وہ اُن کے منصب کی تکمیل میں نہایت اہتمام کرتے تھے، اور ان کی مدد میں نہایت ہمت سے کام لیتے تھے، اور یہ وہ وصف ہے جو اکثر شریف لوگوں میں پیدا ہوتا ہے، اور جب فیضِ ربانی نے اعلیٰ کلمۃ اللہ کا جذبہ اُن کے دل میں پیدا کیا تو اس خلق سے کام لیا اور اس عقلی معنی کی شرح و تفسیر کی جس سے ایک ایسا عجیب مقام پیدا ہوا جسکی بغیر اخوتِ رسولؐ مولاتِ رسولؐ وہی اور وارث وغیرہ متعدد الفاظ سے کی جاتی ہے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ہر شخص سے فرمایا کہ دنیا و آخرت میں تم میں سے کون میرا ولی ہوگا، آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ بیان تک کہ اُن میں سے اکثر لوگوں سے گزرے تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں دنیا و آخرت میں آپ کی مولات کروں گا، آپ نے فرمایا کہ دنیا و آخرت میں تم میرے ولی ہو، حاکم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی زندگی میں فرماتے تھے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے

اگر وہ مرگئے یا مار گئے تو کیا تم اپنے پاؤں پھر جاؤ گے؟

اَفَاَنْتُمْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ اَنْفَلْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ

خدا کی قسم جب ہم کو خدا نے ہدایت دیدی تو اس کے بعد ہم بیٹھ نہ پھیریں گے، خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دھماکا ہوا یا آپ خیمہ ہو گئے تو جس چیز کے لیے آپ جنگ کرتے تھے ہم بھی اس کے لیے لڑیں گے، یہاں تک کہ مرجائیں، خدا کی قسم میں آپ کا بھائی ہوں، آپ کا دلی ہوں آپ کے بچا کا لڑکا ہوں، اور آپ کے علم کا دارث ہوں تو مجھ سے زیادہ آپ کا حقدار کون ہے، اسی سے ان دونوں فریق کی جو افراط و تفریط کرتے ہیں غلطی بھی ظاہر ہو گئی، ایک کہتا ہے کہ قوم کی حمایت کے لیے غلبہ کا خواستگار ہونا خلوص نہیں، دوسرا کہتا ہے کہ استحقاق خلافت میں اخوت نبی شرط ہے، ان کے حاسن اخلاق میں ایک زہد اور شہوات نفسانی سے اجتناب ہے، حضرت امیر معاویہ نے ہزار ہادی سے کہا مجھ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اوصاف بیان کر ڈاؤنھون نے کہا کہ اے امیر المؤمنین مجھے معاف فرمائیے، اُنھوں نے کہا کہ ضرور بیان کرو، بولے اگر ضروری ہے تو وہ بعد و صلہ اور نہایت قوی تھے، فیصلہ کن بات کہتے تھے، اور عا دلانہ فیصلہ کرتے تھے، ان کے ہر جانب سے علم کا چشمہ چھوٹتا تھا، اور ان کے تمام اطراف سے حکمت نکلتی تھی دنیا اور دنیا کی شادابی سے وحشت کرتے اور رات اور رات کی وحشت سے انس کرتے تھے، نہایت سونے والے اور بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے، چھوٹا لباس اور بوٹا جھوٹا کھانا پسند تھا، اور ہم میں بالکل کاری ہی طبع رہتے تھے، جب ہم ان سے سوال کرتے تھے تو وہ ہمارا جواب دیتے تھے، اور جب ہم ان سے انتظار کی درخواست کرتے تھے تو وہ ہمارا انتظار کرتے تھے، باوجودیکہ ہم کو وہ اپنے آپ سے قریب کر لیتے تھے، اور خود ہم سے قریب ہو جاتے تھے، لیکن خدا کی قسم ہم ان کی ہیبت سے ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے، وہ اہل دین کی غرت کرتے تھے، غریبوں کو مقرب بناتے تھے، قوی کو اُس کے باطل میں حرم کرنے کا موقع نہیں دیتے تھے، اور ان کے انصاف و ضیعت نامید نہیں ہوتا تھا، میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ان کو بعض معرکوں میں دیکھا کہ

کہ رات گزر چکی تھی اس لئے ڈوب چکے ہیں اور وہ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے اس طرح مضطرب ہیں جس طرح وہ شخص مضطرب ہوتا ہے جسکو سانپ نے کاٹ کھا یا ہے، نگلیں آدمی کی طرح روئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے دنیا بھلو فریب نہ دے دوسرے کو دے، تو مجھ سے جھڑپا کرتی ہے یا میری مشتاق ہوئی ہے افسوس افسوس میں نے تجھ کو تین طلاقیں دیدی ہیں جس سے رجعت نہیں ہو سکتی، تیری عمر کم اور تیرا مقصد حقیر ہے، آہ زاد راہ کم اور سفر دور نام کا ہے اور راستہ وحشت خیز ہے، یہ سنکر امیر معاویہ زوڑ پڑے اور فرمایا خدا ابو الحسن پر رحم کر خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے،

اُن کے محاسن اخلاق میں ایک چیز شہادت سے اجتناب ہے اُن کے صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے روایت ہے کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لیون آجاتے تھے، اور حسن حسین ان میں سے کوئی لیون لیکر کھانے لگتے تو وہ اس کو اُن کے ہاتھ سے چھین لیتے تھے، پھر اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیتے تھے، ابو عمر سے روایت ہے کہ وہ نے کی تقسیم میں حضرت ابو بکر کا طریقہ اختیار کرتے تھے یعنی جب اُن کے پاس مال آتا تھا تو سب تقسیم کر دیتے تھے اور بیت المال میں صرف اس قدر رکھ چھوڑتے تھے جسکی تقسیم اس روز نہ کر سکتے تھے اور کہتے تھے کہ اے دنیا میرے سوا کسی اور کو دھوکا دے اور خود اس میں سے اپنے لیے کوئی چیز انتخاب نہیں کرتے تھے، اور اپنے کسی رشتہ دار یا اور عزیز کی اس میں تخصیص نہیں کرتے تھے حکومت اور امانت صرف متدین لوگوں کے سپرد کرتے تھے، اور جب یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے اس میں خیانت کی ہے تو اس کو لکھتے تھے نہ

متد جاہ تکرم وعظہ من ربکم فاروا لکیل
تھا ہے پاس تھا ہے رب کی جانب نصیب آپ کی ہی خواہش
والمیزان بالقطر ولا تجزئنا من اشیاء ہم
کو انصاف کے ساتھ پورا کر دو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو

وَلَا تَتَّبِعُوا فِي الْأُمُورِ مَفْسِدِينَ يَقِينَةُ اللَّهِ خَيْرُكُمْ
اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، خدا کا ثواب تمہارے لیے بہتر ہے

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ دَمًا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ،
اگر تم ایماندار ہو اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں

اور جب تمہارے پاس میرا یہ خط پہنچے تو تمہارے ہاتھ میں ہمارا جو کام ہے اسکی حفاظت کرو، بیان تک کہ ہم تمہارے پاس اُس شخص کو بھیجیں جو تم سے اُسکے لئے پھر اپنی نگاہ کو آسمان کی طرف اٹھائے اور کہتے کہ خدا دندا تو جانتا ہے کہ میں نے ان کو تیری مخلوق پر ظلم کرنے اور تیرے حق کے چھوڑنے کا حکم نہیں دیا،

جمع البقی سے روایت ہے کہ بیت المال میں جو کچھ تھا اسکو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا پھر حکم دیا کہ اس میں بجاڑ و دیدی جائے، پھر اس میں نماز پڑھی تاکہ وہ قیامت کے دن اُن کے لیے شہادت دے،

حضرت کلثب سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس اصفہان سے مال آیا تو مخون نے اس کے سات حصے کیے اور اس میں ایک روٹی پانی تو اس کے سات کوڑے کیے اور ہر حصے پر ایک ایک ٹکڑا تقسیم کیا پھر قرعہ ڈالا کہ ان میں کس کو کون حصہ دیا جائے،

اُن کے تمام محاسن اخلاق میں ایک چیز یہ ہے کہ وہ معاش کی تگلی پر مبر کرتے تھے اور اسکو اپنے اوپر گوارا کرتے تھے، خود اُن سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ ہمارے گھر میں آئیں تو ہمارے بچانے کے لیے صرف میٹھے کی ایک کھال تھی منفرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے گھر کا کام دھندا اپنی صاحبزادی فاطمہؓ کے متعلق کیا اور ببردنی انتظامات حضرت علیؓ

کرم اللہ وجہہ کے سپرد کئے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے حضرت فاطمہؓ کا نکاح کیا تو ان کے ساتھ ایک چادر، چمڑے کا ایک گد، مہین کھجور کی پیان بھری ہوئی، تھین، ایک چلی، ایک شک اور دو گڑے روانہ کیے، ایک دن

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہؑ سے کہا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لونڈی غلام آتے ہیں، جاؤ اور آپ سے ایک خادم طلب کرو، انہوں نے کہا کہ آٹا پیسے پیسے میرے ہاتھوں میں بھی آسے پڑ گئے، چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ نے فرمایا بیٹی کس غرض سے آئی ہو، بولیں سلام عرض کرنے، لیکن انہوں نے ان کو شرم آئی، اور واپس گئیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پوچھا کہ تم نے کیا کیا؟ بولیں آپ سے سوال کرنے میں مجھے شرم آئی اب آپ کی خدمت میں دونوں حاضر ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا، اور حضرت فاطمہؑ نے کہا کہ آٹا پیسے پیسے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، خدا نے آپ کے پاس لونڈی غلام اور مال بھیجا ہے ہم کو ایک خادم عنایت فرمائیے، آپ نے فرمایا، نہیں، کیلین تم کو تو دونوں اور اہل صفہ کو فاقہ سستی کی حالت میں چھوڑ دو، میں ان لونڈی غلاموں کو فروخت کروں گا، اور ان کے اوپر ان کی قیمت صرف کروں گا، اب دونوں واپس آئے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ آئے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہؑ چار اوٹھ کر سوچکی تھیں، لیکن جب دونوں سر ٹریکتے تھے تو پاؤں اور جب پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دفعہ دونوں اٹھ گئے، آپ نے فرمایا کہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو کیا تم کو میں ایسی چیز بتلا دوں جو اس چیز سے بہتر ہے جسکو تم مجھ سے مانگتے ہو، دونوں نے کہا ہاں، فرمایا مجھ کو جبریلؑ نے چند کلمے سکھائے، اور کہا کہ دونوں ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح، دس بار تحمید اور دس بار تکبیر کہہ لیا کریں تو تم دونوں جب سوؤ، تو ۳۳ بار تسبیح، ۳۳ بار تحمید، اور ۳۳ بار تکبیر کہہ لیا کرو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ کلمے سکھائے اس وقت سے میں نے ان کو نہیں چھوڑا، ابن کواہ نے کہا کہ صفین کی رات میں بھی نہیں انہوں نے کہا کہ نہیں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ میں ایک بار مدینہ میں سخت بھوک میں مبتلا ہوا اس لیے حوالی مدینہ میں مزدوری کی تلاش میں نکلا، تو مجھے ایک عورت ملی جس نے ڈھیلے کپڑے پہنے تھے، میں نے خیال کیا کہ وہ اُن کو بھگونا چاہتی ہے، چنانچہ میں نے ہر ڈول پر ایک کچھوڑ جڑا لے لی اور ۱۶ ڈول پانی بھرے جس سے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، اُس نے مجھے سود کچھوڑیں گن کر دین، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے اُن کچھوڑوں میں سے میرے ساتھ کھا لیا،

عاجلی زندگی | حضرت علیؓ کی مستقل خانہ داری اس وقت سے شروع ہوئی جبکہ سیدہ جنت حضرت فاطمہؓ کے ساتھ ایک علیحدہ مکان میں رہنے لگے، کیونکہ اس سے پہلے وہ آنحضرتؐ کے ساتھ رہتے تھے اور کسب معاش کے لیے انھیں کسی جدوجہد کی ضرورت نہ پڑتی تھی البتہ ہجرت کے بعد حضرت فاطمہؓ سے شادی قرار پائی تو ولیمہ کی فکر داغلی ہوئی اور قرب و جوار کے جنگل سے اونٹ پر گھاس لاکر بیچنے کا ارادہ کیا، لیکن حضرت حمزہؓ نے ایک روز ان کی اجازت کے بغیر اس اونٹ کو ذبح کر کے لوگوں کو کھلادیا، حضرت علیؓ نے دیکھا تو نہایت مدہم ہوا کیونکہ آپؐ کے پاس صرف دو اونٹ تھے، آخر زرہ بیکر سامان کیا، اس زرہ کی قیمت بھی روپے سو اور پیسے زیادہ نہ تھی،

شادی کے بعد علیحدہ مکان میں رہنے لگے تو حصول معاش کی فکر لاحق ہوئی، چونکہ شروع سے اس وقت تک تمام زندگی سپاہیانہ کاموں میں بسر ہوئی، اس لیے کسی قسم کا سرمایہ پاس نہ تھا، صرف محنت و مزدوری اور جہاد کے مال غنیمت پر گذر اوقات تھا، خیر فتح ہوا تو آنحضرتؐ صلعم نے آپؐ کو ایک قطعہ زمین جاگیر کے طور پر عنایت کی، حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں اسے ازالہ انصاف کا خلاصہ بنایا، اسے ابوداؤد کتاب الخراج کا حوالہ باب فی بیان مواضع قوم بنی

بارغ فذک کا اختتام بھی اُن کے حوالہ کر دیا، اور دوسرے صحابہؓ کی طرح اُن کے لیے بھی پانچ ہزار درہم (ایک ہزار روپیہ) سالانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا، خلیفہ ثالث کے بعد مسندِ نبین خلافت ہوئے تو بیت المال سے بعد رکعاف روزینہ مقرر ہو گیا اور اسی پر آخری لمحہ حیات تک قانع رہے۔

مسند کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت رضیؓ نے فرمایا ایک وہ زمانہ تھا کہ میں رسول اللہؐ کے ساتھ بھوک کی شدت سے بیٹ پر پتھر باندھتا تھا اور آج میرا یہ حال ہے کہ چالیس ہزار سالہ میری زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے اس واقعہ میں اور آپؐ کی ترشی و تکی و فقر و فاقہ کی روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے آپؐ کی اس آمدنی کا بڑا حصہ خدا کی راہ میں صرف ہوتا تھا اور ذاتی اور خانگی ضرورت فاقہ کا وہی عالم رہتا تھا،

کبھی کبھی خانہ داری کے معاملات میں حضرت فاطمہؓ سے رنجش بھی ہو جاتی تھی لیکن آنحضرت صلیم ہمیشہ درمیان میں پڑ کر صفائی کر دیتے تھے ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی وہ آنحضرت صلیم کے پاس شکایت لیکر عدین، پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی آئے حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہیے کہ کون نڈھرائی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے؟ حضرت علیؓ نہایت متاثر ہوئے اور انھوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا اب میں تمہارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کروں گا۔

آنحضرت صلیم نے رحلت فرمائی تو حضرت فاطمہؓ کو اس قدر غم ہوا کہ اُس کے بعد صرف چھ مہینے زندہ رہیں اور اس عرصہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی ان کا دل پُر مردہ شگفتہ نہ ہوا حضرت علیؓ بھی اُن کی دلدہی اور تسلی کے خیال سے خانہ نشین رہے اور جب تک وہ زندہ رہیں گھر سے باہر قدم حضرت فاطمہؓ کے بعد متعدد شادیاں کیں اور اُن بی بیوں سے بھی لطف و محبت کے ساتھ پیش آئے۔

اُن کو اپنے صاحبزادہ محمد بن حنفیہ سے بھی نہایت محبت تھی چنانچہ وفات کے وقت حضرت امام حسنؑ سے اُن کے ساتھ لطف و محبت سے پیش آنے کی خاص طور پر وصیت فرمائی تھی۔

عبداللہ بن عباس
عبداللہ بن عباس
۱۵۹

خدا دلباس | حضرت علیؑ کے غیر معمولی زہد دورے نے ان کی معاشرت کو نہایت دہن دیا تھا ان کا نام عموماً روکھا پھیکا کھاتے تھے، عمدہ پوشاک اور قیمتی لباس سے بھی شوق نہ تھا، عامرہ بہت پسند کرتے تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے اللہ اعلم بیجان العرب یعنی عمارے عربوں کے تاج ہیں، کبھی کبھی سپید ٹوپی بھی پہنتے تھے، کرتے کی آستین اس قدر چھوٹی ہوتی کہ اکثر امداد سے کھلے رہتے تھے، ہمد بھی نصیب تک ہوتی تھی، کبھی صرف ایک ہمد ادما یک چادر ہی پر قناعت کرتے اور اسی حالت میں فرائض خلافت ادا کرنے کیلئے کوڑا لیکر بازار میں گشت کرتے نظر آتے تھے، غرض آپؑ کا ظاہر ٹائین اور طرراق کا مطلق شوق نہ تھا، بیوی لگے ہوئے پہنتے تھے، لوگوں نے اسے استغناء عرض کیا تو فرمایا یہ دل میں خشنوع پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں کیلئے ایک اچھا نمونہ ہے کہ وہ اسکی پیروی کریں، یائین ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، اور اسپر مدالکلف نقش تھا،

حضرت علیؑ پر سردی و گرمی کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا کیونکہ رسالتاً صلعم نے غزوہ خیبر میں ان کیلئے غازی تھی اللہ اعاد عینہ الحدیث یعنی اسے خدا اس سے گرمی و سردی دور کرے اس کا اثر یہ تھا کہ وہ باہر سے کاپڑا گرمی میں اور گرمی کا لباس جاڑے میں زیب تن فرماتے اور اس سے کوئی تکلیف نہ ہوتی،

صلیم | صلیہ یہ تھا، قد میانہ رنگ گندم گون آنکھیں بڑی بڑی چڑچڑی و خوش صورت سیدہ چڑا اسپر بال باز و دو تمام بدن گٹھا ہوا، پیٹ بڑا اور نکلا ہوا اور سر میں بال نہ تھے یا قنطرة نہ تھے یا سر گٹھا یا کرتے تھے ایک وایت میں ہے کہ آپؑ فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلعم کو کہتے سنا ہے کہ سر کے بال کے نیچے نجاست ہوتی ہے اسی لیے میں بالوں کا دشمن ہوں، ایک وایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپؑ کے پیچھے دو گیسو پڑے دیکھے مگر زیادہ متنبو ہی ہے کہ آپؑ کے سر میں بال نہ تھے، ریش مبارک بڑی لمبی چوٹی تھا کہ ایک نعل سے دوسرے نوڈل تک پھیلی تھی آخر میں بال بالک سپید ہو گئے تھے اور شاہ تمام عمر میں ایک قمہ بالوں میں ہندی کا خضاب کیا تھا،

ازواج و اولاد | سیدہ جنت حضرت فاطمہؑ زہراؑ کے بعد جناب مرقضی نے مختلف اوقات میں متعدد شایان

لحمہ و
۱۹ ص ۱۹۹

کین اور ان سے نہایت کثرت کے ساتھ اولاد میں ہوئیں تعضیل حسب ذیل ہے:

حضرت فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں ان سے ذکورین حسن بن حسین، حسن اور لڑکیوں میں یکتا ہوئی

ام کلثوم کبریٰ پیدا ہوئیں حسن نے یحییٰ بن مہناز پائی،

ام القیس بنت حزام ان سے عباس جعفر، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے ان میں سے عباس کے علاوہ حضرت

امام حسین کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے

علیٰ بنت سعید انھوں نے عبداللہ اور ابو بکر کو یا دگار بن زید اور ایک لڑکی کے مطابق دین محمد بن امام حسن کے ساتھ شہید ہوئے

اسمار بنت حمیس ان سے یحییٰ اور محمد صخر پیدا ہوئے،

شہباز، ام حبیب بنت بیضہ یا مد تھیں ان سے عمرو رقیہ پیدا ہوئیں عمر نے نہایت طویل عمر پائی، اور

نوریا پچاس برس کن میں متوجع میں وفات پائی،

امارت بنت ابی لہاس حضرت نبی کی صاحبزادی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں ان کو محمد وسط تولد ہوا،

خولہ بنت جعفر محمد بن علی جو محمد بن خنیفہ کے نام سے مشہور ہیں ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے

ام سعید بنت عروہ ان سے ام الحسن اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں

محبابہ بنت امرؤ القیس ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی مگر یحییٰ بن قضا کر گئی

متذکرہ بالا بیویوں کے علاوہ متعدد لڑکیاں بھی تھیں اور ان میں حسب ذیل لڑکیاں تولد ہوئیں

ام ہانی، بنت یحییٰ بن جعفر، ام کلثوم صغریٰ، فاطمہ، امہ، خدیجہ، ام الکرام، ام سلمہ، ام جعفر، ام حبیبہ

غرض حضرت علی کی سترہ لڑکیاں اور چودہ لڑکے تھے، ان میں سے پانچ سے سلسلہ نسل طاری

ان کے نام یہ ہیں، امام حسن، امام حسین، محمد بن خنیفہ، عباس، عمر

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہم



سیرۃ عائشہ

(طبع دوم)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب فضائل اخلاق اور ان کے علمی رتبا اور ان کے اجتہادات صنعتی پران کے احسان اور اسلام کے تعلق ان کی نکتہ نبیان اور حدیث کے جوابات قیمت ہے

الفاروق

حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت اگرچہ سنخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گران پڑا کتاب کے بیون ایڈیشن فروخت ہو رہے ہیں مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ ایڈیشن کی تلاش تھی طبع معارف نہایت اہتمام اور سعی طبع سے اس کا نیا ایڈیشن تیار کرایا ہے جو حرف بحرف نامی پریس کا نو کی نقل ہے نہایت عمدہ کتابت اعلیٰ چھپائی عمدہ کاغذ دیناے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ بظاہر مثیل ضخامت ۳۱۸ صفحہ قیمت للحد

خطبات مدراس

مولانا سید سلیمان ندوی نے پچھلے سال مدراس میں سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر جو آٹھ خطبے دلچسپ دیے تھے وہ نہایت اہتمام سے عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار ہیں چھپنے سے پہلے اس کے نصف آڈٹ آپکے ہیں یہ اس لائق ہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں میں ہر یہ تعظیم کیے جائیں ضخامت ۱۶۰ صفحہ قیمت ع

سیرۃ النبیؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات، غروا، اور اخلاق و عادات کے متعلق بہت سے ربط و باس واقعات تاریخ و سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں، لیکن اس کتاب کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اس قسم کی تمام تاریخ قطع نظر کر لی گئی ہے اور صرف وہ واقعات بیان کیے گئے ہیں جو قرآن مجید اور احادیث میں مذکور ہیں اور جنکی صحت میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں، تاریخ و سیر سے بھی وہی واقعات لیے گئے ہیں جنکی صحت پر عقلی و نقلی حیثیت سے کوئی اعتراض واقع نہ ہو۔

اب تک اس کتاب کے تین حصے شائع ہو چکے ہیں اور تین حصے اور باقی ہیں پہلے حصے میں ولادت لیکر فتح مکہ تک کے حالات ہیں اور ابتداء میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں سیرت کی کتابوں پر تنقید کی گئی ہے اور ان کی خصوصیات بتائی گئی ہیں اسی مقدمہ میں آپ کی سوانح کے متعلق اور بھی چند اہم اور اصولی مباحث مذکور ہیں دوسرے حصے میں آپ کی وفات آپ کے اخلاق و عادات اور اعمال و عبادات وغیرہ مفصل بیان ہے اور یہ حصہ تا ستر قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے۔

تیسرے حصے میں آپ کے معجزات و خصائص و نبوت پر بحث ہے، اس میں سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر بعد از اصولی بحثیں کی گئی ہیں پھر ان معجزات کی تفصیل ہے جو بڑا بہت صحیح ثابت ہیں اس کے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید و دلیل کی گئی ہے قیمت با اخلاق کاغذ حصہ اول قطع خور نے رد اللہ حصہ دوم قطع کلائے حصہ دوم قطع خورہ حصہ سوم قطع کلائے غلہ اوستے

منجد دار المصنفین عظم گڑھ

